خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

ردا ڈائجسٹ

NOVEMBER
2012

PDFBOOKSFREE.PK

ماڈل: مہوش

میک اپ: روز

فوٹوگرافی: موسیٰ

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

نومبر 2012ء
جلد نمبر 17 شمارہ نمبر ۱۱
قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
600 روپے


34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک ۔2۔ پی ۔ای ۔سی ۔ایچ ۔سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-
ماہ نامہ "ردا" ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرا دے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ "ردا پبلیکیشنز"

مستقل سلسلے



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صالحہ محمود

محبت سفر باندھ لیتی ہے، زندگی کے حسین پل دینے پڑتے ہیں، احترام اور محبت سنت کے دو پلڑے جس میں دان دینا ہی پڑتا ہے، محبت بھی روشنی کی طرح آگے بڑھتی جاتی ہے، میری بیٹی ڈاکٹر عائشہ جو میری روح اور جسم و جاں کا حصّہ تھی، فرض کی ادائیگی میں، میں سُرخرو ہوئی، عائشہ اور حمد کی جوڑی بہت خوبصورت لگ رہی تھی، دعاؤں اور محبت کے جلوے میں وہ رخصت ہوئی، یوں لگا آنکھوں کی نمی میں اس کا پورا وجود ٹھہر گیا ہو، جیسے دل ساکت ہوا دھڑکنا بھول گیا، یوں لگا آباد ہے کسی کونے میں، وہ میری بیٹی ہی نہیں وہ میری تنہائی کی ساتھی تھی، اس نے ہمارے ساتھ بہت سارے خوشی اور دکھوں کے لمحوں کو بانٹ رکھا تھا، پانچ منٹ کالج سے لیٹ ہونے پر میرا دل دھڑکنے لگتا تھا، اُسی بیٹی کو میں نے پال پوس کر کسی کے حوالے کر دیا، یہ کل کی بات نہیں، آج کی بات ہے، گھڑی پر نظر پڑی تو میں چونک کر بولی ”ابھی تک عائشہ نہیں آئی“۔ پھر دھڑ سے بیڈ پر گری کہ عائشہ تو اپنے گھر کی ہوگئی۔ اللہ اُسے آباد رکھے، خوش رکھے، زمانے کی گرم ہواؤں سے اُسے محفوظ رکھے، اس کے پاؤں تلے کی گرم ریت بھی میرے نصیب کا حصّہ ٹھہرے۔ یاربّ! یوں ہی وہ ہنستی اور مسکراتی رہے، اس کی آواز کی سرگوشیاں، اس کے ہونٹوں کی ہنسی آباد رہے، یہ دُعا ہے میری۔

رہے تا ابد سلامت تیرا خاورِ درخشاں
تیری صبح نور افشاں کبھی شام تک نہ پہنچے

مجھ سے محبت کرنے والی، مجھے چاہنے والی، میرا ناول پڑھنے والی بچیوں کے لیے یہی دُعا ہے کہ اللہ اُن کے نصیب اچھے کرے اور آگے بھی اُن کے لیے آسانیاں پیدا کرے۔ بہت ساری مصروفیات ختم ہونے کے باوجود دل میں عائشہ کی باتوں کا ہجوم ہے، آنکھوں میں گزری ہوئی تصویروں کا عکس، جب اس نے پہلا قدم اُٹھایا، پہلی بار بات کی، مووی بنی، اس کی باتیں ریکارڈ کی گئیں، قارئین! لکھنے کچھ اور جا رہی تھی، لیکن دل ابھی بھرا نہیں۔ زندگی کی حقیقت ہے کہ نیکی کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے، اس طویل سفر میں میری نیکیاں کام آئیں، اس دور میں، میں محبتوں کے ہجوم میں رہی، ہمارے سارے بہن بھائی ہمارے ساتھ تھے، ہماری دوستوں نے ایک ایک لمحہ خوشیوں کا ہمارے ساتھ شیئر کیا، خاص طور پر ہماری دوست ناصرہ اور نسرین ہمارے ساتھ ساتھ رہیں، ہماری خوشیوں اور محبتوں میں انہوں نے ہمارا ساتھ دیا۔

میں بے حد مشکور ہوں اللہ کرے سب کے گھر چراغوں سے بھر جائیں۔ پہلی بار مجھے یہ احساس ہوا کہ اِردگرد بسنے والے لوگ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں، یہی پیغام ہے میرا صرف اپنوں سے نہیں غیروں سے محبت کر کے تو دیکھیں، محبت دلوں کو آباد رکھتی ہے، خوش گمانی کی بات نہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ میں نے اپنوں سے زیادہ غیروں سے محبت کی ہے، اسی لیے میں آج خالی دامن نہیں ہوں۔ نورین ملک! ہمارے پاس بیٹھی ہوئی یہ اداریہ لکھ رہی ہیں، اِردگرد عائشہ کے وجود کی مہک ہے اور میں ہوں۔ اپنی دعاؤں میں عائشہ کو بھی یاد رکھیے گا، میری یہ بات جو میرے والد صاحب نے مجھے آٹوگراف بُک میں لکھ کر دی تھی۔ ”عزیز و اقارب سے تعلقات رکھنا ہر اچھے انسان کا عمل ہے“ اس عمل کو آپ بھی اپنایئے گا۔ یہ پیغام میرے چاہنے والوں کے نام ہے، موسم کی تبدیلی کا پہلے سے خیال کر لیجیے گا۔ اللہ حافظ!

آپی

صالحہ محمود

قربانی کی فضیلت و اہمیت

قربانی کے لیے مخصوص جانور کو قربانی کے دنوں میں بہ نیت تقریب ذبح کرنا قربانی ہے اور کبھی اُس جانور کو بھی اضحیہ اور قربانی کہتے ہیں، جو ذبح کیا جاتا ہے، قربانی حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے جو اس اُمّت کے لیے باقی رکھی گئی اور نبی کریمؐ کو قربانی کا حکم دیا گیا ارشاد فرمایا ”تم اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو“۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدسؐ نے فرمایا: یوم النحر (دسویں ذوالحجہ) میں ابن آدم کا کوئی عمل اللہ کے نزدیک خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ پیارا نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگ، بال اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل خدا کے نزدیک مقامِ قبولیت کو پہنچ جاتا ہے، لہٰذا اسے خوش دلی سے کرو۔“ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

سیدنا حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: جس نے خوش دلی اور ثواب کی نیت سے قربانی کی، وہ اس کے لیے آتشِ جہنم سے حجاب (روک) ہو جائے گی۔“ (طبرانی)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: جو مال عید کے دن قربانی میں خرچ کیا گیا اس سے زیادہ کوئی مال پیارا نہیں۔“ (طبرانی)

حضرت ابوہریرہؓ روای ہیں کہ حضورِ اقدسؐ نے فرمایا: جس میں وسعت ہو اور اس کے باوجود وہ قربانی نہ کرے، تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ (ابن ماجہ)

ابن ماجہ نے زید بن ارقمؓ سے روایت کی ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟ فرمایا ہر بال کے مقابل نیکی ہے، عرض کیا گیا کہ وہ اُون کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: اُون کے ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔“ (ابن ماجہ)

صحیح بخاری میں براءؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے عیدالاضحیٰ کے دن فرمایا: سب سے پہلے جو کام آج کریں گے، وہ یہ ہے کہ نماز پڑھیں پھر اُس کے بعد قربانی کریں گے جس نے ایسا کیا اُس نے ہمارے (طریقہ) کو پالیا اور جس نے پہلے ذبح کر لیا، وہ گوشت ہے جو اس نے پہلے سے اپنے گھر والوں کے لیے تیار کر لیا، قربانی سے اُسے کچھ تعلق نہیں۔ ابوہریرہؓ کھڑے ہوئے اور یہ پہلے ہی ذبح کر چکے تھے (اس خیال سے کہ پڑوس کے لوگ غریب تھے، انہوں نے چاہا کہ انہیں گوشت مل جائے) اور عرض کیا یارسول اللہؐ میرے پاس بکری کا چھ ماہ کا ایک بچہ ہے، فرمایا تم اُسے ذبح کر لو اور تمہارے سوا کسی کے لیے چھ ماہ کا بچہ کفایت نہیں کرے گا۔“ (صحیح بخاری)

امام احمد براءؓ سے راوی ہیں کہ حضورِ اقدسؐ نے فرمایا: آج کے دن جو کام ہمیں پہلے کرنا ہے وہ نماز ہے اس کے بعد قربانی کرنا ہے جس نے ایسا کیا، وہ ہماری سنت کو پہنچا اور جس نے پہلے ذبح کر ڈالا، وہ گوشت ہے جو اُس نے اپنے گھر والوں کے لیے پہلے ہی کر لیا، نسک یعنی قربانی سے اُسے کچھ تعلق نہیں (امام احمد)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ذبح کے دن دو مینڈھے سینگ والے چت کبرے، خصی کیے ہوئے ذبح کیے جب اُن کا منہ قبلے کی طرف کیا تو قربانی کی دعا پڑھی۔“ (امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، داری)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے یہ فرمایا: الٰہی یہ میری طرف سے ہے اور میری اُمت میں اس کی طرف سے جس نے قربانی نہیں کی۔

امام بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہؐ نے دو مینڈھے چت کبرے سینگ والوں کی قربانی کی، انہیں اپنے دست مبارک سے ذبح کیا اور بسم اللہ، اللہ اکبر کہا، کہتے ہیں میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ اپنا قدم مبارک اُن کے پہلو پر رکھے ہوئے تھے اور آپؐ نے بسم اللہ، اللہ اکبر کہا۔" (بخاری و مسلم)

قربانی کے سلسلے میں یہ مسئلہ ہے کہ جب تک جانور ٹھنڈا نہ ہو جائے، نہ ہاتھ پاؤں کاٹیں، نہ کھال اُتاریں، قربانی اپنی طرف سے ہو تو ذبح کے بعد یہ دعا پڑھیں۔ اَللّٰھُمَّ تقَبَّلْ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ حَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ۔ اگر دوسرے کی طرف سے ذبح کرنا ہے تو "مِنِّی" کی جگہ "مِنہ" کہہ کر اس کا نام لیں۔

ایک صحابیؓ سے روایت ہے انہوں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ دو مینڈھوں کی قربانی کر رہے ہیں۔ میں نے کہا یہ کیا، اُنہوں نے فرمایا: رسول اللہؐ نے وصیت فرمائی کہ میں حضورؐ کی طرف سے قربانی کروں، لہٰذا میں حضورؐ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ (ترمذی)

اُمّ المومنین اُمّ سلمہ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا جس نے ذی الحجہ کا چاند دیکھا اور اس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے، تو جب تک قربانی نہ کرے بال اور ناخنوں سے نہ لے یعنی نہ ترشوائے۔ (مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قربانی میں گائے سات کی طرف سے اور اونٹ سات کی طرف سے ہے۔ (طبرانی)

مجاشع بن مسعودؓ راوی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا بھیڑ کا جذع (چھ مہینے کا بچہ) سال بھر والی بکری کے قائم مقام ہے۔ (ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)

امام احمد نے روایت بیان کی ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا: افضل قربانی وہ ہے جو بہ اعتبار قیمت اعلیٰ ہو اور خوب فربہ ہو۔ (مسند احمد)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا: چار قسم کے جانور قربانی کے لیے درست نہیں۔ کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو۔ بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو اور لنگڑا جس کا لنگ ظاہر ہو اور ایسا لاغر جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو، اُسی کی مثل۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے کان کٹے ہوئے اور سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی سے منع فرمایا۔ (ابن ماجہ)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ہم جانوروں کے کان اور آنکھیں غور سے دیکھ لیں اور اس کی قربانی نہ کریں جس کے کان کا اگلا حصہ کٹا ہوا ہو، اور نہ اُس کی جس کے کان کا پچھلا حصہ کٹا ہوا ہو، نہ اس کی جس کا کان پھٹا ہوا ہو، یا کان میں سوراخ ہو۔ (ترمذی)

یاد رکھیے کہ قربانی کا جذبہ ایک ایسا عمل ہے کہ جس کی بدولت گھر، معاشرہ، ملک امن و سلامتی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ ماں باپ کو اولاد کے لیے، اولاد کو ماں باپ کے لیے محلے والوں کو دیگر محلے والوں کے لیے ایک دوسرے کا اسلام کی تعلیمات کے تحت خیال رکھنے اور سب کا وقار بلند کرنے کے لیے قربانی دینا، جذبہ قربانی کی (جو اطاعت الٰہی ہے) ایک کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جذبہ قربانی عطا فرمائے۔ (آمین!)

آیئے آج کے دن حضورِ ربّ جب ہم شکرانے کی ادائیگی کے لیے جائیں تو بارگاہ الٰہی میں دعا کریں کہ اے باری تعالیٰ ہم آپ کی رضا چاہتے ہیں۔ باری تعالیٰ ہماری عبادت قبول فرما۔ ہمارے ملک کو سلامت رکھ کہ دشمن دوستی کے روپ میں اسے تباہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ ہمیں اپنی پناہ میں رکھ لے یا اللہ! فرقہ واریت اور آپس کے اختلافات سے بچا لے کہ ہم آپ کے محبوبؐ کی اُمت ہیں۔ ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔

☆............☆............☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیا قریشی

مکمل ناول

دل کے رنگ انوکھے

وہ استری کا پلگ نکال کے آخری سوٹ کو ہینگ کر رہی تھی، جب ڈور بیل کی آواز پر چونک اُٹھی، بیل کو نظر انداز کر کے وہ اپنے کام میں منہمک رہی تھی، دوبارہ بیل ہوئی تو یاد آیا کہ امی تو نہا رہی ہیں، ماتھے پر ہاتھ مار کر وہ جلدی سے باہر کی



طرف لپکی، اندرونی دروازہ کھول کر وہ باہر گیلری میں آئی لکڑی کا بیرونی دروازہ کھولنے کے بعد اس نے جالی والے گیٹ سے باہر نظر ڈالی، باہر فضہ کھڑی تھی، اس نے جلدی سے گیٹ کھولا۔ وہ سرخ چہرے، پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ خونخوار نظروں سے اسے دیکھتی اندر داخل ہوئی۔

"خیریت.....! تمہارا منہ کیوں پھولا ہوا ہے، کیا پھپھو سے مار کھا کے آ رہی ہو؟" وہ گیٹ بند کر کے پلٹی۔

"میرا جی چاہ رہا ہے تمہارا خون پی جاؤں"۔ وہ بگڑے تیوروں سے بولی۔

"حالانکہ تمہارے اندر پہلے ہی وافر مقدار میں خون موجود ہے"۔ وہ اس کے سرخ چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"بکواس نہیں مہک! مجھے شدید غصہ آ رہا ہے، میں نے نیچے سے گلا پھاڑ پھاڑ کر تمہیں آوازیں دیں تھیں، تم کیا کانوں میں روئی ڈال کر بیٹھی تھیں؟" وہ گیلری سے نیچے کمپاؤنڈ میں جھانکتے ہوئے غصے سے بولی۔

"واہ.... تمہاری عقل کا بھی جواب نہیں، فورتھ فلور ہے میڈم! یہ آواز کیسے آئے گی، جبکہ گیٹ بھی بند ہوں، نیچے سے گلا



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھاڑنے کے بجائے فون کرتی ناں"۔
"فون گھر بھول آئی ہوں"۔ وہ بے چارگی سے بولی۔
"تو بھی نیچے سے گلا پھاڑنے کی کیا ضرورت تھی، سیدھی اوپر آتیں، اب بھی تو آئی ہو"۔
"وہ نیچے فرسٹ فلور پر تین بکرے بندھے ہوئے ہیں اور تمہاری بلڈنگ کی لفٹ بھی خراب ہے، نجانے کب ٹھیک ہوگی"۔ اس نے ٹشو سے پسینہ خشک کیا۔
"تم بکروں سے ڈر گئیں؟" وہ ہنس پڑی، وہ اسے گھورتے ہوئے برآمدے میں پڑی چیئر پر بیٹھ گئی۔
"میں بکروں سے نہیں ڈرتی، مگر وہ بکرے ہی اتنے خونخوار ہیں"۔ وہ چڑ گئی۔
"پھر بھی بکرے ہی تو ہیں"۔ وہ بمشکل اپنی ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے بولی۔
"اچھا پھر تم اوپر کیسے آئیں؟"
"یہ سامنے والی سیڑھیوں میں چڑھی، پھر تمہارے تھرڈ فلور والے نیبرز کا یہ والا گیٹ کھلوا کے اس سائیڈ والے گیٹ سے اوپر آئی ہوں"۔ وہ سامنے بلڈنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ایک کمپاؤنڈ میں تین اطراف بلڈنگز تھیں، ایک دوسرے سے منسلک، بلڈنگز کے بیچ خاصہ بڑا کمپاؤنڈ تھا اور عمارات کے نیچے پارکنگ ایریا، جدید طرز پر بنایا گیا ریزیڈنسی ایریا تھا۔ اس کی بلڈنگ کے لیفٹ پورشن کے سیکنڈ اور تھرڈ فلور کے مکینوں نے اپنا ایک گیٹ سامنے والی بلڈنگ کی سیڑھیوں میں بھی کھلوا رکھا تھا، آنے جانے کی سہولت کے پیش نظر۔
آج بکرا عید کی چاند رات تھی، فضہ نے صبح اسے فون پر بتایا تھا کہ اسے اس کے ساتھ پارلر چلنا ہے، مہندی لگوانے، اسے تو مہندی لگانے کا کوئی خاص شوق نہ تھا، مگر فضہ اس کی بہترین دوست اور کزن تھی، اس کے ساتھ وہ ہر دم ہر جگہ جانے کے لیے تیار رہتی تھی، سو اب بھی صبح سے اپنے کام نمٹاتے وہ اس کی منتظر تھی۔
سیکنڈ فلور کی سیڑھیاں اُترتے ہوئے اس نے نچلے اسٹیپس پر ریلنگ سے بندھے بکرے کو دیکھا، ایک ہی نظر آرہا تھا، احتیاط سے چند اسٹیپس مزید نیچے اُترنے کے بعد اس نے ریلنگ سے نیچے جھانکا، ایک بکرا انگ سے کوریڈور کے بالکل بیچ میں بندھا تھا اور ایک ریلنگ کے بالکل آخری سرے پر بندھا تھا۔
جائزہ لینے کے بعد اُس نے نیچے اُترنا شروع کیا، فضہ اس کے پیچھے تھی، اس کے اور بکرے کے بیچ میں تین اسٹیپس کا فاصلہ رہ گیا تھا، جب اس بکرے نے ایک ہی جست میں تین اسٹیپس عبور کئے تھے، اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی تھی، وہ پلٹ کر تیزی سے اوپر بھاگی۔ بے تحاشہ کانپتے دل پر ہاتھ رکھ کر اس نے خاصی خوفزدہ نظروں سے فضہ کو دیکھا، جس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ رینگ رہی تھی، اسے یقین تھا کہ اگر اس نے پیچھے ہٹنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر کی ہوتی، تو وہ بکرا اپنی نوکیلی سینگیں اس کے پیٹ میں گھونپ چکا ہوتا۔
اس نے تھوک نگلتے ہوئے پھر سے بکرے پر نظر جمائی، بکرا ریلنگ سے سینگ تیز کرتا داہنا پاؤں سیڑھیوں پر مار رہا تھا، اس کی حرکتیں دیکھ کر اس کی ہمت بالکل جواب دے گئی۔
"میں نہیں جا سکتی"۔ وہ روہانسی ہوگئی۔
"کیوں بکرا ہی تو ہے"۔ فضہ نے جتایا، وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"پارلر سے پانچ بجے کی اپائنٹمنٹ لی تھی میں نے، اور پانچ بجنے ہی والے ہیں، کیا مصیبت ہے"۔ فضہ گھڑی پر نظر ڈال کر بکرے کو کینہ توز نظروں سے گھورتی بڑبڑائی۔
"کوشش تو کرتے ہیں"۔ فضہ آگے بڑھی، مگر بکرے نے اس پر بھی حملہ آور ہونے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں جا سکتے ہم..... اگر کسی نہ کسی طرح اس کے آگے سے نکل بھی جائیں تو وہ دوسرا اور پھر تیسرا.....!" اسے ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر بندھے یہ بکرے کسی گیم کے تین لیولز لگ رہے تھے۔
"پھر اب....؟" فضہ نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ چند ثانیے سوچنے کے بعد اس نے فرسٹ فلور والی آنٹی کو آوازیں لگائیں تھیں۔
"کیا ہوا....؟" وہ انہیں دیکھ تو نہیں سکتی تھی، مگر ان کی آواز اسے بخوبی سنائی دی۔
"کسی کو کہہ کر اپنے بکرے ہٹوائیں، ہمیں جانا ہے، دیر ہو رہی ہے"۔
"تھوڑی دیر رُکو، شعیب آجائیں تو میں ان سے کہتی ہوں"۔ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام لیا۔
"کب تک آئیں گے وہ...؟" اس نے جلے بھنے لہجے میں دریافت کیا۔
"بس آتے ہی ہوں گے"۔ اس نے اور فضہ نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی، آنٹی تو تعاون کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تھیں۔
"گھر میں اور کوئی نہیں ہے؟" اس نے پوچھا تھا، مگر جواب موصول نہیں ہوا، وہ اندر جا چکی تھیں۔
"چلو واپس اوپر چلتے ہیں، تھرڈ فلور سے ہی نکل جائیں گے"۔ اس نے سیڑھیاں چڑھنی شروع کیں۔
"وہ کیا کہیں گی کہ ہمارے گھر کو راستہ سمجھ لیا، ارے یہاں سے بھی تو راستہ ہے"۔ سیکنڈ فلور پر کھڑے فضہ کو اچانک یاد آیا اور اس نے آگے بڑھ کر ڈور بیل پر انگلی رکھ دی، ساتھ ہی مہک کو گھسیٹ کے آگے کیا کہ تمہارے پڑوسی ہیں تم ہی بات کرو۔ دروازہ کھلتے ہی وہ سامنے والے کی طرف متوجہ ہوئی، ڈھیلے ڈھالے بلیک ٹراؤزر اور وائٹ ٹی شرٹ پہنے وہ ایک خوبرو سا شخص تھا، جس کے ہاتھ میں گھاس تھی۔
"السلام علیکم!" اس نے بتیسی کی نمائش کی۔
"جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟" اس نے استفسار کیا، ایک ہفتے پہلے ہی وہ لوگ اس گھر میں شفٹ ہوئے تھے۔
میں....میں کی آواز کے ساتھ ہی ایک بکرے نے اس کے پیچھے سے منہ نکالا تھا۔ وہ احتیاطاً دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔
"وہ ہمیں اس سائیڈ جانا ہے تو ہم آپ کے اس گیٹ سے جا سکتے ہیں؟ یہ نیچے جو بکرے کھڑے ہیں، نہایت بدتمیز قسم کے ہیں، نکلنے ہی نہیں دے رہے"۔ وہ شعلہ بار نظروں سے نیچے بندھے بکرے کو گھورتے ہوئے بولی۔ اس کا منہ پہلے تو حیرت سے کھلا، پھر بند ہو گیا، اس نے سر سے پاؤں تک اس ڈرپوک سی لڑکی کو دیکھا، پھر گھاس بکرے کے منہ میں دے کر دروازہ بند کرتا باہر نکل آیا۔
"آیئے.... میں چھوڑ دیتا ہوں"۔ وہ کہتا ہوا آگے بڑھا۔ بکرے کے سینگ پکڑ کر اس نے منہ قابو کیا اور اس سے بولا۔
"چلے جایئے"۔
"یہ دوسرا بھی تو ہے"۔ اس نے اشارہ کیا، بکرے نے خود کو چھڑانے کے لیے زور لگانا اور اُچھل کود کرنا شروع کر دیا تھا۔
"پہلے یہاں سے تو نکلیئے"۔ وہ بولا، وہ جلدی سے نیچے بھاگیں، مگر بکرا تو تیار ہی بیٹھا تھا، اس نے فوراً ہی چھلانگ لگائی، مہک چیختے ہوئے فضہ سے لپٹ گئی، جس کے اپنے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ بکرا ان تک پہنچنے کی کوشش میں زور زور سے رسّی کو جھٹکے دے رہا تھا، چیخیں سن کر آنٹی بھی دروازے میں آ کھڑی ہوئی تھیں اور مشورے دے رہی تھیں کہ وہ دونوں بنا ڈرے آجائیں، بکرے نے کون سا انہیں کھا لینا ہے۔ اس نے پہلے بکرے کو چھوڑ کر سرعت سے دوسرے کو سنبھالا، اس سے پہلے کہ وہ چھلانگ لگا کر نیچے آتا، وہ تیزی سے دوسرے کے آگے سے بھی نکلتی چلی گئیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”دیکھا.... کچھ کہا کیا اس نے؟ اتنی بڑی بڑی ہو کے ڈرتی ہو“۔ اس نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ خاصی غصیلی نظروں سے آنٹی کو دیکھا تھا۔ تیسرا بکرا اسٹرھیوں پر ٹانگیں پسار کر لمبا ہو کر کچھ ایسے لیٹا تھا کہ آنے جانے کا راستہ ہی نہیں بچا تھا۔

”سائے پھلانگ کر چلی جائیں، بیٹھا ہوا ہے، کچھ نہیں کہے گا“۔ وہ بولا۔

”ہاں.... پہلے میں جاتی ہوں، پھر تم آنا ایسے ہی“۔ فضہ آگے بڑھی، چھلانگ لگا کر وہ دو اسٹیپ ساتھ اُتری پھر تیزی سے اُترتی چلی گئی۔

”آجاؤ.... ایسے ہی“۔ اس نے پلٹ کر مہک کو دیکھا، وہ کانپتی ٹانگوں سے ہمت کر کے آ ہی گئی تھی اور اب ریلنگ پر جھکی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی، پارلر پہنچنے تک وہ دونوں بکروں پر ہی باتیں کرتی رہی تھیں کہ یا تو ان کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے، یا پھر وہ ابھی ابھی جنگل سے آئے ہیں، اس لیے انہیں انسانوں کے بیچ رہنے کا سلیقہ نہیں آتا۔

☆..........☆..........☆

پارلر میں خاصی دیر لگی تھی، اس نے فضہ کے بہت کہنے پر ہلکی سی بیل دونوں ہاتھوں پر بنوالی تھی، واپسی پر چھوٹی موٹی شاپنگ کرنی تھی، سو اس میں بھی دیر لگی۔

”اگر وہ بکرے پھر موجود ہوں تو چوکیدار سے کہہ کر دو ڈنڈے لگوا دینا، خود سُدھر جائیں گے“۔ فضہ کے کہنے پر اس نے بڑی سعادت مندی سے سر ہلایا تھا۔ چوکیدار بدستور اپنی کرسی سے غائب تھا، وہ فضہ کو ہاتھ دیو کرتی پلٹ گئی، اس نے بڑی احتیاط سے رُک کر چاروں طرف کا جائزہ لیا، بکرے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے، وہ مطمئن ہو گئی۔

”آنٹی نے اندر گھر میں یا ٹینٹ میں بندھوا دیئے ہوں گے، چلو اچھا ہے، اب کسی کو پریشانی نہیں ہوگی“۔ وہ سوچتی اطمینان سے خراماں خراماں مہندی کے نقش و نگار میں نگاہیں اُلجھائے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی، جب وہ اچانک ریلنگ کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ کر تیز آواز میں چلّایا، وہ خوف سے اُچھل پڑی، سامنے نیم وا دروازے کو دھکیلتی وہ اندر گھس گئی۔

”ارے، ارے کیسے اندر چلی آ رہی ہو؟ ابھی فرش دھویا تھا، تم نے بیڑہ غرق کر دیا“۔ آنٹی خاتون ہنڈیا میں زور زور سے کفگیر مارتے چلائیں، سامنے ہی تو کچن تھا، سو مہک کی جوتیوں سے بنے نشان فوراً ہی گرفت میں آ گئے، ان کے چلّانے پر ان کے میاں بھی اندر سے نکل آ گئے تھے اور اب اس سے دریافت کر رہے تھے۔

”انکل! وہ بکرے....“ روہانسے لہجے میں بولتے اس نے باہر کی سمت اشارہ کیا۔

”بے چارے بکروں کو وبالِ جان بنا کر رکھ دیا ہے اس لڑکی نے، ارے قربانی کا جانور ہے، کوئی ہوّا نہیں ہے“۔ وہ پھر سے چلّائیں۔

”قربانی کے جانور آپ نے اپنے گھر میں کیوں نہیں باندھے، راستے میں باندھ کر کیوں دوسروں کو تکلیف دے رہی ہیں؟“ اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

”اے لو.... ابھی تو میں نے صفائی کی ہے، انہیں باندھ کر پھر سے گند کرا لوں؟“

”تو کیا ہوا، آپ کو ثواب ہی ملے گا، قربانی کے جانور کے ایک ایک بال کے عوض نیکی ملتی ہے اور ویسے بھی صبح تک کی بات ہے، پھر تو انہیں قربان ہو ہی جانا ہے“۔ وہ بولی۔ ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو مہک کو بدتمیز کے لقب سے نوازتی دوبارہ اپنے کام میں مگن ہو گئیں۔

”آؤ بیٹا! میں چھوڑ دوں“۔ اپنی بیگم کی باتوں پر شرمندہ ہوتے وہ شفیق لہجے میں بولے۔

”آپ....؟“ اس نے حیرت سے انہیں دیکھا، وہ خاصے ضعیف تھے، مہک نے کئی بار انہیں اسٹک کے سہارے چلتے دیکھا تھا، انہوں نے قریب پڑی جھاڑو اُٹھائی اور وہ ان کے پیچھے چلی آئی، صاف گھاس جھاڑو سے ایک سائیڈ پر کرتے وہ

آگے بڑھے، بکرا کوریڈور بلاک کئے اطمینان سے بیٹھا منہ چلاتا انہیں ہی دیکھ رہا تھا، وہ بکرے کے دائیں بائیں پیر رکھ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ اب بکرا بالکل بیچ میں تھا، انہوں نے مہک کو اپنے پیچھے سے نکل جانے کا اشارہ کیا۔

”ہائے یہ جھاڑو کمروں میں پھیری جاتی ہے، تم اسے زینہ صاف کرنے کے لیے اُٹھا لائے؟“ خاتون آنٹی نے جھاڑو ان کے ہاتھ سے جھپٹی تھی، مگر اسے جھپٹنے میں بکرے میاں کے منہ پر جھاڑو لگی تھی، وہ بلبلا کر اُٹھ کھڑے ہوئے، وہ تو جھاڑو جھپٹ کر غڑاپ سے گھر میں گھس گئیں، مگر مہک کو اپنا ڈر بھول کر ان کی مدد کے لیے آگے بڑھنا پڑا، کیونکہ صورتحال یہ تھی کہ بکرے میاں کے اُٹھ جانے سے انکل جی کے قدم بھی زمین سے اُٹھ گئے تھے اور اب وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بکرے پر سوار تھے، کیونکہ وہ خاصے پستہ قامت اور بکرے صاحب تھوڑی دراز قامت کے واقع ہوئے تھے، اس نے سہارا دے کر انہیں اُترنے میں مدد دی، مگر پھر بھی اُترتے میں ان کا پاؤں مُڑ گیا، پھر بھی انہوں نے بکرے کو دھکیل کر سائیڈ میں کیا، اور اسے جانے کا اشارہ کیا۔

”بس انکل! آپ جایئے، میں چلی جاؤں گی“۔ اسے ان سے ہمدردی اور ان کی بیگم پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

”بے چارے انکل کا میری وجہ سے پاؤں مڑ گیا“۔ انہیں جاتا دیکھ کر اس نے گہرے تاسف سے سوچا۔ تب ہی نیچے سیڑھیوں پر آہٹ ہوئی تھی، اسے تذبذب میں کھڑے دیکھ کر سامنے کھڑے انکل نے اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

”تھینک یُو انکل!“ وہ تشکر سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

”آپ اسی بلڈنگ میں رہتی ہیں؟“ لاک میں چابی گھماتے ہوئے انہوں نے اسے دیکھا۔

”جی، فورتھ فلور پر“۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”آؤ بیٹا! اندر آ جاؤ“۔ انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔

”نہیں میں چلتی ہوں“۔ اس نے گھبرا کر انکار کیا۔

”اک کپ کافی پیئے بغیر تو میں آپ کو جانے نہیں دوں گا“۔ ان کے لہجے میں اصرار تھا۔ وہ اندر داخل ہو گئی، سب سے پہلے اس نے اپنی امّی کو نیچے ہونے کی اطلاع دی تھی اور اب کامن روم میں رکھی ڈائننگ ٹیبل کی چیئر پر بیٹھی وہ پورے گھر کا جائزہ لے رہی تھی، صاف شفاف گھر تھا، لگتا ہی نہیں تھا کہ کچھ دیر پہلے اس گھر میں بکرے بندھے تھے۔

”آپ کے بکرے کہاں گئے؟“ وہ کامن روم سے اُٹھ کر کچن میں ہی چلی آئی۔

”وہ بس دن میں یہاں ہوتے ہیں، رات میں رکھوالی والوں کے پاس چلے جاتے ہیں“۔ اسے جواب دے کر وہ کیبنٹ سے مگ نکالنے لگے، دوسرے چولہے پر دودھ بوائل کرنے رکھا تھا۔

”آپ کو بُرا تو نہیں لگا ناں، میں آپ کے کچن میں آ گئی؟ دراصل میں بور ہو جاتی اکیلے بیٹھے بیٹھے“۔

”بالکل نہیں، بلکہ اچھا ہے تم کچن میں چلی آئیں، مجھے یہاں کافی کام نپٹانے ہیں“۔ وہ مگ میں کافی اُنڈیلتے ہوئے بولے۔

”تمہارا نام تو میں نے پوچھا ہی نہیں“۔ انہوں نے اس کی طرف مگ بڑھایا۔

”مہک“۔ وہ مسکرائی۔

”فورتھ فلور والے فاروق صاحب کی بیٹی ہو آپ؟“ وہ دودھ کا چولہا ہلکا کرتے ہوئے بولے، اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کافی کا سِپ لیا۔

”کافی بہت اچھی بنی ہے انکل!“

”تو تم آ جایا کرو یہاں، میں تمہیں کافی پلاتا رہوں گا“۔ انہوں نے لالچ دیا، انہیں وہ چھوٹی سی لڑکی خاصی کیوٹ لگی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی، ویسے بھی یہاں شفٹ ہونے کے بعد وہ سارا دن بور ہوتے تھے۔ پرانے گھر میں تو ان کی دلچسپی کا کافی مواد تھا، خوب بڑا سا لان، ڈھیر سارے دوست اور Chess کی بازیاں۔

"ہاں ضرور..... آپ بہت اچھے ہیں، میں آجایا کروں گی"۔ وہ مسکرائی۔

"آپ لوگ گھر میں بس دو ہی لوگ ہیں، بابا نے بتایا تھا، انکل! آپ کو کاموں کے لیے پریشانی ہوتی ہوگی، آئی مین کوئی خاتون نہیں ہے ناں؟"

"ہم م م..... میری وائف کا تین سال پہلے انتقال ہوگیا تھا، کوکنگ میں کرتا ہوں، صفائی وغیرہ کے لیے ملازمہ آجاتی ہے اور پھر دو بندوں کا کام ہی کتنا ہوتا ہے، گاڑی چل ہی رہی ہے، بس مجھے تو یہاں بوریت ستا رہی ہے، اُس گھر کا تو بڑا سا لان تھا، گارڈننگ میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا"۔

"تو آپ بڑے سے لان والا گھر چھوڑ کر فلیٹ میں رہنے آگئے؟" اس نے آنکھیں پھیلائیں، اس کا تو خواب تھا بڑے سے لان والا گھر۔

"وہ گھر بہت بڑا بھی تو تھا، شائستہ نے اپنی مرضی سے بنوایا تھا، دو افراد کے لیے وہ خاصہ بڑا تھا، پھر سنبھالنے اور صفائی کی ٹینشن الگ، پھر میرے بیٹے کا آفس بھی وہاں سے کافی دور پڑتا تھا، سو اس نے دونوں پورشنز دیئے کرائے پر اور گھسیٹ لایا یہاں، حالانکہ میں آنے کو بالکل راضی نہ تھا، مگر اس کے سامنے میری ایک نہیں چلتی"۔ ان کے لہجے میں بیٹے کے لیے محبت جھلک رہی تھی۔

"اچھا چلیں، بتائیں کیا کیا کام ہیں، میں آپ کی ہیلپ کراتی ہوں"۔ وہ خالی مگ اُٹھا کر سنک میں دھونے لگی۔

"ارے نہیں میں.....!" انہوں نے بولنا چاہا، مگر وہ ان کی بات کاٹ گئی۔

"اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں یہاں آتی رہوں، تو بتایئے پلیز"۔

"اچھا.....!" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"تمہیں کھیر بنانی آتی ہے؟"

"بالکل جناب! آتی ہے اور بہت زبردست آتی ہے"۔ وہ مسکرائی، وہ کچن ٹیبل پر بیٹھے میوے کاٹ رہے تھے اور وہ کھیر بناتے انہیں جوکس سنا رہی تھی، جب وہ کچن میں داخل ہوا، اسے بے تکلفی سے اپنے گھر کے کچن میں کام کرتا دیکھ کر اسے اچھنبا ہوا، ساتھ ہی اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"آگئے تم..... بڑی دیر لگادی؟" انکل کی آواز پر وہ چونک کر مڑی۔

"بیٹا! اس سے ملو، یہ میرا بیٹا فرہاد ہے، اور یہ مہک اوپر ہی رہتی ہیں"۔ انہوں نے تعارف کرایا۔

"اوپر کہاں..... آسمان پر؟" وہ اسے گھور رہا تھا، لہجہ بالکل سنجیدہ تھا، مہک کو اس کا گھورنا عجیب لگا۔

"جی نہیں فورتھ فلور پر رہتی ہوں اوپر کیوں جانے لگی ابھی سے؟ ابھی میں نے یہاں دیکھا ہی کیا ہے"۔ وہ قدرے بُرا مان گئی تھی۔ وہ پانی پی کر اسے تیکھے چتونوں سے گھورتا کچن سے باہر نکل گیا۔ وہ محبت میں کچھ شدت پسند تھا، اکلوتا تھا، بچپن سے ماں باپ کی بھرپور توجہ اور پیار پایا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ماں باپ اس کے علاوہ کسی اور بچے کو دیکھیں بھی، اگر وہ کبھی کسی بچے کو گود میں اُٹھا لیتے یا پھر اُسے پیار کرلیتے، وہ چیخ چیخ کر اُسے گود سے اُتارنے پر مجبور کردیتا، بچپن میں ہوتے ہیں کچھ بچے ایسے، مگر وہ تو اب تک ایسا تھا، دو ہی دوست تھے اس کے جو بچپن سے اس کے ساتھ تھے، اس کے بعد نہ اس نے مزید دوست بنائے نہ اُن کے بننے دیئے، ایسا نہیں تھا کہ وہ ان سے زبردستی دوستی نبھائے رہنے پر مجبور تھا، بات یہ تھی انہیں مزید کسی دوست کی ضرورت ہی نہ تھی۔ ان کی دوستی کا ٹرائی اینگل بہت مشہور تھا، اسکول، یونیورسٹی اور اب اس کے

دونوں دوست عملی زندگی میں قدم رکھ چکے تھے، شادی شدہ تھے، صرف وہی تھا جو اب تک کنوارہ تھا، اور اس کے ستائیس سال کے ہونے کے باوجود کنوارے رہنے میں اس کے اُن دوستوں کا بڑا عمل دخل تھا اور یہاں رحیم صاحب خود کو بے بس پاتے تھے۔

ایک اجنبی لڑکی کو اپنے کچن میں ایسے بے تکلفی سے کھڑے دیکھ کر اسے بالکل اچھا نہ لگا تھا، پھر بابا کا اسے بیٹا کہنا اور اس کے لیے ان کے لہجے میں نرمی وحلاوت اسے غصہ دلا گئی تھی، ویسے بھی شام کو اس کا چلاّنا اور رونا کچھ اچھا امیج نہیں بنا تھا، اس کی نظروں میں اس کا، وہ پاؤں پٹختا وہاں سے آگیا تھا۔

"تم اس طرح کیوں چلے آئے، کیا سوچتی ہوگی وہ کہ تمہیں بالکل مینرز نہیں ہیں"۔ وہ اس کے پیچھے ہی چلے آئے تھے اور اب ناراضی سے دریافت کررہے تھے۔

"آپ کیوں چلے آئے، آپ کی مہمان کو بُرا لگ سکتا ہے؟" وہ یونہی غصے سے بولا۔

"تمہیں اس مہمان کا آنا کیوں ناگوار گزرا ہے؟" کھیر تیار ہوچکی تھی، ڈشز میں نکال کر میوے چھڑک کر وہ باہر نکل آئی، خیال تھا کہ انہیں بتا کر وہ اب گھر چلی جائے گی، مگر اپنا بیگ اور شاپرز اُٹھاتے وہ ٹھٹک کر رُک گئی۔

"وہ آپ کی مہمان ہے، مجھے کیوں ناگوار گزرے گا، پھر کسی کے مہمان بننے کے بھی کچھ مینرز ہوتے ہیں، اس کی طرح دندناتے نہیں پھرتے"۔ اس کی آواز مہک نے سنی تھی۔

"تم نے شاید دیکھا نہیں، وہ کچن میں میری ہیلپ کروا رہی تھی"۔ وہ چبھتے لہجے میں بولے تھے، مزید وہ سننا نہیں چاہتی تھی، سو اپنے اشتعال کو دباتی باہر نکل گئی۔

☆............☆............☆

اگلا دن افراتفری سے بھرپور تھا، وہ اور امی گھن چکر بنے ہوئے تھے، وہ کبھی بابا کو کوئی چیز پکڑانے بھاگتی تو اُدھر سے عاشر بھائی پکارتے اور اُدھر سے عمر منہ بسورتا آدھمکتا کہ میری فلانی چیز نہیں مل رہی، سامنے پڑی چیز کسی کو نظر نہیں آرہی تھی، بابا اور بھائیوں کو مسجد روانہ کرکے اس نے قدرے سکون کا سانس لیا اور صفائی میں جت گئی، کچھ دیر پہلے جو گھر چمک رہا تھا، اب وہی میدان جنگ کا منظر پیش کررہا تھا۔ وہ نہا کر بال سلجھا رہی تھی، جب امی کی آواز پر گیلری میں چلی آئی۔

"اپنا بیل قربان ہورہا ہے، آکر دیکھ لو"۔ وہ پلٹ کر اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔ اس نے نیچے کمپاؤنڈ میں جھانکا، بیل کے سامنے ہی قصائی چھریاں تیز کررہا تھا اور سیاہ چمکدار آنکھوں والا خوبصورت سفید بیل خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لیے منتظر کھڑا تھا۔

"میں نہیں دیکھ سکتی"۔ قصائی نے بیل کے پیروں میں رسّی ڈالی ہی تھی کہ وہ پیچھے ہٹی، آواز بھرّائی ہوئی تھی، ایک ہفتے میں ہی اسے بیل سے بے پناہ اُنسیت ہوگئی تھی۔

"اپنی قربانی ہوتے ہوئے دیکھنا سُنّت ہے، قربانی کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی بخشش ہوجاتی ہے، خدا کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس قابل کیا کہ ہم اس کی راہ میں قربانی پیش کرسکیں، اس دن تو ہمیں عہد کرنا چاہیئے کہ ہم اس کی راہ میں کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے"۔ انہوں نے نم لہجے میں سمجھایا تھا۔

"میں جانتی ہوں امی! چھری پھرے گی تو اسے کتنی تکلیف ہوگی"۔ ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"پھر خدا کے ہاں اجر بھی تو کتنا ہے"۔ ان کے کہنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ بابا نے تکبیر بلند کرتے ہوئے چھری پھیری، دل کڑا کرکے اس نے یہ منظر دیکھا تھا، امی نے کلمہ شکر پڑھا تھا، دل ہی دل میں اس نے بھی شکر ادا کیا اور اندر چل دی کہ مزید دیکھنے کی تاب نہ تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

☆............☆............☆

ڈور بیل کی آواز پر انہوں نے گیٹ کھولا، اسے دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ آئی تھی، وہ ٹک سک سے تیار، ہونٹوں پر خوبصورت مسکراہٹ سجائے کھڑی تھی۔

''السلام علیکم! عید مبارک!'' اس نے ہاتھ میں پکڑی ٹرے انہیں تھمائی۔ جواباً وہ بھی اُسے عید وِش کرتے ٹرے لے کر کچن کی طرف مڑ گئے، اس نے بھی ان کے پیچھے جانے کا قصد کیا، مگر پھر لاؤنج میں پڑے صوفوں کی طرف بڑھ گئی۔

''لو بھئی! اپنی بنائی ہوئی کھیر چکھو''۔ وہ اس کے لیے لوازمات سے بھری ٹرے گھسیٹتے چلے آئے۔

''کل آپ کے بیٹے کے فرمودات سن کر میرا یہاں آنے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا، پھر میں نے سوچا چھوڑو، آپ تو اچھے ہیں، سو آپ کو ضرور عید وِش کر کے آنا چاہیئے''۔ وہ کھیر پیالی میں نکالتی صاف گوئی سے بولی۔

''ایسا نہیں ہے بیٹا! وہ دراصل اسے غصہ کسی اور پر آ رہا تھا''۔ وہ شرمندہ سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

''چھوڑیئے انکل! آپ کو بُرا تو لگے گا، مگر آپ کا بیٹا نہایت بد دماغ، بد مزاج اور اکڑو ہے''۔ اس نے اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔

''آپ یہ بتایئے کہ آپ کو کھیر کیسی لگی؟'' ان کے شرمندہ سے چہرے کو دیکھ کر اس نے بات بدل دی۔

''بہت زیادہ ٹیسٹی تھی، میرے بد دماغ، بد مزاج اور اکڑو سپوت کو بھی بہت پسند آئی، ان فیکٹ وہ تو ایک پورا باؤل چٹ کر گیا''۔ وہ قدرے رازدارانہ لہجے میں بولے، اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''اتنا میٹھا کھانے کے باوجود یہ شخص کتنا کڑوا بولتا ہے''۔ اس نے دل میں سوچا۔

''ایک گھنٹے تک آ جائے گا قصائی''۔ وہ موبائل کے بٹن پریس کرتا اندر داخل ہوا تھا، اسے دیکھتے ہی اس کی پیشانی پر ان گنت بل نمودار ہو گئے تھے، جنہیں کم کرنے کی اس نے کوئی کوشش نہیں کی تھی، سفید کاٹن کے کُرتا شلوار میں اس کا دراز قد نمایاں ہو رہا تھا۔

''اچھا انکل! میں چلتی ہوں''۔ وہ پیالی ٹرالی میں رکھتی سرعت سے کھڑی ہو گئی۔ وہ بظاہر ٹی وی دیکھنے میں محو ہو گیا تھا، مگر کان اس کی اور پاپا کی باتوں میں لگے تھے۔

''اتنی جلدی..... بیٹا! کچھ دیر تو بیٹھو''۔

''نہیں انکل! ہمارے گھر میں کام تقریباً نپٹ ہی گیا ہے، تو اب دادو کی طرف جانا ہوگا، گھر میں سب میرا ویٹ کر رہے ہوں گے''۔ وہ اس کی آمد پر اب مزید رُکنا نہیں چاہتی تھی۔

''ٹھیک ہے''۔ وہ اسے دروازے تک چھوڑنے گئے تو وہ کلس گیا۔

''تمہارے لیے کھانا لے کر آؤں؟'' وہ واپس آ کر اس سے پوچھ رہے تھے۔

''کیا بنایا ہے آپ نے؟'' اس نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

''میں نے کچھ نہیں بنایا، اوپر والوں کے ہاں سے کافی کچھ مع کچا گوشت آیا ہے، اب تمہارے لیے کیا لے کر آؤں، کچا گوشت یا بھنا ہوا گوشت؟'' ان کے انداز پر اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا، جیسے پوچھ رہا ہو کہ ان کے یہ سب کہنے کا کیا مقصد ہے۔

''جیسی خونخوار نظروں سے تم اس بے چاری کو گھور رہے تھے، مجھے لگا کہ تمہارا دل چاہ رہا ہوگا، کچا گوشت چبانے کا''۔ انہوں نے وضاحت کی۔

''آپ کچھ مت لایئے، آپ بس اس کی آؤ بھگت کیجئے، اس کی تعریفیں کیجئے''۔ وہ ریموٹ میز پر پٹختا کھڑا ہو گیا۔

''وہ بہت اچھی بچی ہے''۔ ان کی تعریف جلتی پر تیل کا کام کر گئی، وہ کمرے سے واک آؤٹ کر گیا۔

''بائے دا وے، اس کی بنائی کھیر تو تمہیں بھی بہت پسند آئی تھی''۔ اپنے پیچھے اسے ان کی آواز سنائی دی تھی، مگر وہ اَن سُنی کرتا باہر نکل گیا۔ ستم یہ ہوا تھا کہ کافی ساری کھیر کھا چکنے اور کافی تعریفیں کرنے کے بعد اسے یہ پتہ چلا تھا کہ کھیر اُس کی بنائی ہوئی ہے، جس سے اُسے بے تحاشہ چڑ ہو چکی تھی۔

☆............☆............☆

وہ اکثر آ جاتی تھی، اس کی غیر موجودگی میں، پاپا اس کی کافی تعریفیں کرتے تھے، جس پر اس کی ان سے کئی بار جھڑپ ہو چکی تھی، کبھی اس سے بھی سامنا ہو جاتا، وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا اور وہ مسکراتی ایک بے نیازی سی نظر اس پر ڈال کر آگے بڑھ جاتی، اس کے چہرے پر معصومیت تھی، مسکراتے ہوئے اس کے دونوں گالوں پر گہرے ڈمپل پڑتے تھے، اسے لگتا کہ وہ اسے جلانے کے لیے مسکراتی ہے، وہ اسے دنیا کی سب سے چالاک اور چلتر لڑکی لگتی تھی، جو اس کے باپ کو رفتہ رفتہ اس سے چھین رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اسے پسند نہیں کرتا اور اسے ایسا کوئی شوق بھی نہیں تھا، خود کو پسند کروانے کا، مگر وہ اس کے رویّے اور اس کی تیز گھورتی نظروں پر اُلجھ جاتی تھی اور رحیم صاحب..... انہیں تو وہ سادہ اور نیک اطوار کی لڑکی ایسی بھائی تھی کہ کئی دنوں سے ان کے دل میں ایک خواہش سر اُبھارنے لگی تھی، مگر خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سب سے پہلے تو فرہاد کا راضی ہونا ضروری تھا، اور وہ کئی دنوں سے اس سے بات کرنے کے موقعے ڈھونڈ رہے تھے، آج تو وہ مصمم ارادہ کیے بیٹھے تھے اس سے بات کرنے کا۔

''پاپا! رازی کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی ہے''۔ کھانے کے دوران اس نے اپنے دوست کے بارے میں بتایا۔

''اچھا..... یہ تو بڑی خوشی کی خبر ہے''۔ وہ مسکرائے۔

''کہاں کی خوشی..... جب اسے بچے کی صورت دیکھنی تک نصیب نہیں ہوئی''۔

''خیریت تو ہے؟'' وہ چونکے۔

''خیریت نہیں ہے، بس وہی اس کی بیوی کی ہٹ دھرمی، کہ اس کے والدین کے ساتھ نہیں رہنا، الگ گھر چاہیئے، رازی اس کی ساری شرطیں ماننے کے لیے تیار ہے، بس یہی نہیں۔ آپ تو جانتے ہیں کہ وہ بس ایک ہی بہن بھائی ہیں، بہن شادی شدہ ہے، تو ماں باپ کی ذمہ داری اس کی ہے، کتنے بھلے ہیں انکل آنٹی، کسی چیز کی روک ٹوک نہیں ہے، پھر بھی اس عورت کا دماغ خراب ہو گیا ہے، پچھلے ماہ بھی اس نے یہی راگ الاپا تھا، مگر پھر رازی کے نئی گاڑی گفٹ کرنے پر رام ہو گئی تھی''۔ اس نے تفصیل بتائی۔

''رازی کو کہو کہ قریب ہی کوئی گھر لے لے، والدین کی خبر گیری بھی کرتا رہے گا اور بیوی کا الگ گھر کا شوق بھی پورا ہو جائے گا''۔ انہوں نے مشورہ دیا۔

''میں نے دیا تھا اسے یہ مشورہ، مگر اس کا کہنا ہے کہ اس کے سسرال والوں نے اپنے ساتھ والی کوٹھی خالی کرا کر فرنشڈ کرا کے اپنی بیٹی کو گفٹ کر دی ہے۔ انہی کی سپورٹ پر اس کی بیوی یہ کر رہی ہے، وہ ہاسپٹل گیا تھا، اسے بچے تک کو دیکھنے نہیں دیا گیا، آج وہ آفس آیا تھا اور کافی پریشان تھا، میں نے تو کہہ دیا کہ وہ ڈٹا رہے، بلکہ سخت رویہ اپنا لے، ماں باپ پر ایسی سو بیویاں قربان''۔ اس نے اطمینان سے انہیں اپنی رائے سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

''اس کے ماں باپ کیا کہتے ہیں؟'' انہوں نے پوچھا۔

''انکل آنٹی کیا کہیں گے بے چارے، وہ تو یہی کہہ رہے ہیں کہ جیسے وہ چاہ رہی ہے، ویسے ہی کر لو، دیکھا پاپا! آج کل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی عورتیں..... شکر ہے میں نے شادی نہیں کی، ورنہ میں بھی تگنی کا ناچ ناچ رہا ہوتا"۔ اس نے جتایا۔
"پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں"۔ وہ بولے۔
"مگر ہر عورت ایک سی ہوتی ہے، مقسط کی بیوی کو ہی لے لیجیے، وہ بے چارا کون سا سکون میں ہے؟" اس نے اپنے دوسرے دوست کی مثال دی تھی۔
"بس ہوگئی بات؟" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

☆............☆............☆

"آج بھی آئی تھی آپ کی لاڈلی؟" وہ آفس سے آ کر سیدھا کچن میں گیا تھا اور اب حلیم کا باؤل تھامے پوچھ رہا تھا۔
"نہیں.... وہ تین چار دنوں کے لیے اپنی پھپھو کے گھر گئی ہے، یہ اس کا بھائی دے کر گیا تھا"۔
"تم نے بلاوجہ بیر باندھ لیا ہے، اتنے اچھے تو پڑوسی ہیں"۔ وہ مزید بولے۔
"ایکسکیوز می پاپا! مجھے پڑوسیوں سے کوئی پرابلم نہیں، اِن فیکٹ فاروقی صاحب سے میری اچھی سلام دعا ہے، عاشر سے اچھی خاصی دوستی ہوگئی ہے، پر تو مجھے بس اس جونک سے ہے"۔ اس کے بارے میں بولتے اس کے منہ کا زاویہ بگڑ گیا تھا۔

"تمہیں آخر پرابلم کیا ہے اُس سے؟ اتنی اچھی تو لڑکی ہے"۔ انہوں نے پوچھا۔
"مجھے یہی پرابلم ہے اس سے کہ وہ آپ کو اچھی لگتی ہے، آج کل مجھے لگنے لگا ہے جیسے آپ میرے نہیں اس کے باپ ہیں، ہر وقت اس کی باتیں، اس کی تعریفیں، میں آفس سے تھکا ہارا آتا ہوں، میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کی گود میں سر رکھ کر لیٹوں، لیکن یہاں حال یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی پالتو بلّی کی طرح آپ کے آگے پیچھے گھوم رہی ہوتی ہے، جب وہ نہیں تھی تو ہماری لائف کتنی پُرسکون تھی، آئی جسٹ ہیٹ ہَر"۔ اس نے تیز لہجے میں اپنے دل کا غبار نکالا تھا۔
"تم ستائس سال کے ہو چکے ہو، مگر تمہارا مزاج کسی دو سال کے بچے کی طرح نازک ہے، جس کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جائے تو وہ چیخ چیخ کر گھر سر پر اُٹھا لیتا ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔
"آپ جانتے ہیں مجھے شراکت برداشت نہیں"۔ وہ قطعی لہجے میں بولا۔
"عجیب شخص ہو یار! تم.... کل کو جب تمہارے بچے ہوں گے اور مجھے تم سے زیادہ اُن سے محبت ہوگی تو تم کیسے برداشت کرو گے، مجھے فکر ہو رہی ہے"۔ وہ مصنوعی فکرمندی سے بولے۔
"آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں شادی کرنے نہیں والا"۔ وہ بولتا ہوا جانے کے لئے مڑا تھا، مگر کچھ یاد آنے پر دوبارہ پلٹا۔
"آپ کو بتانا تو بھول ہی گیا، رازی کی بیوی واپس آ گئی ہے"۔ وہ ان کے برابر میں آ کر بیٹھا تھا۔
"گڈ نیوز، اسے عقل کیسے آئی؟" انہوں نے سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔
"بس جتنا ان لوگوں نے اسے تنگ کر رکھا تھا رازی صاحب آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے، ہاسپٹل میں ساس سے بھی جھڑپ ہوئی اور بیگم کو سنگین دھمکیاں بھی دیں، سو وہ کچھ دھمکیوں سے ڈر کر اور کچھ جگ ہنسائی کے خوف سے سسرال واپس تشریف لے آئیں، میں رازی کے بیٹے کو دیکھنے جاؤں گا، آپ چلیں گے؟" تفصیل بتا کر اس نے پوچھا۔
"ہاں، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے"۔ اسے اُٹھتے دیکھ کر انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"تمہارا کب تک شادی کا ارادہ ہے؟" انہوں نے ایسے پوچھا جیسے اس کے ارادوں سے واقف نہ ہوں۔
"آپ کو کیا لگتا ہے، مقسط اور رازی کا حال دیکھنے کے بعد بھی میں شادی کروں گا؟ نہ بابا"۔ اس نے کانوں کو ہاتھ

لگایا۔
"ہر لڑکی مقسط اور رازی کی بیویوں جیسی نہیں ہوتی، کچھ لڑکیاں مہک جیسی بھی ہوتی ہیں، سادہ، معصوم، سمجھدار، تابعدار۔ یُو نو..... میں اکثر سوچتا ہوں کہ یہ لڑکی جس گھر میں جائے گی چاندنی بکھیر دے گی"۔ وہ بڑے محتاط انداز میں بات آگے بڑھا رہے تھے۔
"اچھی بات ہے، اس گھر کے لوگوں کو لوڈشیڈنگ کا عذاب نہیں سہنا پڑے گا، ارے.....!" مذاق میں بات اُڑاتے اُڑاتے وہ ٹھٹکا۔
"آپ میری شادی کی بات کر رہے ہیں یا مہک سے شادی کی بات کر رہے ہیں؟" اس کا لہجہ تیز ہوا تھا۔
"دوسری بات ٹھیک ہے"۔ ان کا لہجہ دھیما تھا۔
"واٹ....؟" وہ اُچھل پڑا۔
"اس لڑکی کو تھوڑی دیر اپنے گھر میں برداشت کرنا میرے لیے دوبھر ہو جاتا ہے، کجا کہ اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا یہ بات آپ کے دماغ میں آئی بھی کیسے؟" غصّے سے اِدھر اُدھر ٹہلتا بالوں میں تیز تیز ہاتھ چلاتا وہ یک دم اُچھل پڑا۔
"مجھے پہلے کیوں سمجھ میں نہیں آئی یہ بات، مجھ سے تو اسے کوئی رسپانس ملتا نہیں تھا، اس لیے اس نے آپ کو آئینے میں اُتارا"۔ اس کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔
"شٹ اپ.... جسٹ شٹ اپ"۔ وہ شدید غصّے سے دھاڑے، وہ اس پر چلائے تھے، وہ بھی کسی اور کے لیے، وہ دنگ نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔
"مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ تمہاری ذہنیت اتنی پست ہے، میں نے تمہیں کبھی دوسروں کے کردار پر کیچڑ اُچھالنے کی تربیت تو نہیں دی، تمہیں اس کی کس بات سے لگا کہ وہ مجھے آئینے میں اُتارنے کی کوشش کر رہی ہے، اس بے چاری کے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ میرے دل میں اسے بہو بنانے کا خیال آیا تھا"۔ ان کا لہجہ تاسف آمیز تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے تھے کہ انہوں نے ہاتھ کھڑا کر کے روک دیا۔ وہ غصّے میں کرسی کو ٹھوکر مارتا باہر نکل گیا۔
وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سڑک کے کنارے چلا جا رہا تھا، رگ و پے میں شدید غصّہ بھرا تھا، وہ اب تک بے یقین تھا کہ وہ اس پر چلائے تھے، وہ بھی کسی اور کے لیے، اسے نہیں یاد پڑتا تھا کہ اس کے بڑے ہونے کے بعد انہوں نے کبھی اس سے اونچی آواز میں بات بھی کی ہو، اور ماں کے جانے کے بعد تو وہ اس کے لیے ویسے ہی حساس ہو گئے تھے، مہک سے عناد میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سامنے آئے اور وہ اس کا گلا دبا دے، تصور میں تو وہ اب تک کئی بار دبا چکا تھا۔ اسے گھر سے نکلے دو گھنٹے بیت چکے تھے، لاشعوری طور پر وہ ان کی کال کا منتظر تھا، چہار سُو تاریکی پھیلنے لگی تھی، پارک کی بینچ پر بیٹھے مچھروں کی فوج سے نبرد آزما ہوتے تھک کر اس نے واپسی کا فیصلہ کیا تھا، کچھ ان کی پریشانی کا خیال بھی آ گیا تھا۔

☆............☆............☆

گھر میں عاشر کی شادی کی تاریخ لینے کی باتیں چھڑی ہوئی تھیں، سو وہ پوری طرح ان باتوں میں پارٹ لیتی رحیم صاحب کے گھر نہیں جا پائی تھی اور ایک طرح سے یہ اچھا ہی تھا، کیونکہ اُدھر وہ تو بالکل تیار بیٹھا تھا، اس پر بھڑاس نکالنے کے لیے۔
عاشر کی بات بچپن سے ہی فضہ سے طے تھی، سو اب دو ماہ بعد شادی اور شادی سے ایک ہفتہ قبل منگنی طے پائی تھی، پورے گھر میں سب سے زیادہ ایکسائیٹڈ وہ تھی، ایک تو گھر کی پہلی شادی تھی، دوسرا بھابی بھی بہترین دوست اور عم زاد تھی، وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یا تو پھپھو کے گھر روانہ ہو جاتی یا گھنٹوں فون سے چمٹی فضہ سے باتیں کرتی، عمر آتے جاتے جملے کستا کہ کرلو ابھی جتنی باتیں کرنی ہیں، شادی کے بعد بھابی بیگم انگوٹھا دکھائیں گی یا پھر شادی سے پہلے لڑکی کو سب سے اچھی دلہا کی بہن لگتی ہے اور شادی کے بعد وہی بہن زہر۔ اور وہ بنا اس کی کسی بات سے متاثر ہوئے وہیں سے بیٹھے بیٹھے جو ہاتھ آتا پھینک مارتی۔ عمر اس سے دو سال چھوٹا تھا، مگر وہ اسے دو سال بڑا ہونے کی اہمیت دینے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ تقریباً ایک ہفتے کی چھٹیاں کرنے کے بعد آج وہ کالج گئی تھی، واپسی پر رحیم صاحب کے فلیٹ کا بیرونی گیٹ نیم وا دیکھ کر وہ اندر چلی گئی۔

''انکل، انکل!'' پکارتی وہ اندر داخل ہوئی تھی، کچن سے برتن دھوتی ملازمہ جھاگ سے بھرے ہاتھ لیے برآمد ہوئی تھی۔

''رحمت بی بی! انکل کہاں ہیں؟'' اس نے استفسار کیا، یہی ملازمہ اس کے گھر بھی کام کرتی تھی، اس لیے وہ اس سے اچھی طرح واقف تھی۔

''اپنے کمرے میں ہیں، بیمار ہیں شاید''۔ اسے اطلاع دیتی وہ واپس مڑ گئی، بیگ اور ہاتھ میں پکڑی فائل وہ ٹیبل پر رکھتی ان کے کمرے کی طرف بڑھی، کئی بار دستک دینے کے بعد غنودگی کے زیر اثر بھاری ہوتی ان کی آواز اسے سنائی دی تھی۔ ان کے سرہانے کھڑے ہو کر اس نے آوازیں دیں، بمشکل اپنی آنکھیں کھولتے اسے دیکھ کر انہوں نے اُٹھنے کی کوشش کی تھی۔

''نہیں آپ لیٹے رہیے''۔ تیزی سے آگے بڑھ کر اس نے انہیں واپس لیٹنے میں مدد دی، پھر ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بخار کا اندازہ لگایا، وہ بخار میں آگ کی طرح پھنک رہے تھے، بخار کی حدت سے چہرے کی رنگت بھی سرخ ہو رہی تھی۔

''انکل! کب سے بخار ہے آپ کو؟ آپ نے کوئی ٹیبلٹ نہیں لی؟'' تفکر سے بولتی سائیڈ دراز پر میڈیکل باکس دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''طبیعت تو رات سے ہی کچھ خراب تھی، پر بخار صبح سے چڑھا ہے، بخار کی ٹیبلٹ ختم ہوگئی ہے شاید''۔ بند ہوتی آنکھیں کھولتے وہ بمشکل بولے۔ وہ تیزی سے باہر آئی، رحمت بی بی جانے کے لیے تیار کھڑی تھی، اسے دودھ نیم گرم کرنے کا کہہ کر وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے اپنے گھر پہنچی، بخار کی دوائیاں لے کر امی کو بتا کر وہ پھر تیزی سے نیچے چلی آئی۔ نیم گرم دودھ کے ساتھ میڈیسن دے کر وہ ان کے سرہانے بیٹھی بار بار ہاتھ لگا کر بخار چیک کر رہی تھی، بخار میں کمی آتی جا رہی تھی۔

''مہک بیٹا! ایک کام کردو گی؟'' ان کی آواز پر وہ چونکی۔

''جی انکل! کہیے...!''

''بیٹا! فرہاد لنچ کے لیے آنے والا ہوگا، میری تو کچھ بنانے کی ہمت نہیں، تم اس کے لیے آملیٹ بنا کر رکھ جاؤ''۔ ان کا لہجہ لجاجت آمیز تھا۔

''انکل! آپ فکر نہ کریں، میں ابھی بنا دیتی ہوں، بس آپ ریسٹ کریں''۔ بولتی ہوئی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی، کچن سے آتی کھٹر پٹر کی آوازوں پر وہ سیدھا کچن میں ہی چلا آیا، وہاں اسے کام میں مگن دیکھ کر اس کا خون یک دم نقطۂ اُبال پر پہنچ گیا تھا۔ چولہا جلانے کے بعد وہ فرائنگ پین کی تلاش میں مڑی تھی کہ اسے کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی، پیشانی پر بے شمار بل لیے شعلہ بار نظروں سے وہ اُسے گھور رہا تھا، اس کے تیور پر گڑبڑاتے ہوئے اس نے مسکرانے کی کوشش کی اور اس کی مسکراہٹ جلتی پر تیل کا کام کر گئی تھی، خطرناک تیوروں کے ساتھ اس نے ایک ہی جست میں اس کا بازو دبوچا تھا، اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی، گھبراہٹ میں اس کا ہاتھ چولہے پر ٹکا تھا، ہاتھ میں چھری تھی جس پر آگ کی لَو پڑنے لگی تھی، اس

کا چہرہ بھی اس کے سفید یونیفارم کی طرح سفید پڑنے لگا تھا۔

''کیوں آتی ہو تم یہاں؟'' اس نے بگڑے تیوروں کے ساتھ بولنا شروع کیا۔

''وہ.... میں انکل....!'' دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا، آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا، زبان لڑکھڑانے لگی تھی، اس یک دم آفت پر ذہن ماؤف ہو گیا تھا، پھر بھی اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی تھی، مگر وہ بات کاٹ گیا۔

''تم کیسی لڑکی ہو، تمہیں اندازہ نہیں ہوتا کہ مجھے تمہارا اپنے گھر میں آنا پسند نہیں، میں نے بارہا اس کا اظہار کیا، مگر شاید تم میں سینس نہیں ہے، یا سینس ہے، مگر تم سمجھنا نہیں چاہتیں، آج تو تم بتا ہی دو تمہاری پلاننگ کیا ہے؟'' وہ دبی آواز میں غرا رہا تھا اور وہ بے تحاشہ آنسو بہاتے اس سے بازو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''لک مِس مہک فاروق! یہ جو تم کر رہی ہو ناں، یہ میرے گھر کے کام کرنا، اپنے گھر سے کھانے بنا کر لانا، میرے پاپا کے آگے پیچھے پھرنا، یہ سارے حربے آؤٹ آف ڈیٹڈ ہو گئے ہیں، تمہیں کیا لگتا ہے کہ تمہارے یہ انیسویں صدی کے نسخے میرے پاپا پر یا مجھ پر اثر کریں گے؟'' وہ اپنی ساری کھولن اس پر اُنڈیل رہا تھا، جبکہ وہ حیرت و صدمے سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی، وہ کتنا غلط سمجھتا رہا تھا اُسے، اُسے لگتا تھا کہ اس کی رسائی اس تک ہے، جبکہ اسے نہ تو اس سے نہ اس کے دل سے کوئی سروکار تھا، شرمندگی سے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے، وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا، مگر اس کی سماعت متاثر ہوئی تھی، اس کے الفاظ گڈمڈ ہوتے اسے سمجھ نہیں آ رہے تھے، وہ ساکت کھڑی اس کے ہلتے لبوں کو دیکھ رہی تھی، صرف اس کا بازو تھا جو مسلسل حرکت میں تھا، بولتے بولتے اس نے اسے جھٹکا دیا تھا اور اس جھٹکے سے وہ ہوش میں آ گئی، اس کی آواز اب سنائی پڑنے لگی تھی، مگر مزید سننے کی اس میں تاب نہ تھی، ہاتھ چھڑانے میں ناکامی پر اس نے دہکتی چھری بنا سوچے سمجھے اس کی کلائی پر رکھ دی، تڑپ کر اس نے بازو چھوڑا تھا اور ہاتھ میں کلائی پکڑے بے تحاشہ اُچھل رہا تھا۔ وہ بے تحاشہ بھاگتے ہوئے ''انکل انکل'' چلاتی ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی، اس کے پیچھے ہی وہ بھی داخل ہوا تھا، انہیں اس طرح بیڈ پر بے سُدھ لیٹے دیکھ وہ ان کی طرف لپکا۔ اس کے لمس پر وہ جاگ گئے تھے اور اس کی توجہ ان کی طرف مبذول دیکھ کر ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتی وہ کمرے سے نکل گئی۔

''آ گئے تم؟'' وہ اب کافی بہتر محسوس کر رہے تھے، بخار کی حدّت بھی کم ہو گئی تھی۔

''میں نے مہک سے تمہارے لیے آملیٹ بنانے کو کہا تھا، دیکھو وہ بنا کر رکھ گئی ہوگی کچن میں، تم کھانا کھالو''۔ وہ اس کے پریشان کن چہرے کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور آپ نے مجھے بتایا نہیں، میں بھی کتنا بڑا گدھا ہوں، صبح میٹنگ کی ٹینشن اور آفس جلدی پہنچنے کے چکر میں، میں بھی غور نہیں کر پایا''۔ وہ ان کا ہاتھ تھامے فکرمندی سے دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری اس امپورٹنٹ میٹنگ کی وجہ سے ہی نہیں بتایا تھا، وہ تو مہک آ گئی تھی بے چاری، نہ جانے کہاں سے دوا اور دودھ سے کھلائی، جو میں تم سے باتیں کر رہا ہوں، ورنہ میرے لیے تو آنکھیں کھولنا محال ہو رہا تھا، بہت نیک بچی۔ خدا اس کے نصیب اچھے کرے''۔ انہوں نے خلوصِ دل سے دعا دی تھی اور آج پہلی بار اس کے لیے چھلکتی ان کی محبت پر بیزار نہیں ہوا تھا۔

''میں آفس فون کر دیتا ہوں کہ میں آفس نہیں آ رہا، پھر آپ کو چیک اپ کے لیے لے چلتا ہوں''۔ وہ سیل فون بٹن پریس کرتا ہوا بولا۔

''تم پہلے آرام سے کھانا کھالو، میں اب پہلے سے بہت بہتر ہوں''۔ وہ اثبات میں سر ہلاتا موبائل کان سے لگاتا ہو گیا۔ چولہے پر دھرے فرائنگ پین میں نہایت سرخ رنگت کا آملیٹ موجود تھا، گویا وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر نہیں بلکہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر کے گئی تھی، وہ شرمندگی میں گھر گیا، دوسرے چولہے پر بھی دھیمی آنچ پر کچھ پک رہا تھا، اس نے ڈھکنا اُٹھایا، پتیلی میں چکن سُوپ پک رہا تھا، چولہا بند کر کے اس نے باؤل میں سُوپ نکالا اور ان کے کمرے میں لے آیا۔

''لیجئے پاپا! آپ کی لاڈلی آپ کے لیے سُوپ بھی بنا کر گئی ہے، پی لیجئے''۔ انہوں نے ایسی نظروں سے اُسے دیکھا کہ وہ نظریں چراتا کمرے سے باہر آ گیا، ان کی نظروں کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا، وہ کچھ جتاتی کچھ سمجھاتی اور کچھ شکوہ کرتی نظریں تھیں۔

پلیٹ میں موجود آملیٹ کی بے حد سرخ رنگت کے بارے میں سوچتے اس نے پہلا نوالہ منہ میں رکھا اور پہلا نوالہ منہ میں رکھتے ہی اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے، بمشکل نوالہ نگلتے اس نے بے تابانہ انداز میں پانی کی بوتل کا ڈھکن کھول کر بوتل منہ سے لگائی تھی، آدھی بوتل چڑھا کر کچھ سکون ملا تھا، اس کی اس حرکت پر بجائے طیش آنے کے اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ در آئی تھی، پلیٹ اپنے آگے واپس کھسکا کے اس نے وہی بے تحاشہ مرچوں کا آملیٹ واپس کھانا شروع کر دیا تھا۔

☆.........☆.........☆

فاروق صاحب عمر اور عاشر کے ساتھ رحیم صاحب کی طبیعت پوچھنے آئے تھے، رحیم صاحب اس وقت مہک کی تعریفوں میں رطب السان تھے، فاروق صاحب ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی تعریفیں سن رہے تھے، وہ صوفے پر عاشر کے برابر میں بیٹھا ایک ہاتھ سر پر ٹکائے نجانے کس سوچ میں گم تھا، دفعتاً عاشر کی نظر اُس کی کلائی پر موجود ٹرائی اینگل شیپ کے نشان پر پڑی تھی۔

''یہ کیا ہوا؟'' وہ اس کا ہاتھ تھامے پوچھ رہا تھا۔

''آں.....یہ.....وہ.....!'' وہ یک دم گڑبڑا گیا تھا۔

''وہ کچن میں کام کرتے ہوئے جل گیا ہے''۔ خود پر قابو پاتے وہ بمشکل بولا۔

''آپ کب تک کچن میں کام کر کر کے یونہی ہاتھ جلاتے رہیں گے، جس کا کام اسی کو ساجھے، اور کرے تو ٹھینگا باجے، آپ کو اب شادی کر لینی چاہیئے''۔ عمر سدا کا منہ پھٹ تھا، سو اطمینان سے کہہ گیا، اس نے عمر کو گھور کر دیکھا تھا، مگر وہ اس کی گھورتی نظریں اگنور کرتا اپنے ابو اور انکل کی طرف مڑا تھا۔

''اب بس بھی کریں، مہک کی اتنی تعریفیں سن کر مجھے کچھ ہونے لگا ہے، اب وہ اتنی قابل بھی نہیں ہے''۔ وہ جلے بھنے لہجے میں بولا۔

''تمہیں کیوں جلن ہو رہی ہے؟'' عاشر نے اسے آڑے ہاتھوں لیا، یہ سچ تھا کہ اس میں گھر بھر کی جان تھی، فرہاد اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا، ایک بھائی کا بہن سے جلنا اس کے لیے ناقابلِ فہم تھا، سچ تو یہ تھا کہ وہ ان رنگوں سے ناواقف تھا، ورنہ جان جاتا کہ اس مصنوعی جلن میں بھی کتنا پیار چھپا ہے۔

''میرا جلنا تو لازمی بنتا ہے، میرے حصّے کا سارا لاڈ بھی آپ اس پر جو انڈیل دیتے ہیں، جبکہ مجھے تو صرف مہک بی بی کی شکایات پر تختۂ ستم ہی بنایا جاتا ہے، مہک کو تنگ کیوں کیا، مہک کی چیزیں کیوں چھپائیں، آج بھی آپ آفس سے کیسے دوڑے چلے آئے اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانے، میں لے جاتا تو غالباً اسے کلینک میں ہی بھول آتا، جو وہ محترمہ میرے ساتھ جانے کو راضی نہ تھیں''۔ اس کے پاس شکایات کی لمبی فہرست تھی اور وہ عاشر کی مسلسل گھوریوں کے باوجود بولتا چلا گیا۔

''کیوں بھئی، مہک کو کیا ہوا؟'' رحیم صاحب نے پوچھا۔

''کچھ نہیں انکل! صرف معمولی سا سر درد تھا اور وہ اتنی نازک مزاج ہے کہ اسی میں رونا دھونا مچا دیا''۔ عمر نے کہا تھا اور وہ اپنی جگہ چور بن گیا۔

''تمہیں شرم آنی چاہیئے، اپنی بہن سے جلتے ہو''۔ عاشر نے لتاڑا۔

''ہاں، تو اس کی وجہ بھی آپ ہی ہیں''۔ وہ بھی ایک ڈھیٹ تھا۔

☆.........☆.........☆

''کیا بات ہے مہک بیٹا! اتنی گم صم کیوں رہنے لگی ہو؟'' وہ چینل سرچنگ میں مصروف تھی، جب وہ اس کے قریب آ کر بیٹھی تھیں، وہ کئی دنوں سے اسے یونہی دیکھ رہی تھیں، عاشر کی شادی کو لے کر وہ کتنی ایکسائیٹڈ تھی، مگر اب لگتا تھا جیسے ساری ایکسائٹمنٹ ٹھنڈی پڑ گئی ہو۔ ٹی وی آف کر کے وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی، وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں تو اس نے آنکھیں موند لیں۔

''کیا بتاؤں آپ کو امی! کہ کسی نے آپ کی بیٹی پر بڑا گھٹیا الزام لگایا ہے''۔ مگر وہ صرف سوچ کر رہ گئی، کہہ نہ سکی۔

''کچھ نہیں ہوا، آپ بلاوجہ پریشان ہو جاتی ہیں''۔ وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''عاشر بھائی کی شادی پر آپ مجھے کتنے سُوٹ بنوا کر دیں گی؟'' اس نے موضوع ہی تبدیل کر دیا۔

''جتنے آپ کہو گی چندا!'' انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چومی۔

''تو اب اتنے سارے سُوٹ بنوانے کی ٹینشن بھی تو کچھ کم نہیں ہوتی ناں''۔ اس کے لہجے میں حد درجہ معصومیت تھی، وہ بے ساختہ ہنس پڑیں۔

☆.........☆.........☆

ایک ہفتہ گزر گیا تھا اور وہ نہیں آئی تھی، وہ اس کی آمد کا شدت سے منتظر تھا، تاکہ اس سے اپنے ناروا سلوک کی معافی مانگ سکے۔

''کئی دن گزر گئے، آپ کی لاڈلی نہیں آئی؟'' آفس فائل پر جھکا وہ سرسری لہجے میں بولا، انہوں نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''ہاں واقعی.... عاشر کی شادی بھی تو ہونے والی ہے، وہ تیاریوں میں بزی ہو گی، مگر اُس کے نہ آنے کی تشویش تمہیں کیوں ہو رہی ہے؟'' وہ اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ لیپ ٹاپ پر چلتی انگلیاں ایک پل کے لیے رُکی تھیں۔

''میں کیوں تشویش میں مبتلا ہونے لگا، یونہی پوچھ رہا تھا''۔ اس کا انداز لاپرواہ تھا۔

''مجھے لگا تمہیں اس کی کمی محسوس ہو رہی ہے''۔ وہ بھی اس کے باپ تھے۔ اس نے چونک کر انہیں دیکھا، اب کی بار وہ کچھ نہیں بول سکا تھا، وہ مسکراتی نظروں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

''مجھے اس کا اتنا انتظار کیوں ہے؟'' بیڈ پر اپنے کمرے میں بیٹھا وہ خود سے سوال جواب میں مصروف تھا، لاشعوری طور پر شہادت کی انگلی مسلسل اس کے دیئے نشان پر پھیرے جا رہا تھا۔

''کیوں کہ میں شرمندہ ہوں اور اس سے سوری کرنا چاہتا ہوں بس''۔ جواب دیا۔

''نہیں وجہ کچھ اور بھی ہے''۔ دل نے سر ابھارا۔

''ہرگز نہیں، صرف یہی وجہ ہے''۔ دماغ نے گھرکا۔

''مجھے وہ اچھی لگنے لگی ہے''۔ دل نے ہٹ دھرمی سے اعلان کر دیا۔

''نہیں، مجھے وہ پسند نہیں ہے''۔ دماغ نے گھبرا کر کہا اور دل کے اس اعلان پر تو وہ خود گھبرا گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اب اپنے فیصلے پر قائم نہیں رہ سکتا"۔ دل نے دہائی دی۔
"نہیں، مجھے قائم رہنا ہے، اتنے پرانے فیصلے میں وہ اتنی آسانی سے کیسے دراڑ ڈال سکتی ہے؟" دماغ اپنی جگہ ڈٹا تھا۔
"فرہاد رحیم! تم شادی اس لیے نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ تم اپنے دوستوں جیسی زندگی نہیں گزار سکتے"۔ دل جواب طلب کر رہا تھا۔
"ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے"۔ دماغ اب بھی ہارنے کو تیار نہ تھا۔

☆............☆............☆

"بھیا پلیز! جلدی آیئے، میں لیٹ ہو رہی ہوں"۔ لفٹ کا بٹن دبا کر اس کے اوپر آنے کا انتظار کرتی وہ تیز تیز عاشر کو پکار رہی تھی، ہاتھ میں ریپ کیا ہوا گفٹ اس نے احتیاط سے تھام رکھا تھا۔
"آ گیا بھئی"۔ اس نے لفٹ میں قدم رکھا ہی تھا کہ عاشر آ پہنچا۔
"ٹھیک دو گھنٹے بعد لینے آ جایئے گا"۔ وہ اسے ہدایات دے رہی تھی، لفٹ کا دروازہ کھلتے ہی انکل رحیم کے پیچھے اسے دیکھ کر اس کے خون میں جوار بھاٹا اُٹھنا شروع ہو گیا تھا، بمشکل ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر اسے مکمل نظر انداز کیے اس نے ان کا حال احوال دریافت کیا تھا۔ عاشر سے سلام دعا کرتے اس نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی تھی، سیاہ فراک پاجامہ میں ملبوس، بڑا سا دوپٹہ شانوں پر پھیلائے، دراز بالوں کی ڈھیلی ڈھالی چوٹی کیے، آنکھوں میں بے تحاشہ کاجل اور ہونٹوں پر گلوس کی ہلکی سی چھب وہ حسن و سادگی کا بڑا دلکش امتزاج تھی۔
رحیم انکل اس سے گھر نہ آنے کا شکوہ کر رہے تھے اور وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکائے ان کے شکوے سن رہی تھی۔
"میں بہت بزی ہو گئی ہوں انکل! عاشر بھائی کی شادی کی تیاریوں میں بھی اور اپنی اسٹڈیز میں بھی، اس لیے نہیں آ پا رہی، لیکن پلیز آپ ضرور آیئے گا ہمارے گھر، اوکے انکل! میں کافی لیٹ ہو چکی ہوں، اب چلتی ہوں، آج میری فرینڈ کا برتھ ڈے ہے، دیر سے پہنچوں گی تو وہ ناراض ہو جائے گی، اللہ حافظ!" وہ خوبصورتی سے اپنا دامن بچاتی جلدی جلدی بولتی کار پارکنگ کی طرف بڑھ گئی تھی، موڈ تو اس کا اس کی شکل دیکھتے ہی خراب ہو گیا تھا، مگر پارٹی میں جانا بھی ضروری تھا، بھائی کو گاڑی کی طرف بڑھتے دیکھ کر اس نے فوراً سے پیشتر چہرے پر مسکراہٹ سجائی تھی، ورنہ چہرے کے بگڑے زاویے دیکھ کر انہوں نے سو سوال لازمی پوچھنے تھے۔ اس کا نظر انداز کرنا دل کو ذرا نہ بھایا تھا، دل نے انوکھے راگ الاپنا شروع کر دیئے تھے، اور وہ دل کی نفی کرتے کرتے اب تھکنے لگا تھا، دل کے رنگ بھی عجب ہوتے ہیں وہ تب بھی اس کے خیالوں کا مرکز تھی جب اس کا ذکر بھی اُسے گراں گزرتا تھا، اور اب بھی اس کی سوچوں کا محور تھی جب وہ دل کے سامنے پوری طرح ہار تسلیم کر چکا تھا۔
"یہ تم آج کل کن سوچوں میں گم رہتے ہو؟" اس کے ہاتھ میں ایپل شیک کا گلاس تھماتے انہوں نے پوچھا، وہ چونکا اور پھر سنبھل کر بیٹھ گیا۔
"آپ نے چائے نہیں بنائی؟" گھونٹ بھرتا وہ ان کا سوال گول کر گیا۔
"موڈ نہیں تھا، تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟" وہ اتنی آسانی سے جان چھوڑنے والے نہیں تھے۔
"آپ کو میرے اندر وہ چیزیں کیوں نظر آتی ہیں جن کے بارے میں مجھے خود علم نہیں ہوتا؟" وہ مسکرایا۔
"اس لیے کہ میں تمہارا باپ ہوں، سوئیٹ می، واٹس دا میٹر؟ ڈونٹ بی شائے؟" وہ کھوجتی نظروں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

"ٹھینگ..... آپ بھی ناں، رائی کا پہاڑ بنا دیتے ہیں"۔ وہ ان کی اندر تک جھانکتی نظروں سے گھبرا کر نگاہیں چراتا اُٹھ گیا، خود سے اعتراف تو وہ کر چکا تھا، ان سے اعتراف کرتے انا آڑے آ رہی تھی۔
"میں بھی دیکھتا ہوں کب تک چھپاتے ہو؟" وہ زیر لب مسکرائے۔

☆............☆............☆

"مہک! کھانے میں کیا ہے؟" عمر ابھی ابھی کوچنگ سے لوٹا تھا اور اب جاگرز اُتارتے دریافت کر رہا تھا۔
"آلو بینگن"۔ ٹی وی سے نظریں ہٹائے بنا اس نے جواب دیا۔
"اوہ نو.....!" اس پر اوس پڑ گئی۔
"مہک ڈیئر!" اس نے لہجے میں حد درجہ شیرینی سموئی تھی۔
"میں کچھ نہیں بناؤں گی، امی صبح سے مارکیٹ گئی ہیں، سارے گھر کا کام میں نے کیا ہے، ماسی نے بھی آج چھٹی کر لی ہے، میں بہت تھکی ہوئی اور اس پکانے کے چکر کی وجہ سے اب تک بھوکی بیٹھی ہوں"۔ ٹکے سے جواب کے ساتھ اس نے تفصیل سنا دی۔
"پزا کھاؤ گی؟" وہ والٹ میں پیسے چیک کرتا بولا۔
"ہاں.....نیکی اور پوچھ پوچھ"۔ وہ فوراً سے پیشتر ریموٹ چھوڑ کر اُٹھ گئی۔
"عمر! میرے بھائی! میں دو منٹ میں ریڈی ہو کے آتی ہوں"۔ وہ مسرت سے بولتی مڑی۔
"تمہارے دو منٹ جب تک پورے ہوں گے، میں بھوک سے اوپر پہنچ چکا ہوں گا، چادر پہن کے فٹافٹ آ جاؤ، ورنہ میں چلا"۔ عمر کی دھمکی پر اس نے ایک نظر اپنے حلیے پر ڈالی، پنک کاٹن کا سوٹ اس نے دو دن پہلے پہنا تھا، جواب شکنوں سے پُر تھا، دوپٹہ وہ کسی اور سُوٹ کے ساتھ کا اوڑھے ہوئے تھی، گھر کے کام سے فراغت کے بعد نہانا تو دور، اس نے منہ بھی نہیں دھویا تھا، اثبات میں سر ہلاتی وہ کمرے میں گئی اور لمحے کی تاخیر کیے بغیر چادر لے کر واپس آ گئی۔
"آرام سے چلانا"۔ بائیک پر اس کے پیچھے بیٹھتی وہ ڈرے ڈرے لہجے میں بولی، مگر ہیلمٹ پہنتے غالباً اس نے اس کی بات سنی نہیں تھی، کیونکہ تھوڑی ہی دیر میں بائیک ہوا میں فرّاٹے بھر رہی تھی اور وہ اس کا کالر دبوچے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی، پھر نجانے کیا ہوا، اسے ایک جھٹکا لگا اور عمر کا کالر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، بائیک اس کے نیچے سے نکل گئی اور وہ دھپ سے سڑک پر گری تھی، صد شکر کے اس وقت روڈ پر ٹریفک زیادہ نہ تھا، بائیک کئی گز آگے جا کر رُکی تھی، خوف کی وجہ سے کئی لمحے تو اسے سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ کیا ہوا ہے، عمر بھاگتا ہوا واپس آیا اور اُسے اُٹھایا، وہ لڑکھڑا کر وہیں فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی، چادر کے پلو میں ایک بڑا چھید ہو چکا تھا۔
"کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟" وہ اسے ہلاتا جلاتا پوچھ رہا تھا، مگر وہ بے تحاشہ آنسو بہاتے اس کی بات سن ہی کہاں رہی تھی۔ چند منٹوں میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ صحیح سلامت ہے، اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔
"مہک! پلیز چپ ہو جاؤ یار! دیکھو لوگ دیکھ رہے ہیں"۔ وہ گزشتہ دس منٹ سے منتیں کر رہا تھا، مگر اس نے تو قسم کھالی تھی اس کی بات نہ سننے کی۔
"مہک! دیکھو جس طرح تم بیٹھی ہوئی ہو ناں، آتے جاتے لوگ پیسے پھینکنا شروع کر دیں گے"۔ غصے اور بے چارگی سے بولتا وہ اس کے آگے ٹہل رہا تھا۔ قریب ہی کسی گاڑی کے رُکنے کی آواز پر وہ چونک کر مڑا، اس نے بھی چونک کر سر اُٹھایا تھا۔ گاڑی سے فرہاد کو برآمد ہوتا دیکھ کر عمر نے سکون کا سانس لیا تھا۔
"تھینکس گاڈ! فرہاد بھائی! آپ آ گئے"۔ اس کے قریب پہنچنے پر وہ بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا ہوا..... یہ اس طرح کیوں بیٹھی ہیں؟'' وہ اسے تشویش زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
''ایکسیڈنٹ ہوگیا بھائی!''
''واٹ.....؟'' وہ گھبرا کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا، وہ جلدی سے کھڑی ہوگئی۔
''آپ کو کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟'' وہ پوچھ رہا تھا، اس نے رُخ موڑ لیا، پھٹی ہوئی چادر کا پلّو اس نے مٹھی میں دبا رکھا تھا۔
''نہیں، اللہ کا شکر ہے، کہیں چوٹ نہیں آئی، ہم لوگ پیزا کھانے جارہے تھے اور یہ ایکسیڈنٹ ہوگیا''۔ عمر کے تفصیل بتانے پر وہ جزبز ہوئی۔
''تو تم ایسا کرو پیزا لینے جاؤ، میں گھر ہی جارہا ہوں، انہیں ساتھ لے جاتا ہوں، راستے میں کلینک میں چیک اپ بھی کرالوں گا''۔ اس کی آفر پر اس نے چند سیکنڈ غور کیا اور پھر اثبات میں سر ہلاتا اس کی طرف مڑا، مگر جب تک وہ سڑک سے گزرتے رکشے کو ہاتھ دیتی اس میں بیٹھ چکی تھی، وہ تیزی سے اپنی بائیک کی طرف دوڑا۔
''عمر! تم پیزا لینے جاؤ، ہوسکتا ہے یونہی اس کا موڈ بحال ہوجائے، میں گھر ہی جارہا ہوں، وہ بھی گھر ہی گئی ہوگی، ڈونٹ وری''۔ وہ گاڑی بڑھا لے گیا تھا۔
''اللہ میاں! مجھے بچالینا آج''۔ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ وہ بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔ غصے میں اکیلی رکشے میں تو بیٹھ گئی تھی، مگر بیٹھتے ہی احساس ہوا تھا کہ کیا کرگئی ہے، اس سے پہلے کبھی اکیلی آٹو میں نہیں بیٹھی تھی، آنسوؤں کی باڑ کے آگے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، آنسو صاف کرکے اس نے راستے پر نگاہیں جمائیں تو ایک اور انکشاف پر سن ہونے کا ہوا تھا، وہ اس وقت خالی ہاتھ بنا پیسوں کے رکشے میں بیٹھی تھی، متوقع بے عزتی کے بارے میں سوچتے ہی وہ خالی الذہن ہوچکی تھی، جب ہی ایک جھٹکے سے رکشہ رُکا تھا، من من بھر ہوتے قدموں کے ساتھ وہ رکشے سے اُتری اور رکشے والے کے سامنے سر جھکا کر کھڑی ہوگئی۔
''او بی بی جی! کرایہ.....!'' اسے یونہی جمے دیکھ کر وہ جھنجلایا۔
''وہ..... مم..... میرا..... اس بلڈنگ میں گھر ہے، میں آپ کو ابھی کرایہ لادیتی ہوں''۔ تھوک نگلتے وہ بمشکل بولی۔
''کیا..... آپ کے پاس کرایہ نہیں تھا تو رکشے میں کیوں بیٹھیں؟ آپ اندر جاکر گُل ہوگئیں تو میرے ساٹھ روپے کون دے گا؟'' وہ اسٹارٹ ہوچکا تھا، اُس کی آنکھیں ایک بار پھر برسنے لگیں۔
''یہ لو.....'' اس نے سو کا نوٹ رکشے والے کی طرف بڑھایا، اس نے چونک کر اُسے دیکھا اور بلڈنگ کی طرف مڑ گئی، وہ بھی اس کے ساتھ ہی چل پڑا تھا کہ رکشے والے کی بقایا پیسوں کی ہانک پر مجبوراً مڑا۔ لفٹ نیچے آنے کا نام نہیں لے رہی تھی، اسے تیز قدموں سے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔
''رُکیئے پلیز!'' وہ اس کی آواز اَن سُنی کرتی تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ وہ یک دم سامنے آ گیا، مجبوراً وہ رُکی تھی۔
''مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے''۔ اس نے بغور اس کی بھیگی پلکیں دیکھیں۔
''مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی، راستہ چھوڑیئے''۔ وہ آگے بڑھی، مگر وہ پھر راستے میں آ گیا۔
''پلیز..... میں زیادہ ٹائم نہیں لوں گا، آئی نو، راستے میں یوں بات کرنا قطعاً مناسب نہیں، مگر آپ نے اب گھر آنا چھوڑ دیا ہے تو.....''
''آپ کے گھٹیا الزامات سننے کے بعد بھی کیا مجھے آپ کے گھر آنا چاہیئے؟ میری عزتِ نفس مری نہیں، سلامت ہے،

میں جانتی تھی کہ آپ کو میرا آنا پسند نہیں، مگر میں نے کبھی اہمیت نہیں دی کیونکہ آپ کی ناپسندیدگی سے زیادہ میرے دل میں رحیم انکل کے خلوص اور محبت کی اہمیت تھی، میرا راستہ چھوڑیئے، ورنہ جو الزام آپ نے لگائے تھے مجھ پر وہ کوئی اور بھی لگا سکتا ہے''۔ وہ اس کی بات کاٹ کر بولتی چلی گئی، وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔
''میں بس آپ سے اپنے رویے کی معافی مانگنا چاہتا تھا''۔ اسے اپنے پیچھے اس کی آواز سنائی دی تھی۔
وہ تیزی سے غصے میں یہاں وہاں ٹہلتی عمر کا انتظار کررہی تھی، جب وہ پیزا کا ڈبہ اُٹھائے اندر داخل ہوا، اسے دیکھ کر وہ الماری کی طرف بڑھی، اپنا پرس نکال کر اس نے سو روپے عمر کی طرف بڑھائے۔
''یہ مسٹر فرہاد رحیم کو دے کر آؤ ابھی''۔ وہ چلاّئی اور وہ گھبرا کر جلدی سے نوٹ پکڑتا باہر نکل گیا۔
''یہ مہک نے بھجوائے ہیں آپ کو''۔ دروازے میں فرہاد کی شکل دیکھتے ہی اس نے عجلت میں نوٹ بڑھایا۔
''یہ کیسے پیسے ہیں؟'' اس نے حیرانی سے نوٹ کو دیکھا۔
''مجھے نہیں پتہ، کوئی اُدھار ہوگا ان کا''۔
''بہت پیسے آرہے ہیں تمہاری بہن کے پاس، اس سے کہو سنبھال کر رکھے، کام آئیں گے''۔ وہ سُلگ گیا تھا، وہ لینے پر راضی نہ تھا اور وہ بھیجنے پر کمر بند تھی، عمر اس وقت بے چارگی کا نمونہ بن گیا تھا۔
''ایسا کرو، یہ تم رکھ لو، اسے پتہ نہیں چلے گا''۔ اسے اس پر ترس آ گیا تھا، گہری سانس بھرتے اس نے نوٹ اپنی پاکٹ میں رکھا اور جانے کے لیے مڑ گیا۔

☆..........☆..........☆

''بات کیا ہے؟'' وہ دروازہ بند کرتا مڑا، وہ پیچھے ہی کھڑے تھے، وہ نفی میں سر ہلاتا اندر بڑھ گیا۔
''جس دن مہک یہاں آئی تھی تم نے اس سے جھگڑا کیا تھا؟'' وہ اس کے پیچھے ہی کمرے میں چلے آئے تھے اور کافی سنجیدہ تھے۔ سوال غیر متوقع تھا، وہ بوکھلا گیا۔
''نہیں..... آپ سے کس نے کہا؟'' وہ رُخ پھیر گیا۔
''اس دن میں بیمار تھا، بے ہوش نہیں تھا''۔ اس کی پشت گھورتے وہ بولے۔
''اتنے دنوں کی بات آپ کو اب یاد آئی ہے؟'' وہ جھنجلاتا مڑا، اب تک یہی سمجھتا رہا تھا کہ وہ اس دن کی بات سے بے خبر ہیں۔
''تو گویا تم نے اس کے ساتھ مس بی ہیو کیا تھا؟'' ان کا لہجہ پُر وثوق تھا۔
''ہاں.....!'' چند لمحے توقف کے بعد وہ اثبات میں سر ہلاتا بولا۔
''آپ جانتے ہیں مجھے وہ بالکل پسند نہیں تھی، اس کی وجہ سے ہمارے درمیان بحث ہوئی تھی، اُسے اُس دن گھر میں دیکھ کر مجھے شدید غصہ آ گیا تھا، اور میں نے اسے کافی کچھ سنادیا۔ بٹ آئی سوئیر! میں اس دن سے ہی بہت گلٹی فیل کررہا ہوں، میں نے اس سے معافی مانگنے کی بھی کوشش کی تھی، مگر اس نے سنا ہی نہیں''۔ سر جھکائے شرمسار لہجے میں اس نے وضاحت دی، اسے لگا کہ اب اسے ان کی صلواتیں سننی پڑیں گی۔
''اور اب.....؟'' مگر وہ اس سے ویسے ہی ٹھنڈے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔
''اب.....؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔
''اب تمہیں وہ پسند ہے؟'' وہ ہلکا سا مسکرائے۔
''آپ.....!'' وہ بے یقینی سے اُنہیں دیکھ رہا تھا، اُسے یقین نہیں آرہا تھا جس بات کو وہ خود سے بھی چھپائے بیٹھا تھا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اتنی جلدی اُن پر عیاں ہو جائے گی۔
''تم تو لڑکیوں کی طرح بلش کر رہے ہو''۔ وہ کھل کر ہنس دیئے۔
''عاشر کی شادی میں تمہاری انگیجمنٹ کر دیتے ہیں، مگر اس سے پہلے تو پرپوزل لے کر جانا ہوگا، میرے خیال میں فاروق صاحب کی فیملی کو تمہارے پرپوزل پر اعتراض ہو نہ ہو، مہک کو ضرور ہوگا، تم اس سے جھگڑا کر کے کافی خطرہ مول لے چکے ہو''۔ وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولے۔
''میں اسے منالوں گا''۔ وہ تیزی سے بولا، ان کا قہقہہ چھت پھاڑ تھا، اپنی تیزی پر وہ خجل ہو گیا۔

☆............☆............☆

ابھی ابھی رحیم صاحب فاروق صاحب کو فرہاد کا پرپوزل دے کر گئے تھے، سب گھر والے اس رشتے کو ڈسکس کر رہے تھے اور وہ سن سی بیٹھی سوچ رہی تھی، جس شخص کے لیے اسے اپنے گھر میں چند منٹ برداشت کرنا مشکل ہوتا تھا، جو شخص اس پر اتنے رکیک الزام لگا سکتا ہے، وہ شخص اپنا پرپوزل کیسے بھیج سکتا ہے؟ اُسے گم صم بیٹھا دیکھ کر عمر اس کے قریب جا کر بیٹھا تھا۔
''اچھا جناب! تو یہ وجہ تھی، رحیم انکل کے گھر بھاگ بھاگ کر جانے کی''۔ اس نے شوخی میں یونہی چھیڑا تھا، مگر اس پر تو جیسے تازیانہ پڑا تھا۔
''شٹ اپ عمر!'' وہ پوری طاقت سے چلائی تھی، عمر کے لیے اس کا رِی ایکشن ناقابلِ فہم تھا، وہ چند ثانیئے کھڑے اُسے دیکھتی رہی، پھر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔
''تم نے کیا کہا اسے عمر؟'' عاشر نے ڈپٹا، حق دق کھڑے عمر نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔ امی اس کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوئی تھیں، اسے پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔
''مہک! کیا ہوا بیٹا؟'' اس کے قریب بیٹھ کر انہوں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔
''امی....!'' وہ بے قراری اُٹھ بیٹھی۔
''مجھے فرہاد رحیم سے شادی نہیں کرنی''۔
''کیوں نہیں کرنی بیٹا؟'' اس کے رویے نے انہیں حیران کیا تھا۔
''بس نہیں کرنی ناں'' وہ بپھر کر چلائی۔
''اچھا، ٹھیک ہے، مت کرنا اس سے شادی، کوئی زبردستی تھوڑی ہے، رونا بند کرو''۔ اس کے آنسو صاف کرتے وہ اسے شانت کرنے لگیں۔
''جہاں لڑکیاں ہوتی ہیں وہاں رشتے تو آتے ہی ہیں، اب اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ اس طرح رونا دھونا مچایا جائے''۔ اپنی گود میں اس کا سر رکھے آہستہ آہستہ تھپکتے وہ اسے سمجھا رہی تھیں، مہک کا بی ہیوئیر انہیں عجیب لگا تھا، یہ اس کا پہلا رشتہ نہیں تھا، مگر کسی رشتے پر یہ اس کا پہلا رِی ایکشن ضرور تھا، وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

☆............☆............☆

انہوں نے اس سے وجہ جاننے کی بہت کوشش کی تھی، مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی، فضہ پردے میں بیٹھ گئی تھی، گھر تو آ نہیں سکتی تھی، مگر اس نے بھی اس سے فون پر اُگلوانے کی کوشش کی تھی، جواباً وہ اس پر بھڑک اُٹھی تھی، کسی کو بھی اس رشتے میں کوئی بُرائی نظر نہیں آئی تھی، سو طے یہ پایا کہ کچھ وقت کے لیے رحیم صاحب کو ٹال دیا جائے۔
انتظار کے لمحے اس پر بڑے کڑے ثابت ہو رہے تھے، اس لیے آج وہ رحیم صاحب کے سامنے پھٹ پڑا۔
''مسئلہ کیا ہے، یہ لوگ ٹھیک سے جواب کیوں نہیں دیتے؟'' انہوں نے سنجیدگی سے اسے گھورا۔

''مسئلہ تمہارے اسی غصے نے تو پیدا کیا ہے، مجھے لگا کہ میرے پرپوزل لے جانے سے پہلے تم نے اس سے بات کر لی ہوگی''۔
''میں اس سے کیسے بات کر سکتا ہوں؟'' اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا
''بہت خوب.... تو یہ بھی میں بتاؤں؟ تم نے تو یونیورسٹی جا کر بھی کچھ نہ سیکھا''۔ انہوں نے مصنوعی تاسف سے اسے دیکھا۔
''ایکسکیوزمی.... یونیورسٹی میں یہ سب نہیں سکھایا جاتا''۔ وہ قدرے بُرا مان گیا۔
''اب تم اس سے کیسے بات کرتے ہو، یہ تم پر ڈیپنڈٹ ہے، میں اس میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا''۔ انہوں نے صاف ہاتھ کھڑے کر دیئے۔
''میں اس سے فون پر بات کر لیتا ہوں، آپ کے پاس اس کا سیل نمبر تو ہوگا؟'' چند ثانیئے سوچنے کے بعد وہ جھجکتے ہوئے بولا۔
''اطلاعاً عرض ہے کہ اس کے پاس سیل فون جیسی کوئی چیز نہیں ہے''۔
''تو اب....؟'' اس نے پریشانی سے انہیں دیکھا۔

☆............☆............☆

گھڑی بارہ کا ہندسہ عبور کر چکی تھی، آنکھیں بند کر کے اس نے اسی کے فون اُٹھانے کی دعا مانگی اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔ وہ کوئی ٹین ایجر تو تھا نہیں، اس پر گراں گزر رہا تھا اس طرح فون کرنا، مگر دل کے ہاتھوں مجبور تھا، بیل جانے کی آواز سن کر اس کے دل کی ساری دھڑکنیں ہمہ تن گوش ہو گئی تھیں، آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرتی وہ مسلسل ہوتی فون کی بیل پر جھنجھلا کر اُٹھ بیٹھی۔ کوریڈور میں رکھا فون اس کے کمرے کے قریب تھا۔
''ہیلو....!'' انداز پھاڑ کھانے والا تھا، اس کی آواز سن کر اس کے لبوں سے پُرسکون سانس خارج ہوئی۔
''فرہاد بات کر رہا ہوں''۔ اس نے اطلاع دی وہ سن سی ہو گئی۔
''عاشر بھائی سو گئے ہیں''۔ کئی لمحے بعد وہ بولی۔
''مجھے عاشر سے بات کرنی ہوتی تو میں اس کے سیل پر کال کر سکتا تھا''۔ وہ واضح لفظوں میں جتا گیا۔
''تو پھر کس سے بات کرنی ہے آپ کو؟ اور یہ کون سا ٹائم ہے کسی کے گھر فون کرنے کا؟'' وہ بھڑک کر چبھتے لہجے میں بولی۔
''آئی نو، یہ رائٹ ٹائم نہیں ہے کسی کے گھر فون کرنے کا، مجھے تم سے بات کرنی تھی، مگر اب صبح کال کروں گا''۔ سنجیدگی سے بولتے اس نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی۔
''اب کون سا الزام لگانا ہے آپ کو؟ یہی ناں کہ آپ کے فادر جو پرپوزل لائے تھے اس کے پیچھے بھی میرے اوچھے ہتھکنڈے تھے؟'' اس کا لہجہ حد درجہ تلخ تھا۔
''نہیں پلیز! اب میں آپ کو کیسے سمجھاؤں؟'' وہ بے بس ہوا۔
''میں جانتا ہوں، میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا ہے، بہت ٹھیس پہنچائی ہے، غصے میں جو میرے منہ میں آیا، میں نے ب دیا، میں تب سے بہت شرمندہ ہوں، اس دن بھی میں تم سے معافی مانگنا چاہتا تھا، آج پھر کہہ رہا ہوں آئی ایم سوری، ز، فار گیو می'' اس کا لہجہ لجاجت آمیز تھا، لہجے سے واضح طور پر ندامت محسوس ہو رہی تھی۔
''یہ اچھا لفظ ہے سوری، کسی کے احساسات کا خون کر دو، اور کہہ دو سوری، کسی کے خلوص کو گالی دو اور کہو سوری، کسی کی تِ نفس کو اپنے پیروں تلے کچل دو اور کہہ دو سوری، کسی کے پندار کو ٹھیس پہنچاؤ، کسی کا غرور خاک میں ملاؤ اور کہو بس ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لفظ سوری، نہیں مسٹر فرہاد رحیم! میں کیوں آپ کی سوری ایکسیپٹ کرلوں، آپ نے مجھے گالی دی، میرے خلوص پر شک کیا، اتنا گھٹیا سمجھا تھا آپ نے مجھے؟'' دوبارہ وہ سب یاد آتے اس کی آواز میں نمی گھل گئی تھی۔

''ان فیکٹ، مجھے تو یہ سمجھ نہیں آرہا کہ آپ مجھ سے معافی مانگ ہی کیوں رہے ہیں، آپ کو میری معافی کی کیا ضرورت ہے؟ آپ اپنے رستے میں اپنے رستے''۔ اپنی آواز پر قابو پاتے وہ مزید بولی۔ اس نے خاموشی سے اسے سب کہنے دیا تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کے دل کا غبار نکل جائے۔

''میں اپنا اور تمہارا راستہ ہی تو ایک کرنا چاہتا ہوں، اس لیے مجھے تمہاری معافی کی اشد ضرورت ہے''۔ اس کا لہجہ گھمبیر تھا، وہ ساکت ہوگئی، اب تک وہ سمجھتی آئی تھی رحیم انکل خود اپنی مرضی سے اس کا پرپوزل لائے تھے اور اس کے انکار کے بعد ابّو نے انہیں بھی انکار کر دیا ہوگا۔

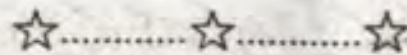
''مہک! بات بس اتنی ہے کہ مجھے تم پسند نہیں تھیں، وجہ یہ رہی کہ میں اکلوتا تھا مما، پاپا کی پوری توجہ اور چاہت ملی مجھے، ان کا پیار بٹتے دیکھنے کی عادت نہیں تھی، یہاں جب ان کا پیار اور توجہ بٹتے دیکھی تو میں جیلس ہوگیا، پاپا کو ہمیشہ ایک بیٹی کی چاہ رہی تھی اور وہ بیٹی تم میں نظر آئی انہیں، اور یہ بات مجھ سے برداشت نہیں ہوئی، میں جانتا ہوں تمہیں یہ سب سننے میں بہت عجیب لگ رہا ہوگا، مگر یہ سچ ہے۔ پھر انہوں نے تمہیں بہو بنانے کی خواہش ظاہر کی، میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اور تم سے شادی تو کبھی نہیں، شادی نہ کرنے کی وجہ بھی یہی تھی مجھے خوف تھا کہ آنے والی لڑکی مجھے ان سے دور کر دے گی، غصے میں میری ان سے جھڑپ ہوئی، وہ تمہارے لیے مجھ پر چلاّئے تو میرے دل میں تمہارے خلاف مزید بغض بھر گیا، اس دن تمہیں اپنے گھر میں دیکھ کر میں بنا سوچے سمجھے بکواس کرتا چلا گیا، بنا یہ جانے کہ تم میرے گھر میں میرے پاپا ہی کی تیمارداری کے لیے موجود تھیں، میں بے پناہ شرمندگی میں گھر گیا تھا اور اس دن میں نے جانا کہ تم پاپا کے لیے اتنی اسپیشل کیوں ہو، کیونکہ تم بے غرض ہو، اور ایک خوبصورت سے دل کی مالک ہو، اور میں اس بے غرض اور بے ریا سی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں''۔ اتنی لمبی وضاحت کے بعد ہی وہ خاموش ہوا تھا۔

''پاپا کل تمہارے گھر آئیں گے، فیصلہ تو تمہارا ہی ہوگا، مگر مجھے نہیں لگتا کہ تم سے معافی مانگ لینے کے بعد اب میں سزا کا حقدار ہوں، بہرحال جو بھی تمہارا فیصلہ ہو، میں منتظر رہوں گا، اللہ حافظ!'' اس نے فون بند کر دیا تھا، اور وہ فون تھامے سن سی کھڑی تھی۔

کروٹ پر کروٹیں بدلتے وہ خاصی بے چین تھی، دو گھنٹے پہلے آیا اس کا فون اسے کشمکش میں مبتلا کر گیا تھا۔ وہ عجیب بے بس سی ہوگئی تھی، اس دن کی باتیں یاد آتیں تو دماغ میں نئے سرے سے غصہ بھرنے لگتا، اس کی معذرت یاد آتی تو دل نرم پڑ جاتا، دھیرے دھیرے رات بیتتی جا رہی تھی، اور وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی، کچن میں جا کر اس نے دو گلاس پانی کے پیئے اور کمرے میں آ کر نئے سرے سے سوچنے لگی۔

یکا یک ایک فیصلہ کر کے وہ مطمئن سی ہوگئی، دل نے اس کے حق میں گواہی دے دی تھی، اس کے لب آپ ہی آپ مسکائے، وہ جانتی تھی کہ وہ مزاجاً اس کے بالکل اُلٹ ہے، تو پھر کیا....؟ وہ اُسے چاہنے لگا تھا اور چاہت انسان سے بہت کچھ کرا لیتی ہے، وہ بھی اُسے بدل سکتی تھی۔ اس نے اس کے اَن چھوئے تقدس کو پامال کیا تھا، اس کے نسوانیت کے بُت کو ٹھیس پہنچائی تھی، اب وہی اسے تقدس فراہم کرنے والا تھا، تو وہ کیوں اپنا ظرف بڑا نہ کرتی۔ ایک خوشیوں بھری راہ اس کی منتظر تھی، تو وہ کیوں اپنے دل کے دروازے بند رکھتی؟ پھر سکون سے تکیئے پر سر رکھتے اس نے آنکھیں موند لی تھیں، جہاں سپنوں کی وادی میں وہ اس کا منتظر تھا۔

☆............☆............☆



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اقراء چنا

ناولٹ

آسودگیاں

مدھم اور نرم ماحول میں ایشاع کا چہرہ جگمگا رہا تھا' وہ اس کے خوبصورت چہرے کو محویت سے دیکھ رہا تھا' وہ ہمیشہ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں گم ہو جاتا تھا۔

"وجی! میں پریشان ہوں"۔ اسے خود ہی وجدان



کو احساس دلانا پڑا وہ چونکا۔

"کیا بات ہے......؟ تم کیوں پریشان ہو......؟" وہ بے قرار ہوا۔ وہ اسے ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا تھا' اب اس کے چہرے پر پریشانی کی لکیریں وجدان کو بھی پریشان کر رہی تھیں۔

"وہ......امی نے کہا ہے کہ مجھے جاب کرنی ہوگی' آخر کب تک میں یوں مفت کی روٹیاں توڑتی رہوں گی' پل پل مجھے اذیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے"۔ وہ دکھ اور تاسف سے اپنی ہتھیلیوں پر نگاہیں جھکائے بتا رہی تھی۔

"تمہاری امی کو پرابلم کیا ہے......؟ اچھا خاصا تمہارے ابو کماتے تو ہیں"۔ ایسی باتیں وجدان کو الجھا دیتی تھیں۔

"اگر سگی ہوتیں تو انہیں کوئی پرابلم نہ ہوتا' اس طرح تو ان کا خود کا بیٹا بھی نہیں کماتا' الٹا سارا دن گھر پر ٹی وی پر قبضہ جمائے رہتا ہے"۔ اس نے ہاتھ کی پشت منہ پر رکھتے ہوئے بتایا وہ رو دینے کو تھی۔

"تمہیں جاب تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' پہلے بھی تو تم کتنی ماری ماری پھری تھیں میں مزید تمہیں دوسروں کی باتیں سنتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا"۔

وہ اسے پچھلے چار ماہ سے جانتا تھا' اس سے پہلی ملاقات



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی اس کے آفس میں ہوئی تھی' وہ ان دنوں جاب کی ہی تلاش میں آئی تھی' لیکن اس کی کم تعلیم اور تجربہ نہ ہونے کی بناء پر اسے جاب نہیں ملی' وہ روتی ہوئی واپس جارہی تھی اور اسی اثناء میں اس کا ٹکراؤ وجدان سے ہوگیا اور وہیں سے ان دونوں کی ایک دوسرے کے ساتھ پہچان ہوئی تھی اور اس طرح وہ دوستی میں بدل گئی' ایسی دوستی جو وجدان کے لئے سب کچھ تھی' وہ اس کے دکھ پر تڑپ جاتا' اسے ہر اچھی چیز لے کر دیتا' اسے خوب گھماتا' اسے خوش رکھتا۔

''مگر میں امی کو کیا جواب دوں گی......؟ وہ میری ہر بات کو جھوٹا سمجھتی ہیں''۔

''تم اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کرو اور گھر میں بولو کہ تم جاب کررہی ہو اور سیلری گھر میں دینے کے لئے میں تمہیں پیسے دوں گا' اور میں تمہارا ایڈمیشن بھی کروا دوں گا''۔ اس نے ایشاع کی ساری مشکل اور پریشانی دور کردی وہ اسے ستائشی دیکھ کر مسکرادی۔

''تم فکر مت کیا کرو' ہر کام ناممکن نہیں ہوتا' بس اس کا حل تلاش کرنا چاہئے نہ کہ خود کو ہلکان کردینا چاہئے''۔ اس نے ایشاع کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اپنائیت سے کہا' اس نے سر ہلادیا۔

☆

صمد روم میں سو رہا تھا' وہ کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کررہی تھی' بچوں کے اسکول سے آنے کا بھی ٹائم ہو رہا تھا' دروازے پر دستک ہو رہی تھی' اس نے عجلت میں دوپٹہ اٹھا کر سر پر کیا اور دروازہ کھولا' دروازے کے اس پار افشین کھڑی تھی' جو ان کی پڑوسن تھی اور ان کے ساتھ والا فلیٹ انہی کا تھا' آتے جاتے مہرالنساء نے اسے تین چار بار دیکھا تھا' ان کا بیٹا ساحر بھی مہرو کے بچوں کے ہی اسکول میں پڑھتا تھا' وہ بہت فرینڈلی اور گڈلکنگ تھیں۔

''اندر آیئے''۔ مسکراتے ہوئے وہ اخلاقاً بولی' اسے اس فلیٹ میں آئے ہوئے چھ ماہ ہونے کو تھے اور یہ پہلی بار تھا کہ افشین اس کے گھر آئی تھیں بلکہ افشین تو کیا' مہرانساء کو ویسے بھی کسی کے گھر آنا جانا پسند نہیں تھا' اس لئے آس پڑوس سے جان پہچان نہیں تھی' وہ بچوں اور گھر کے کاموں میں پورا دن اتنا مگن رہتی کہ دوسرا کوئی خیال ہی نہ آتا۔

''ابھی زرا جلدی میں ہوں دراصل میرے بیٹے ساحر کی کل شام برتھ ڈے پارٹی ہے' اس لئے یہ کارڈ دینے آئی ہوں' آپ کے بچے میرے ساحر کے دوست ہیں کل آپ اپنے بچوں سمیت ضرور آیئے گا' مجھے اچھا لگے گا''۔ انہوں نے ایک گلابی رنگ کا عمدہ کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جی! ہم ضرور آئیں گے''۔ اسے افشین بہت اچھی لگی تھی' اس نے فوراً فیصلہ کرکے ہاں کردی' وہ مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔ ساحر ان کی اکلوتی اولاد تھی' ان کے شوہر کی گورنمنٹ جاب تھی' افشین کے بارے میں یہ وجدان نے بہت پہلے بتایا تھا۔ جب بچوں کو اس نے بتایا تو وہ تو بے قراری سے اگلے روز کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے عرصے میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ وہ پڑوس میں جارہے تھے' ورنہ وجدان نے سختی سے بچوں کو کسی کے بھی گھر جانے سے منع کیا تھا' اسکول بس نیچے گیٹ پر ہی آجایا کرتی تھی' پہلے مہرانساء انہیں خود گیٹ تک چھوڑ آتی تھی لیکن اب بچے اتنے ہوشیار ہوگئے تھے کہ خود آجاسکتے تھے۔

☆

''پاپا! کل شام ساحر کی برتھ ڈے پارٹی ہے' اور ماما نے کہا ہے کہ ہم بھی جائیں گے''۔ وجدان کے آتے ہی رات کو عمار اور کائنات نے اسے آن گھیرا' اس نے سوالیہ نظروں سے مہرالنساء کو دیکھا جو صمد کو کندھے سے لگائے اس کی کمر تھپک رہی تھی۔

''بچے کبھی کہیں جاتے ہی نہیں' ساحر ان کا دوست ہے اور افشین نے کتنی اپنائیت سے کارڈ دیا ہے' دیکھو بچے بھی کتنا خوش ہو رہے ہیں' اگر ہم جائیں گے تو انہیں بھی اور ہمیں بھی اچھا لگے گا''۔ اس نے وضاحت بھی دی۔

''ٹھیک ہے بھئی چلے جانا''۔ اس نے دونوں کو بانہوں کے گھیرے میں لیا۔

''تھینک یو پاپا!'' وہ دونوں وجدان سے لگ کر باآواز بلند بولے۔

''پاپا! ہمیں ساحر کے لئے گفٹ بھی لینا ہے ابھی چلو''۔ کائنات نے اس کے سینے سے سر اٹھا کر اور بازو پکڑ کر اٹھانا چاہا۔

''اوکے تو پھر چلو''۔ وہ خوشگوار موڈ میں تھا اس لئے فوراً راضی ہو کر کھڑا ہوگیا' اس نے ایک بار بھی مہرالنساء کو چلنے کے لئے نہیں کہا ادھر کائنات اور عمار کو لے کر چلا گیا' مہرالنساء کو اس کا یہ رویہ اب برا نہیں لگتا تھا' وجدان نے اسے پیار ہی کب کیا تھا' وہ تو شادی سے لے کر اب تک روکھا رویہ اپنائے ہوا تھا' شاید اس لئے کہ وہ اس کے مقابلے میں کم پڑھی لکھی تھی' اس کی حیثیت سے کم تھی' شکل و صورت بھی اس کی عام سی تھی' اس کے نقش بھی خاص اچھے نہیں تھے' چہرے کا رنگ بھی فیئر نہیں تھا' اس کے مقابلے میں وجدان بہت چارمنگ پرسنالٹی رکھنے والا ایک خوبرو شخص تھا' وہ اس بات میں ہی خوش تھی کہ وہ اپنے بچوں سے بہت محبت کرتا تھا' وہ اس کی بھی ہر ضرورت پوری کرتا تھا' اس سے بات بھی کرلیتا تھا' مگر کبھی وہ اہمیت نہ دی' جس کی مہرو کو ضرورت تھی' کبھی اس پر وہ خاص توجہ نہ دی اس کے انداز میں وہ بات نہ ہوتی کہ جو ہر لڑکی بلکہ ہر بیوی چاہتی ہے کہ اس کا شوہر اس کا خیال رکھے' دو بول پیار کے بول دے' اسے خود کی سچی محبت اور چاہت کا احساس دلائے' اس کی خوبصورتی کی نا سہی' اس کی خوب سیرتی کی ہی تعریف کردے' کچھ خود بولے' کچھ اسے سنے' مگر وجدان نے اسے ایسا کچھ نہیں دیا تھا۔

شادی کے دس سال گزر جانے کے بعد بھی وہ اس طرح نہیں تھے کہ ایک دوسرے کے ساتھ فری ہوں' وجدان نے کبھی اپنے دل کی بات شیئر نہیں کی' کبھی اپنی کوئی پریشانی شیئر نہیں کی' کبھی کوئی خوشی کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی کبھی اس نے اسے ٹٹولا۔

مہرالنساء صرف یہ جانتی تھی کہ وہ اس رشتے سے خوش نہیں تھا' ویسے بھی زبردستی رشتے جوڑ کر شاید ہی کوئی خوش رہ پاتا ہے' وہ ایک چھوٹے سے شہر کی لڑکی تھی' وجدان بھی اپنی فیملی کے ساتھ اسی شہر میں رہتا تھا' وجدان اور مہرو کے والد ایک دوسرے کے جگری دوست تھے' لیکن پھر وہ کراچی شفٹ ہوگئے' جب وہ واپس اسی شہر میں کچھ دن مہرالنساء کے گھر آئے تو وجدان کی امی کو مہرو بہت اچھی لگی' اس کا سلیقہ اور کم گو اور سادہ طبیعت بہت پسند آئی' مہرو کو آج بھی یاد تھا کہ کمرے کے باہر سے گزرتے ہوئے اس نے جو کاٹ دار وجدان کی باتیں سنی تھیں۔

''یہ آپ نے سوچ بھی کیسے لیا امی! کہ میں اَن پڑھ سے شادی کروں گا''۔ اس کا نخوت بھرا لہجہ مہرو کو اندر تک گھائل کر گیا تھا۔

''وہ اَن پڑھ نہیں ہے بیٹا! اس نے میٹرک کیا ہے' ہاں سادہ ہے سلیقہ مند ہے' بہت اچھی ہے''۔ اس کی امی مہرو کے گن گا رہی تھیں۔ مہرو مزید کچھ نہیں سننا چاہتی تھی' وہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی پھر ان ماں بیٹوں میں کیا باتیں ہوئیں وہ نہیں جانتی تھی لیکن ان کے چلے جانے کے بعد وہ دوبارہ ایک ماہ بعد آئے اور باقاعدہ مہرالنساء کا رشتہ اپنے بیٹے کے لئے مانگا' مہرو کے والد کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کیا بات ہوسکتی تھی وہ فوراً راضی ہوگئے' اگر وجدان اور اس کی امی کے مابین ہونے والی گفتگو وہ نہ سنتی تو یقیناً اسے بہت خوشی ہوتی' اسے پریشانی نے گھیر لیا تھا وہ ہر وقت یہ سوچتی تھی کہ اگر شادی کے بعد اس نے کھری کھری سنادیں؟ اسے قبول نہ کیا تو اس کا کیا ہوگا؟ ان کے گھر میں لڑکیوں کو اتنی بھی اہمیت نہ دی جاتی تھی کہ ان سے رائے لی جائے کہ وہ خوش ہیں یا نہیں' وہ خود سے بھی انکار نہیں کرسکتی تھی' وہ اندر سے ڈری سہمی تھی' اور آخرکار اس کی شادی وجدان سے ہوگئی۔

وجدان نے اس سے کوئی شکوہ نہیں کیا' نہ ہی اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کبھی ڈانٹا یا ٹوکا یا کبھی اس میں کوئی خامی نکالی اس کے اسی رویئے سے مہر النساء کو الجھن ہوتی تھی وہ بہت سرد مہری سے بات کرتا' باقی اسے بیوی کا درجہ ہر جگہ دیتا تھا' بظاہر وہ بہت اچھا شوہر تھا' وہ صبح سے لے کر رات کو سوتے وقت تک اس کا ہر کام خود ہی کرتی تھی' وجدان کے والدین بھی مہرو سے بہت خوش تھے' اٹھتے بیٹھتے وجدان کی امی اسے ڈھیروں دعائیں دیتی تھیں مہرو کو وہ بالکل اپنی امی جیسی لگتی تھیں' لیکن کم عرصے کے لئے ایسا ہوا کیونکہ وجدان کا ٹرانسفر کراچی سے راولپنڈی ہوگیا' مہرو کے لئے اور مشکل پیدا ہوگئی' کراچی میں تو وہ وجدان کا روکھا رویہ اگنور کر کے امی کے ساتھ وقت گزارہ کرتی تھی' اب تو وہ اکیلی رہ گئی تھی وجدان کے والدین اپنا گھر چھوڑ کر راولپنڈی آنے کے لئے راضی نہیں ہو رہے تھے' وہ دونوں اکیلے ہی آ گئے' وہ صبح جاتا اور شام کو لوٹتا' وہ اس کی ہر چیز کا بخوبی خیال رکھتا تھا' مہرو بھی گھر کے کاموں میں اپنا دل بہلا لیتی' وہ بھی کبھی خود سے وجدان سے زیادہ بات نہ کرتی' کبھی کوئی شکایت بھی نہ کرتی تھی' مہرو کو زبردستی پیار یا توجہ حاصل کرنے کی عادت نہیں تھی' اس طرح ان دونوں کی خاموشی بڑھتی چلی گئی' شادی کے ایک سال بعد' ہی کائنات کی پیدائش ہوگئی اور اس کی پیدائش نے مہرو کی زندگی میں خوشیوں اور کھنک کا ارتعاش پیدا کیا' وجدان جتنا ٹائم بھی گھر پر ہوتا' وہ کائنات کے ساتھ گزارتا تھا' اولاد کی محبت ایسی ہی ہوتی ہے اس طرح مہرو کی بوریت بھی دور ہوگئی تھی' وجدان بھی گھر کو زیادہ وقت دینے لگا تھا' کائنات سے بے انتہا وجدان کی محبت دیکھ کر مہرو کو اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ وجدان کو بچے بہت اچھے لگتے ہیں۔

☆

افشین نے چونکہ برتھ ڈے پارٹی کا انتظام گھر پر ہی کیا تھا' لیکن بہت عمدہ انتظام کیا تھا' آس پڑوس کی عورتیں خوب اہتمام سے تیار ہو کر آئی تھیں۔

''مسز وجدان! آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں''۔ اسے دیکھتے ہی افشین نے پہلا جملہ ادا کیا' وہ جواب میں مسکرا دی' لائٹ براؤن شیفون کے سوٹ میں وہ بہت سادہ لگ رہی تھی' لیکن پھر بھی افشین نے اس کی تعریف کی' بچے ساحر کے پاس جا چکے تھے' صمد اس کی گود میں دوسرے بچوں کو دیکھ خوش ہو رہا تھا' دوسرے مہمانوں کے مقابلے میں افشین اسے زیادہ اہمیت دے رہی تھی' وہ اس کے ساتھ بالکل فرینڈلی ہوگئی تھی' اس نے مہرو کا تعارف باقی کی تمام عورتوں سے کروایا' ان سب کے درمیان مہرو تھوڑا نروس بھی ہو رہی تھی' اس رونق میں جہاں بچے خوش تھے وہاں اسے بھی اچھا لگ رہا تھا' رات کو عمار اور کائنات' وجدان کو ساحر کے برتھ ڈے پارٹی کی ایک ایک بات گرم جوشی سے بتا رہے تھے' وجدان دلچسپی سے ان کی باتیں سنتا رہا' وہ رات میں دونوں بچوں کو ایک گھنٹہ ضرور پڑھاتا تھا' اس وقت بھی وہ عمار کی کاپیاں دیکھ رہا تھا' عمار کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''پاپا! ساحر کے پاپا اسامہ کو روز آؤٹنگ کے لئے لے کر جاتے ہیں' بہت دن ہوگئے ہیں آپ ہمیں کہیں بھی نہیں لے کر گئے''۔ وجدان نے کاپیوں سے نظریں اٹھا کر مسکرا کر اسے دیکھا۔

''ہاں پاپا! میرے کلاس فیلوز بھی ویک اینڈ پر بہت انجوائے کرتے ہیں''۔ کائنات بھی اس کے گھٹنے پر سر رکھ کر عمار کی تائید کر رہی تھی۔

''تو کیا ساحر کے پاپا' آپ کے پاپا سے زیادہ اچھے ہیں''۔ اس نے معصوم سی شکل بنا کر ان دونوں کو خشمگیں دیکھا۔

''نہیں...... ہمارے پاپا دنیا کے سب سے اچھے پاپا ہیں''۔ وہ دونوں ایک ساتھ اونچی آواز میں بول کر اس سے لپٹ گئے' مہر النساء بھی بچوں کے روم میں چلی آئی' جہاں وجدان ان دونوں بچوں کو خود سے لپٹائے انہیں پیار کر رہا تھا۔

''تو ٹھیک ہے بھئی' آپ کے پاپا بھی اچھے ہونے کا فرض نبھائیں گے' کل شام چھ بجے آپ سب تیار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہنا ہم بھی باہر جائیں گے اور خوب انجوائے کریں گے''۔ اس نے آخری جملہ بولتے ہوئے دروازے کے درمیان میں کھڑی مہرو کو دیکھا' اس کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ تھی۔

''واؤ......'' دونوں نے خوش ہوتے ہوئے وجدان کے رخساروں پہ بوسہ دیا۔ مہرو مسکراتی ہوئی اپنے روم میں چلی آئی' کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وجدان اب ان دونوں کو سلا کر ہی روم میں آئے گا' لائٹس آف کر کے وہ اپنی جگہ پر لیٹی' بیڈ کے درمیان صمد بے خبر سو رہا تھا' مہرو نے اس کا ماتھا چوما' وجدان کا پیار بچوں کے لئے قابل فخر تھا' یہ ہی احساس مہرو کو اندر تک سکون میں رکھتا تھا وہ وجدان کو بہت چاہتی تھی مگر اس چاہت کو دل میں ہی چھپا رکھا' اب تو اس پر دھند پڑنے لگی تھی۔ اس کے دل میں ہمیشہ خود کے لئے احساس کمتری ہوتی تھی' شروع سے اب تک اور اسے کبھی اس نے ختم کرنے کی کوشش نہ کی۔

☆

''پلیز اب رونا بند کرو اور مجھے بتاؤ کہ بات کیا ہے......؟'' تیسری بار اس نے ایشاع کی طرف ٹشو بڑھاتے ہوئے اضطرابی کیفیت میں کہا' اس نے ٹشو آنکھوں پر رکھ کر آنسو اس میں جذب کئے وہ بے چینی سے اس کے جواب کا منتظر تھا۔

''میرے ابو چاہتے ہیں کہ میری شادی ہو ان کے کسی دوست کے بیٹے سے''۔ سسکتے ہوئے اس نے بتایا' وجدان ٹھٹک گیا' اگلے ہی پل اس نے خود کو سنبھالا' دھیمے اور نرم لہجے میں ...... مخاطب ہوا۔

''اس میں بھی بھلا کوئی پریشانی والی بات ہے جو تم اتنا رو رہی ہو' اور اپنے قیمتی آنسو ضائع کر رہی ہو''۔ وجدان نے گہرا سانس لیا اس کی شادی کا سن کر اسے برا ضرور لگا تھا' مگر اس نے ظاہر ہونے نہیں دیا۔

''میں ابھی پڑھنا چاہتی ہوں' مجھے ابھی شادی نہیں کرنی''۔ وہ منمنائی۔

''تمہاری امی کیا چاہتی ہیں......؟'' کچھ سوچتے ہوئے اس نے ایشاع کے شفاف چہرے کو بغور دیکھ کر استفسار کیا۔

''وہ بھی فی الحال میری شادی نہیں چاہتیں''۔ وجدان طمانیت سے مسکرا دیا۔

''اگر تمہاری امی نہیں چاہتیں تو پھر یہ شادی ہو ہی نہیں سکتی''۔ وہ تمسخرانہ بولا' وہ آفس سے گھر کے لئے ہی جا رہا تھا کہ ایشاع کا فون آ گیا تھا' اس کا پریشان کن لہجہ وجدان کو بھی پریشان کر گیا تھا' وہ سب کچھ بھلائے اس کے پاس چلا آیا' وہ دونوں جب بھی ملتے تھے اسی ریسٹورنٹ میں ملتے تھے' اس نے ایک دن پہلے ایشاع کے لئے گفٹ لیا تھا جب ہی کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ دیا تھا تا کہ آفس میں جا کر وہ رکھے اور جب ایشاع سے ملاقات ہو تو وہ اسے دے' وہ گھر پر ایشاع کو دینے والی کوئی بھی چیز نہیں رکھتا تھا' اس عجلت میں وہ گفٹ بھی ساتھ لے آیا۔

''ارے دیکھو میں تو بھول ہی گیا' میں تمہارے لئے گفٹ لایا ہوں''۔ وہ ماتھے پر چپت لگاتے ہوئے بولا' پھر اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک ڈبی نکالی اور پھر اس میں سے گولڈ کی نفیس مگر انتہائی خوبصورت رنگ نکالی' اسے دیکھتے ہی ایشاع کی آنکھیں چمک اٹھیں' وہ کچھ دیر پہلے والی ٹینشن کو بھول چکی تھی۔

''کیسی لگی......؟'' آنکھوں میں خوشی کی چمک لئے وہ پوچھ رہا تھا۔

''ویری نائس...... تم خود ہی اسے پہنا دو''۔ اس نے اپنا گداز ہاتھ اس کے آگے کیا' وجدان نے بلا جھجک اس کے ہاتھ کی چوتھی انگلی میں رنگ پہنا دی' وہ رنگ اس کے ہاتھ کی شان بڑھا رہی تھی' وجدان نے دل ہی دل میں اسے سراہا۔

''وجی! تم سب سے زیادہ اچھے ہو' تمہارے جیسا کوئی نہیں ہے''۔ ایشاع اس کے دونوں ہاتھ تھام کر بے حد خوشی سے بول رہی تھی' اس کا یہ انداز وجدان کو عجیب سچویشن میں مبتلا کر دیتا تھا۔

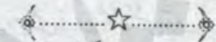
"پریشان نہ ہوا کرو' بس یونہی خوش رہا کرو"۔ بے اختیار اس نے اپنا ہاتھ ایشاع کے دائیں کندھے پر رکھ کر کہا۔

"میں نے تمہیں بہت بار کہا ہے کہ تم خود کو زرا زرا سی بات پر پریشان مت کیا کرو کچھ بھی نہیں ہوگا"۔ وجدان اسے ہر طرح سے خوش دیکھنا چاہتا تھا' ایشاع نے اثبات میں سر ہلایا۔

جب بھی وہ ایشاع کے ساتھ ہوتا وہ ہر چیز کو بھول جاتا' وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا' اس وقت بھی اسے ایشاع کے ساتھ دس بج گئے تھے' ایشاع کو ریلیکس دیکھ کر وہ خود بھی فریش ہو گیا تھا' لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ خوشی مصنوعی ہے جو وہ دیکھ رہا ہے جس کا وہ اتنا خیال رکھ رہا ہے وہ سب بظاہر ہے' وہ ایشاع کی پریشانی میں اپنے بچوں کو فراموش کر گیا' تقریباً سوا دس بجے وہ گھر پہنچا' مہرو پریشانی سے اس کا انتظار کر رہی تھی' لیکن اس کی پریشانی سے تو وجدان کو کوئی سروکار نہیں تھا' عمار اپنا فیورٹ ڈریس پہنے اپنے روم میں اوندھے منہ سو رہا تھا' اور کائنات اسی کے روم میں بیڈ پر اس کی جگہ پر گہری نیند سو رہی تھی' یاد آنے پر اس نے اپنا سر تھام لیا' وہ یکسر اپنے بچوں کو بھول گیا تھا' کیوں وہ دھیرے دھیرے اپنی بچوں سے غافل ہوتا جا رہا تھا' کیوں وہ لاتعلق بنتا جا رہا تھا' اسے خود پر شدید غصہ آ رہا تھا' وہ کسی طرح بھی بچوں سے دستبرداری نہیں کر سکتا تھا۔

"آپ کا انتظار کرتے کرتے ہی سو گئے"۔ مہرالنساء نے سپاٹ لہجے میں بتایا' ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا' غصے اور ناراضی کی رمق مہرو کے چہرے پر بھی نظر آ رہی تھی' وہ کچھ کہے بغیر واش روم چلا گیا' وہ چینج کر کے آیا تو وہ کچن کی طرف جا رہی تھی' یقیناً وہ اسی کا کھانا گرم کرنے جا رہی تھی۔

"مجھے بھوک نہیں"۔ طویل سانس لے کر اس نے مہرو کو جانے سے روکا' وہ واپس آ کر اپنی جگہ پر آ ٹھہری۔ وجدان کائنات کو بانہوں میں لے کر اس کے روم میں لٹا آیا اور خود لائٹس آف کر کے اپنی جگہ آ کر لیٹ گیا' مہرو کو اس وقت بہت دکھ ہوا تھا' اس کا سرد رویہ اس کے ساتھ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا' اس نے ایک بار بھی مہرو سے یہ نہیں پوچھا کہ اس نے کھانا کھایا بھی یا نہیں۔ وہ سب سے محبت کرتا تھا مگر اس کے ساتھ اتنا روکھا کیوں تھا......؟ وہ گہری نیند کی آغوش میں جا سویا تھا' وہ بہت دیر تک جاگتی رہی۔



اگلے روز چونکہ سنڈے تھا' کسلمندی سے وہ اٹھ بیٹھا' بچے پہلے ہی اٹھ چکے تھے' جمائیوں کو روکتے ہوئے اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر متلاشی نظریں گھمائیں' اسے اٹھتا دیکھ کر بچے اس کے پاس دوڑتے ہوئے نہیں آئے بلکہ ڈائننگ ٹیبل پر ہی بیٹھے رہے' اس کا مطلب وہ رات والی بات بھولے نہیں تھے' وجدان کو بے اختیار ان پر پیار آیا' کائنات کے ساتھ والی چیئر گھسیٹ کر وہ اس پر بیٹھا۔

"گڈ مارننگ"۔ ان دونوں کو اس کی موجودگی پر بھی خاموشی سے بیٹھے دیکھ کر وہ کائنات کے خفا چہرے پر جھکا' اس نے رخ موڑ لیا۔ صمد گھٹنوں کے بل چلتا ہوا اس کے پاس آیا' وجدان نے اس کو اٹھا کر گود میں بٹھا لیا۔

"سوری......" اس نے دونوں ہاتھ کانوں کو لگائے۔

"وعدہ کر کے مکرنا بہت بری بات ہوتی ہے"۔ عمار نے اسے یاد دلایا۔

"اب معاف کر دو نا"۔ اسے کسی طور پر بچوں کی ناراضی منظور نہیں تھی' ناشتہ تیار تھا' مہرو ٹیبل پر ناشتہ لگا رہی تھی۔

"ماما! انہیں کہہ دیجئے ہمیں ان سے بات نہیں کرنی"۔ کائنات نے مہرو کو مخاطب کیا' جواب میں وہ مسکرائی' وجدان اپنی جان سے بھی پیاری بیٹی کی ناراضی پر شرمندہ بھی ہو رہا تھا' بلاشبہ وہ اپنے تینوں بچوں کو بہت پیار کرتا تھا' لیکن کائنات اس کے زیادہ قریب تھی' شاید اس لئے کہ وہ اس کی پہلی اولاد تھی' اس لئے وہ اس پر زیادہ توجہ دیتا تھا۔

"کائنات کی ماما! ان سے بھی کہہ دیجئے کہ میں ان سے بات کرتا رہوں گا"۔ مہرو کو صمد کو پکڑاتے ہوئے اس نے بھی کائنات کو تنگ کرنے کے لئے کہا' مہرو' عمار کو ناشتہ کروا رہی تھی' وجدان نے نوالہ بنا کر کائنات کی طرف بڑھایا' وہ روزانہ اسے اپنے ہاتھوں سے ناشتہ کرواتا تھا۔

"ماما! ان سے کہہ دیجئے کہ اب میں بڑی ہو گئی ہوں"۔ وہ گہرا رعب جھاڑ کر بولی۔

"کائنات کی ماما! آپ ان سے بھی کہہ دیجئے کہ میں بھی کچھ نہیں کھاؤں گا"۔ وہ منہ بنا کر سینے پر دونوں بازو لپیٹ کر بیٹھ گیا۔ کائنات کو اس پر ترس آ گیا' اس نے چھوٹا سا نوالہ بنا کر وجدان کی طرف بڑھایا۔

"ناراضی ختم......؟" وہ مشکوک ہوا۔

"جی ہاں"۔ اظہار کے ساتھ سختی بھی تھی' وجدان نے اس کا ننھا سا ہاتھ پکڑ کر نوالہ اپنے منہ میں رکھا۔

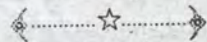
"مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا کرو"۔ عمار اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا وجدان نے اسے اپنی گود میں بٹھایا۔

"پکا اب ایسا کچھ نہیں ہوگا' ہم آج شام ہی باہر جائیں گے اور خوب مستی کریں گے"۔ اس نے عمار کے ہاتھ پر تالی لگاتے ہوئے جوش میں کہا۔

"پاپا! کل ہم آپ کا انتظار کرتے کرتے ایسے ہی سو گئے تھے' ہم نے تو کھانا بھی نہیں کھایا تھا"۔ یاد آنے پر کائنات نے بتایا' وجدان نے مہرو کو گھورا' وہ اس کے گھورنے کی وجہ جان کر جلدی سے وضاحت دینے لگی۔

"میں نے بہت کہا لیکن بچے بضد تھے کہ کھانا پاپا کے ساتھ کھائیں گے' مجھے بھی ان کی فکر ہے مجھے بھی ان کی صحت کا خیال ہے"۔ اس کی وضاحت پر وجدان نے گہری سانس لے کر نگاہیں پھیر لیں۔

"کھانا تو میں نے بھی نہیں کھایا تھا وجدان! میں تو اس وقت جاگ بھی رہی تھی مگر آپ نے ایک بار بھی مجھ سے نہیں پوچھا"۔ یہ چاہ کر بھی وہ ہونٹوں پر نہ لا سکی' دل ہی میں اس سے شکوہ کناں ہوئی۔ بچے تو بچے ہوتے ہیں' صحیح غلط کی انہیں تمیز نہیں ہوتی' وہ نادان تھے' انہوں نے وجدان کو معاف کر دیا' لیکن خود کو وہ معاف نہیں کر پا رہا تھا' عجیب بے چینی تھی وہ اندر سے گلٹی فیل کر رہا تھا' اس نے خود سے عہد کر لیا تھا کہ وہ اب ایسی غلطی نہیں دہرائے گا۔ اس شام اس نے تمام کام اور مصروفیات پس پشت ڈال کر بچوں کے ساتھ وقت گزارا' سب نے مل کر بہت انجوائے کیا' وجدان نے تینوں بچوں کی خوب تصویریں بنائیں اور ان خوبصورت یادوں اور لمحوں کو کیمرہ میں قید کر لیا۔



وجدان اسے ریسٹورنٹ کے باہر ہی چھوڑ کر چلا گیا' ایشاع کی فرینڈز اس کا انتظار کر رہی تھیں' وجدان کے جاتے ہی اسے گھیر لیا۔

"ایشاع! یہ تو بہت ہینڈسم تھا یار"۔ روبی نے دل کھول کر وجدان کی تعریف کی' ایشاع کی گردن اور اکڑ گئی۔

"ایشاع! ایسے ہی لڑکوں کو لفٹ کرواتی ہے"۔ وہ اپنے سن گلاسز آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے ایک ادا سے بولی۔

"کہیں سے بھی نہیں لگتا کہ یہ تین بچوں کا باپ ہے"۔ نینا دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر اس کے کارناموں پر رشک کر رہی تھی' سحر خاموش تھی اور اس وقت کو کوس رہی تھی کہ وہ نینا اور روبی کے کہنے پر ان کے ساتھ یہاں آئی' اب وہ چاروں فٹ پاتھ پر چل رہی تھیں۔

"ویسے تم تو وہ نوجوان بھی نہیں تھا جو تمہیں کل ڈراپ کرنے آیا تھا"۔ نینا کو یکدم یاد آیا۔

"وہ زین ہے میرے پاپا کے دور کے کزن کا بیٹا وہ بھی دوسرے لڑکوں کی طرح مجھ پر لٹو ہو گیا"۔ سحر کو اس کی گھٹیا باتوں پر بہت غصہ آ رہا تھا' نینا اور روبی پر بھی جو اسے سمجھانے کے بجائے سراہ رہی تھیں جیسے اسے کوئی ایوارڈ مل رہا ہو۔

"یہ سب ٹھیک نہیں ہے"۔ اس نے ان تینوں کو ٹوکا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اوہ...... شٹ اپ...... تم کیا مجھ سے زیادہ سمجھ رکھتی ہو' کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط یہ میں اچھی طرح سے جانتی ہوں''۔ رک کر اس نے تیکھے لہجے میں ہتک آمیز گھورا۔ وہ خاموش ہو کر دوبارہ چلنے لگی۔

''آج اس نے کیا گفٹ دیا......؟'' روبی کو تجسس ہوا۔

''آج تو کوئی گفٹ نہیں دیا لیکن آج کافی سارے پیسے دیئے''۔

''وہ کس لئے......؟'' نینا سمجھی نہیں۔

''اس نے کہا...... یہ پیسے رکھ لو' تمہارے کام آئیں گے''۔ وہ ٹھہر کر وجدان والے انداز میں بولی' نینا اور روبی زور زور سے ہنسنے لگیں' سحر دل ہی دل میں ان پر کڑتی رہی' اسے وجدان جیسے مردوں پر بھی غصہ آیا۔

''تم نے اس بے چارے کو اپنی اسٹوری ہی ایسی بتائی ہے' ویسے مجھے اسے پریشان کرنا بہت اچھا لگتا ہے' اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات مجھے بہت پسند ہیں' اسی لئے آئے دن میں کسی نہ کسی بات پر اسے پریشان کرتی رہتی ہوں اور وہ بے چارہ مجھے تسلیاں دیتا رہتا ہے''۔ روڈ کے دونوں سائیڈ دیکھ کر ان چاروں نے روڈ پار کیا۔ ایشاع اندر سے اتنی کالی تھی اس کی اصلی شکل اتنی بھیانک تھی' یہ سحر کو آج معلوم ہوا تھا۔

''تم کمال کی ایکٹر ہو ڈیئر! تمہیں تو کسی فلم کی سپر ہٹ ہیروئن ہونا چاہئے''۔ روبی نے نینا کے ہاتھ پر تالی مارتے ہوئے اسے داد دی۔ جانے ان کا کیا لالچ تھا کہ وہ دونوں اس کے آگے پیچھے چمچیاں بنی پھرتی تھیں۔

''اس طریقے سے گفٹ لینے کا کیا فائدہ......؟ اس سے تو اچھا ہے کہ تم کسی سے شرعی رشتہ جوڑ کر اس سے گفٹ اور اس کی توجہ حاصل کرو''۔ سحر کہے بنا نہ رہ سکی' ایشاع کا خون کھول اٹھا' وہ چاروں بس اسٹاپ پر کھڑی تھیں۔

''دوسروں کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کی تمہاری عادت ہے کیا......؟ میری مرضی میں جو بھی کروں' تمہیں کرنے کو تو نہیں بول رہی نا' مجھے نصیحتیں پسند نہیں ہیں' اگر ہمارے ساتھ رہنا ہے تو منہ بند کر کے رہو ورنہ اپنا راستہ ناپو''۔ وہ پوری طرح اس کی طرف مڑ کر کاٹ دار لہجے میں بولی' نینا اور روبی کے چہرے پر بھی سحر کے لئے ناگواریت کے تاثرات تھے' سحر کو اس وقت ایشاع سے نفرت محسوس ہوئی تھی' اس وقت تو وہ خاموش رہی' لیکن دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ اب وہ کبھی بھی ایشاع یا اس کی فرینڈز یا ایشاع جیسی کسی بھی لڑکی سے بات نہیں کرے گی' کیونکہ جب کیچڑ اچھلتا ہے تو اس کے ساتھ کھڑے باقیوں پر بھی چھینٹیں لگتی ہیں۔

''ایشاع! تمہیں بس میں جانے کی کیا ضرورت ہے تم کسی کو بھی ایک کال کر لو ایک سے ایک گاڑی کی یہاں لائن لگ جائے گی''۔ نینا نے اسے کہنی مارتے ہوئے مفت مشورہ دیا' یہ سچ تھا کہ ایشاع بہت خوبصورت تھی' لیکن یہ اس کا ظاہری حسن تھا' جتنی وہ اوپر سے خوبصورت تھی اتنی ہی اندر سے بدصورت تھی۔

''آج میں بھی تم لوگوں کے ساتھ بس میں جاؤں گی''۔ سن گلاسز آنکھوں پر لگاتے ہوئے اس نے سر جھٹک کر جواب دیا۔

☆

بچوں کے اسکول سے آنے میں ایک گھنٹہ رہ گیا تھا' صمد بھی نیند سے بیدار ہو چکا تھا' اسے فیڈر بنا کر دیا' کھانا پک کر تیار ہو چکا تھا' صبح ہی افشین نے اسے بینک ساتھ چلنے کا کہا تھا اور وہ انکار نہیں کر سکی تھی' وجدان سے پوچھے بغیر ہی اس نے افشین کو ہاں کر دیا یہ سوچ کر کہ وہ رات کو وجدان کو بتا دے گی' وجدان کی روک ٹوک کرنے والی نیچر نہیں تھی' اس لئے اسے یہ فیصلہ کرنے میں زیادہ جھجک نہیں ہوئی۔ افشین اس کے سامنے کھڑی تھی فریش اور نکھری نکھری۔ افشین کو دیکھ کر اسے اپنے حلیئے پر شرمندگی ہوئی' وہ خود پر توجہ بالکل نہیں دیتی تھی' خود کو سنوارتی بھی کیسے' جب اسے سراہنے والا ہی نہ تھا' خواہشیں دل میں ہی معدوم ہو گئی تھیں۔

''آپ اندر آ جائیں میں چینج کر کے آتی ہوں''۔ اس نے پورا دروازہ کھول کر اسے راستہ دیا۔ وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی جب تک وہ چینج کرنے گئی افشین' صمد سے باتیں کرتی رہی اور صمد ہاتھ پاؤں تیزی سے چلاتا ہوا اس کے بات کرنے سے خوشی کا اظہار کر رہا تھا' مہرو بلیو سوٹ میں ملبوس بالوں کی سادہ چوٹی بنائے اور بلیک چادر اوڑھے افشین کے ساتھ چل دی۔

افشین بہت فرینڈلی تھی' اس سے باتیں کر کے خود مہرو کو بھی بہت اچھا لگتا تھا' بینک میں زیادہ ٹائم نہیں لگا' بینک سے واپس نکل کر وہ گھر کے لئے نکل رہی تھیں کہ مہرو نے وجدان کی گاڑی میں ایک خوبصورت لڑکی کو فرنٹ سیٹ پر بیٹھے پایا چند لمحے وہ ساکت رہ گئی' وہ دونوں گاڑی سے اتر کر ریسٹورنٹ جا رہے تھے وہ دونوں اتنے خوش اور ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف تھے کہ کوئی بھی انہیں ہسبینڈ وائف سمجھتا۔

''مہرالنساء چلیں......؟'' افشین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا' وہ چونکی۔

''ہاں...... وہ...... میرا مطلب چلو اس ریسٹورنٹ چلتے ہیں''۔ ہکلا کر اس نے بات پوری کی۔

''چلو یہ بھی ٹھیک ہے' اب آئے ہیں تو کچھ کھا پی بھی لیتے ہیں' ویسے بھی ابھی بچوں کے اسکول سے واپس آنے میں کافی ٹائم باقی ہے''۔ اسے مہرو کا آئیڈیا پسند آیا' لیکن وہ اس کی اصل بات سے بے خبر تھی' کوئی بھی عورت ہو وہ اپنے شوہر کو کسی دوسری عورت کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتی' مہرو کی فیلنگز بھی ویسی ہی تھیں' بھلے وجدان نے اسے کبھی اہمیت نہ دی ہو' مگر پھر بھی وہ اس کا شوہر تھا' اس کے بچوں کا باپ اور اس کا ہم سفر تھا' وہ لڑکی کون ہے......؟ یہ جاننے کے لئے وہ بے چین تھی۔

وجدان اس لڑکی کے ساتھ عقب میں بیٹھا تھا' افشین اور مہرو اسی صف میں آخری والی ٹیبل پر بیٹھی تھیں' افشین کی وجدان کی طرف پشت تھی' اس لئے وہ وجدان کو نہیں دیکھ سکتی تھی' ادھر مہرو بھی نہیں چاہتی تھی کہ افشین' وجدان کو دیکھے' جبکہ مہرو اسے واضح طور پر دیکھ سکتی تھی' وجدان' ایشاع کے ساتھ اتنا مگن تھا کہ آس پاس دیکھنے کی بھی اس کے پاس فرصت نہیں تھی' مہرو کی آنکھیں جھلملائیں' افشین جانے کیا کیا باتیں کر رہی تھی' مہرو کی پوری توجہ وجدان کی طرف تھی' وجدان اس سے اتنا بے تکلف تھا کہ مہرو کا دماغ سن ہوتا جا رہا تھا' کبھی اس کے ساتھ ہنس دیتا تو کبھی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتا' اس کے چہرے پر اس وقت جو خوشی تھی وہ مہرو نے کبھی نہیں دیکھی تھی' اس سے مزید نہیں دیکھا جا رہا تھا وہ کھڑی ہو گئی۔

☆

جب سے وجدان کو اس ریسٹورنٹ میں اس لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا' اسے چین نہیں آ رہا تھا' دل کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا' وہ حسرت سے سوچ رہی تھی کہ کاش اس نے وہ سب نہ دیکھا ہوتا کم از کم اتنی اذیت تو نہ ہوتی' کیا وجدان کی بے رخی کا سبب وہ لڑکی تھی......؟ عمار اور کائنات دونوں آپس میں چینل پر بحث کر رہے تھے' کائنات روہانسی ہو گئی۔ وجدان کچن میں پانی پینے گیا تھا' مہرو دونوں کی بحث سن رہی تھی' کڑی نگاہوں سے دونوں کو دیکھا' وہ دونوں باز ہی نہیں آ رہے تھے' وہ پہلے ہی پریشان تھی' غصے سے اٹھ کر اس نے عمار کے نرم گال پر تھپڑ مارا۔

''تم دونوں کو ذرا بھی تمیز نہیں رہی' دن بدن سر پر چڑھتے جا رہے ہو''۔ اس کی آواز اتنی اونچی تھی کہ وجدان بھاگتا ہوا بچوں کے روم میں آیا' عمار گال پر ہاتھ رکھے بے آواز سسک کر رو رہا تھا' کائنات ماں سے تھوڑا کھسک کر سہمی ہوئی تھی' وجدان نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عمار کو خود سے لگا لیا۔

''تمہیں شرم نہیں آتی' پھول سے بچے پر ہاتھ اٹھایا''۔ اس نے پہلی بار مہرو کو بچوں کے ساتھ اونچی آواز میں بات کرتے سنا تھا' ان پر ہاتھ اٹھانا تو دور کی بات تھی' اسے حیرت بھی تھی اور اس پر غصہ بھی آ رہا تھا۔

''دوسروں کو شرم دلانے سے پہلے خود کے گریبان میں جھانک لینا چاہئے''۔ اس کا جواب اتنا دوٹوک تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ وہ دم سادھے اسے دیکھتا رہ گیا‘ وہ اپنے روم میں چلی آئی‘ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر خود پر لعن طعن کر رہی تھی‘ وہ بہت دیر بعد بچوں کو سلا کر روم میں آیا‘ وہ روم میں نیم اندھیرا کئے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے سوچوں میں گم تھی‘ وجدان نے لائٹس آن کیں‘ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا‘ مہرو نے اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔

”عمار نے اتنی بڑی غلطی تو نہیں کی تھی کہ تم نے اس پر ہاتھ اٹھایا‘ تم نے پہلے کبھی تو ایسا نہیں کیا‘ بچے ڈانٹ یا تشدد کرنے سے نہیں سدھرتے بلکہ الٹا اور بگڑ جاتے ہیں“۔ وہ تلخی سے بولا۔ مہرو نے سرخ آنکھیں اور بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”اور جو آپ غلطی کر رہے ہیں‘ اس غلطی کی کیا سزا ہونی چاہئے......؟“ بلا جھجک وہ دانت پیس کر بولی۔

”میں نے کیا کیا......؟“ وہ ڈھٹائی سے بولا۔

”بیوی اور بچوں کے ہونے کے باوجود آپ دوسری لڑکی کے ساتھ ریسٹورنٹ میں کیا کر رہے تھے......؟“ پہلے سے اس کی آواز اونچی تھی‘ وجدان پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا‘ اس نے یہ کب سوچا تھا کہ مہرو کو کبھی اس بارے میں معلوم بھی ہوگا۔

”یہ کیا بکواس کر رہی ہو......؟“ خود کا لہجہ دھیما کرتے ہوئے بولا وہ پھٹ پڑی۔

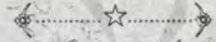
”کیا میں اتنی بری ہوں‘ کیا کبھی میں نے آپ سے شکایت کی ہے جو آپ نے ایسا کیا‘ میں نے زندگی کے یہ دس سال آپ کے ساتھ بے وجہ گزار لئے‘ مجھے کبھی نہیں چاہا‘ مجھے کبھی اپنائیت اور اہمیت نہیں دی‘ تو اس کا مطلب اس سب کی وجہ وہ لڑکی ہے‘ جب میں پسند نہیں تھی تو میری زندگی کیوں برباد کی......؟ بتاؤ وہ کون ہے......؟ وہ کیا لگتی ہے......؟ آپ اس سے اتنا بے تکلف کیوں تھے......؟ صرف اس لئے کہ وہ خوبصورت ہے......؟ بچوں اور گھر کے لئے آپ کے پاس ٹائم نہیں ہوتا اور لڑکیوں کو آپ دن میں آفس کے ٹائم میں بھی گھمانے جا رہے ہیں آخر کیوں......؟“ اس کی آواز رندھ گئی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”میں تمہارے سوالوں کے جواب دینے کا پابند نہیں ہوں‘ اگر تمہیں یہاں تکلیف ہے تو تم یہاں سے جا سکتی ہو“۔

”اچھا...... تو اب آپ کو میری موجودگی بھی پسند نہیں ہے ٹھیک ہے مگر مجھے میرے سوالوں کے جواب دیں“۔ وہ ٹوٹ گئی تھی۔

”اپنی یہ بے تکی باتیں بند کرو اور مجھے سونے دو“۔

اس نے اٹھ کر لائٹس آف کر دیں اور آخر اپنی جگہ پر لیٹ گیا‘ اسے مہرو کی باتیں بے تکی لگ رہی تھیں‘ اسے ذرا سی بھی شرمندگی محسوس نہیں ہوئی تھی کہ اس پر کیا گزر رہی تھی‘ اسے اس کے حال پر روتا ہوا چھوڑ کر خود گہری نیند سو گیا‘ وہ خود سے جنگ کرتی ہوئی آنکھوں پر بازو رکھے اپنی قسمت پر رو رہی تھی رات کے کسی پہر اٹھ کر بچوں کے روم میں چلی آئی‘ اس نے وجدان کا سارا غصہ عمار پر اتارا تھا‘ اس لئے وہ بہت شرمندہ تھی اس نے بے خبر سوتے ہوئے عمار کو خود سے لگا لیا۔



صبح وہ ناشتہ کئے بغیر ہی چلا گیا‘ مہرو نے بھی اس سے نہیں پوچھا‘ آفس میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا‘ مہرو کے سوال‘ اس کا لہجہ‘ اس کی باتیں اس کے آنسو‘ وجدان کو ڈسٹرب کر رہے تھے‘ آفس سے آف کر کے وہ ایشاع کو کالج سے ڈراپ کرنے چلا آیا‘ وہ ایک ہی تو تھی جو اس سے باتیں کر کے اسے تسلی دے کر اس کو سکون بخش سکتی تھی‘ کالج کی چھٹی ہو چکی تھی‘ وہ کار سے ٹیک لگائے گیٹ کی جانب منتظر نگاہوں سے دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کا انتظار ختم ہوا۔ وہ باہر نکل کر کسی اور طرف چل دی۔ وجدان بھی اس کی طرف لپکا‘ وہ ایک لڑکے سے جو دکھنے میں بہت ڈیشنگ تھا‘ اس سے باتیں کر رہی تھی‘ پھر لڑکے نے فرنٹ ڈور کھول کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا‘ وجدان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا‘ وجدان بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا ان کے پاس پہنچا‘ اسے اچانک سامنے دیکھ کر

ایشاع گڑبڑا اٹھی۔ وہ کبھی بھی بتائے بغیر کالج نہیں آیا تھا‘ اس کے ماتھے سے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

”ایشاع! یہ کون ہے......؟“ نرم لہجے میں پوچھا۔

”وہ...... یہ...... یہ زین ہے“۔ وہ ہکلا کر بولی۔ اس نے کبھی کسی زین کا ذکر نہیں کیا تھا۔

”ایشاع! یہ کون ہے......؟“ زین نے بھی سیم سوال کیا‘ لیکن اس کا لہجہ مسکراتا ہوا تھا۔

”زین! یہ بھائی کے دوست وجدان ہیں“۔ وجدان کو اس کے جھوٹ بولنے پر حیرت ہوئی‘ لیکن اس کی مجبوری جان کر جھٹک دیا۔

”اوہ...... آپ سے مل کر اچھا لگا“۔ وہ بے تکلفی سے وجدان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”تم اس کے ساتھ کہاں جا رہی تھیں......؟“

”کہاں جا رہی تھی سے کیا مطلب یار......؟ آف کورس میں اسے گھر لے کر جا رہا ہوں‘ آپ کو یہ تو معلوم ہوگا کہ اس کے لیٹ ہو جانے پر اس کے مما‘ پاپا کتنے پریشان ہو جاتے ہیں“۔

”تم اس کے کیا لگتے ہو......؟“ وجدان الجھتا جا رہا تھا۔

”میں اس کا کزن ہوں اور ہونے والا فیانسی اور جلد ہسبینڈ بھی بن جاؤں گا“۔ آخری جملے پر وہ شوخ ہوا۔

”کیا......؟“ وہ مشکوک نگاہوں سے دونوں کو یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

”ہاں بھائی! میں اس کے پاپا کے دور کے کزن کا بیٹا ہوں“۔ زین بہت کھلی نیچر کا مالک تھا اور دل کا بھی بہت اچھا تھا۔

”اچھا تو یہ وہی ہے جس کا تم نے ذکر کیا تھا‘ لیکن اسے کیسے پتا چلا کہ تم کالج میں پڑھتی ہو‘ وہ بھی اس کالج میں......؟ دوسروں کی نظروں میں تو تم جاب کرتی ہو نا اور زین کی تمہارے ساتھ عنقریب منگنی ہونے والی تھی یہ بھی تم نے نہیں بتایا“۔

”یہ کیا بول رہے ہو......؟“ زین کو اس کی باتیں عجیب لگیں‘ ایشاع ششدر کھڑی تھی وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

”اس کالج میں اس کے پاپا نے ہی اس کا ایڈمیشن کروایا تھا‘ اس کے مما‘ پاپا کی بہت خواہش ہے کہ یہ بہت زیادہ پڑھے“۔

”لیکن اس کی سوتیلی امی تو اس کی پڑھائی کے خلاف تھیں‘ وہ تو چاہتی تھیں کہ یہ جاب کرے“۔ وجدان بھی اپنے ہر سوال کا جواب چاہتا تھا۔

”اف گاڈ...... یہ کیا بول رہے ہو‘ آپ کو ضرور کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے‘ اس کے ماں اور باپ دونوں سگے ہیں اور اسے بہت چاہتے ہیں‘ اسے پھولوں کی طرح رکھا ہوا ہے‘ میں نے بھی کچھ مہینے پہلے اسے دیکھا تھا‘ ظاہری خوبصورتی کو چاہنے والوں میں سے‘ میں نہیں ہوں‘ ایشاع کا انداز گفتگو اتنا اچھا تھا کہ میں نے بھی اقرار کر لیا‘ اس رشتے سے ہم دونوں کی فیملیز خوش ہیں“۔ زین نے اس پر ایک اور انکشاف کیا۔ ایشاع زمین پر نظریں گاڑھے شرمندہ سی کھڑی تھی‘ وجدان دم بخود تھا۔

”اس کا مطلب تم مجھ سے جو بھی بولتی رہیں وہ سب جھوٹ تھا‘ میں تمہاری جھوٹی باتوں سے بے وقوف بنتا رہا‘ تمہیں ذرا سی بھی شرم نہیں آئی خود کی ماں کو سوتیلا بتاتے ہوئے۔ ایشاع تم بہت گری ہوئی ہو‘ تم نے زندگی کو مذاق سمجھ رکھا ہے کہ کبھی بھی تم کسی کے بھی جذبات سے کھیل لو گی‘ تم نے اور بھی نا جانے کتنے مجھ سے جھوٹ بولے ہوں گے اور میں خوامخواہ پریشان ہوتا رہا تھا‘ میں ہر کسی کو نظر انداز کر کے تمہیں اہمیت دیتا رہا کہ تم ایک مظلوم لڑکی ہو‘ تمہیں خوشیاں دینے کی کوششیں کرتا رہا‘ مجھے آج خود سے نفرت محسوس ہو رہی ہے‘ کل میں تھا‘ آج زین ہے‘ اور آگے جانے کتنے ہوں گے جن سے تم ٹائم پاس کرو گی۔ گنٹ بؤرتی رہو گی‘ میں اپنی فیملی کو دھوکا دیتا رہا‘ واقعی میں ظاہری حسن اہمیت نہیں رکھتا‘ شکر ہے کہ آج میری آنکھیں کھل گئیں‘ کم از کم میرے پاس ابھی بھی وقت ہے کہ میں غلطیوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی تلافی کر کے صحیح راستہ اختیار کر سکوں' تم جیسی لڑکی کبھی بھی کسی کا بھی گھر نہیں بسا سکتی' ابھی یہ سب تمہارے لئے لطف اندوز ہوگا لیکن ایک دن جب تم خالی ہاتھ رہ جاؤ گی' جب تمہارا ضمیر تمہیں دھتکارے گا' تب تمہیں احساس ہوگا اور تب تمہارے پاس کچھ نہیں ہوگا' تم نے جانے کتنے لوگوں کے گھر برباد کئے ہوں گے' تم ہی جیسی لڑکیاں ہیں جو معاشرے کو بگاڑ رہی ہیں''۔ وہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا' ایشاع کا دل چاہا یہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

''ویری سوری''۔ وہ جھٹکے سے بولی' کہ وہ رو بھی رہی تھی' اس کا جھکا سر یہ ثابت کر رہا تھا کہ وجدان ٹھیک بول رہا ہے' وہ واقعی میں اس کی مجرم ہے۔

''اب کوئی فائدہ نہیں ہے اس کا' وجدان سنبھل گیا ہے' ہو سکے تو تم بھی اس سے دور رہنا''۔ وجدان اس پر غضیلی نگاہ ڈال کر زین سے مخاطب ہوا۔ زین کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئی تھیں' وہ بے یقینی سے ایشاع کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا یہ سچ ہے......؟'' وجدان جا چکا تھا اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

''ہاں......'' اس کے پاس اب اور جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں تھی۔

''اتنا بھولا چہرہ رکھنے والی لڑکی کا دل اتنا کالا ہوگا کبھی میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ تمہیں پا کر میں خود کو خوش قسمت سمجھ رہا تھا لیکن اصل میں وہ میری بدقسمتی تھی' اچھی قسمت تو اب نکلی کہ مجھے وقت پر تمہاری حقیقت معلوم ہو گئی' ورنہ تمہارا کیا بھروسہ' شادی کے بعد بھی تم مجھے دھوکا دو' آج میں تمہیں ٹھکرا کر جا رہا ہوں کیونکہ تم اسی لائق ہو''۔ زین نفرت سے کہتا ہوا گاڑی میں بیٹھا اور زن سے گاڑی اڑا لے گیا۔

ہمارا معاشرہ ایسی ہی خرابیوں میں مبتلا ہوتا جا رہا ہے' خدا نے ہر انسان کو سمجھ دی ہے' پھر اس سمجھ کا ہر کوئی استعمال کیوں نہیں کرتا؟ کیوں وہ سچائی کو بھلا کر غلط راہ اختیار کرتے ہیں؟ یہ سوال تو بہت دور ہیں' یہ صرف ادا ہی کئے جاتے ہیں' ان پر عمل پیرا بہت ہی کم ہوا جاتا تھا' آج کل ہمارے معاشرے میں بہت دیکھنے میں آ رہا ہے جنہوں نے محض زندگی اور اس کے جذبات کو انجوائے منٹ کا نام دے رکھا ہے' اس میں یک طرفہ کا قصور نہیں ہوتا' اس میں ان کا بھی قصور ہے جو ان کا ساتھ دیتے ہیں' ان کی اصل شکل پہچان نہیں پاتے' اگر پہچان بھی جاتے ہیں تو نظر انداز کر دیتے ہیں' ان میں سے ایک وجدان بھی تھا جو بہک گیا تھا' اس کی سوچ متاثر ہو گئی تھی' اس کی سوچ بدل گئی' اس نے زندگی کا بہت بڑا سبق حاصل کیا تھا' انسان غلطیاں کر کے ہی سیکھتا ہے۔

☆

وہ گڈمڈ ہوتے دماغ کے ساتھ گھر پہنچا' لیکن خالی گھر اس کا انتظار کر رہا تھا' مہرو اور بچے گھر پر موجود نہیں تھے' اس کا ردعمل پاگلوں کی طرح تھا' اس نے خود کی تصدیق کے لئے تین چار چکر لگائے' اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا' افشین سے معلوم ہوا کہ مہرو اپنے میکے گئی ہے' وہ شاکڈ تھا' مہرو میں اتنی ہمت کہاں سے پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اکیلی ہی بچوں سمیت چلی گئی' اسے ایک ہی دن میں مہرالنساء کی اہمیت کا احساس ہو گیا تھا کہ وہ اس کی زندگی میں کتنی اہمیت رکھتی ہے یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی چیز آپ کے پاس موجود ہوتی ہے تو آپ کو اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا' لیکن اگر وہ دور ہو جائے تو وہ آپ کے لئے کتنی اہم ہے اس کا احساس خود بخود ہو جاتا ہے۔

وہ ان دس سالوں میں کبھی اپنے میکے نہیں گئی تھی اسے اپنے گھر سے بہت محبت تھی' اس کے ماں باپ اور بھائی خود کبھی کبھار ملنے آ جایا کرتے تھے' اس نے کبھی نہیں کہا تھا کہ وہ اپنے میکے جائے اور نہ ہی وجدان نے کبھی آفر ہی کیا تھا' مہرو کے بغیر وہ خود کو ادھورا اور کمزور محسوس کر رہا تھا' بچوں کی کمی الگ محسوس ہو رہی تھی' کائنات اور عمار کی وہ پیاری باتیں' اسے دیکھ کر ہی خوشی سے لپٹ جانا اور صمد کی وہ قلقاریاں' دو دن اس نے یوں ہی باہر سڑکوں پر پھرتے ہوئے گزارے' گھر میں اس کا دم گھٹ رہا تھا' آخر تیسرے دن اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بچوں اور مہرو کے پاس جائے گا اور انہیں اپنے گھر لے کر آئے گا' وہ تو وجدان کے گھر کی رونق تھی۔

☆

زہرہ اچانک مہرو کے میکے وہ بھی وجدان کے بغیر چلے آنے پر پریشان تھیں' مہرو نے بھی اپنی ماں کو سب کچھ بتا دیا۔

''میں تو سوچ رہی ہوں کہ وجدان کو فون کر کے بلا لوں''۔ وہ دونوں کمرے میں بیٹھی تھیں' جب زہرہ بولیں' کائنات کو تھپکتے ہوئے مہرو کے ہاتھ رک گئے اسے اب زہرہ کا اصرار برا لگ رہا تھا۔

''کیا آپ بھی مجھے بوجھ سمجھنے لگی ہیں''۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''نہیں میری بیٹی! بیٹیاں کبھی ماں باپ پر بوجھ نہیں ہوا کرتیں' بس ماں باپ کو تب سکون اور اطمینان رہتا ہے جب شادی شدہ بیٹی اپنے گھر میں ہو تم اپنے شوہر کو بتائے بغیر یوں روٹھ کر آئی ہو' یہ میرے لئے بہت پریشانی کا باعث بن رہی ہے''۔ انہوں نے مہرو کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''آپ یہ نہیں دیکھ رہی ہیں کہ انہوں نے کیا کیا......؟'' اس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''ایک بار تم اس سے مل کر اس بارے میں بات تو کر سکتی ہو' معاملے بات کرنے سے سلجھتے ہیں' یوں خفا بیٹھ جانے سے نہیں' کیا پتا جو تم سوچ رہی ہو ویسا نہ ہو''۔ ان کا انداز نرم اور سمجھانے والا تھا' مہرو نے گہرا سانس لیا۔

''اسی لئے کہتے ہیں کہ لڑکی کا رشتہ کرتے وقت ایک بار اس سے بھی اس کی مرضی پوچھ لینی چاہیے' ہمارا دین بھی تو یہ ہی کہتا ہے نا امی! میں نے شادی سے پہلے وجدان کو اس کی ماں سے بات کرتے سنا تھا' وہ اس شادی کے لئے انکار کر رہے تھے' وہ اس شادی سے ناخوش تھے' وہ بول رہے تھے کہ میں کم پڑھی لکھی ہوں' اس کے بعد جانے کیا ہوا کہ وہ راضی ہو گیا' اگر آپ ایک بار مجھ سے پوچھ لیتیں تو میں آپ کو سب کچھ بتا دیتی' خود سے بھی بتا نہیں سکتی تھی اور نہ ہی انکار کر سکتی تھی' پھر باتیں بنتیں کہ لڑکی نے انکار کر دیا ہے' ضرور کسی اور کے ساتھ چکر ہے' ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ہم خود ہی اتنے ظالم کیوں ہو جاتے ہیں''۔ دل کا شکوہ اس کے ہونٹوں پر آ گیا' زہرہ خاموش رہیں' وہ دوبارہ بولی۔

''میں وجدان کے ساتھ زندگی گزارتی رہی ہوں' لیکن اس کے باوجود بھی میں مطمئن تھی کہ میں کم پڑھی لکھی ہوں' زیادہ خوبصورت نہیں ہوں' اس لئے وہ مجھ سے سمجھوتا کئے ہوئے ہیں مگر اب نہیں...... میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی' یہاں آنے سے پہلے بھی میں نے بہت بار سوچا' مگر خود کو نہ روک پائی' مجھے وہاں گھٹن ہو رہی تھی' مجھ سے برداشت نہیں ہو پا رہا کہ وجدان کو کسی اور لڑکی کے ساتھ دیکھ سکوں اور ویسے بھی اس رات اس نے کہا تھا کہ اگر مجھے اس کے گھر میں نہیں رہنا تو میں جا سکتی ہوں''۔ وہ رو پڑی' کائنات اپنی ماں کے رونے پر بیدار ہوئی تھی اور سب سن لیا تھا' اس کی جتنی عقل تھی وہ اتنا سمجھ پا رہی تھی اسے اپنی ماما کا رونا برا لگ رہا تھا۔

''میں تو بس تمہارے لئے پریشان تھی تم نے اپنی بھابی ہما کا رویہ دیکھا ہے وہ تجھ پر اور تیرے بچوں پر کتنی کڑھتی رہتی ہے' میرا دل بہت دکھتا ہے' وہ ٹھیک سے تیرے بچوں کو کھانا نہیں دیتی۔ اگر وجدان نے انہیں ایسا دیکھا تو اسے کیسا لگے گا' لیکن یہاں تو......'' انہوں نے بات ادھوری چھوڑی' وہ بھی غلط نہیں بول رہی تھیں' ہما بھابی کا رویہ واقعی میں بہت بدل گیا تھا' وہ ناراض ہو کر آئی تھی اس بات کا تو انہیں اندازہ نہیں تھا لیکن مہرو نے کہا تھا کہ وہ کافی دن رکنے آئی ہے' اس کے بعد ان کا چہرہ سپاٹ ہو گیا تھا۔

☆

برآمدے میں وجدان کو دیکھ کر عمار دوڑ کر اس سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لپٹ گیا' کائنات خاموشی سے وجدان سے ملی' وجدان نے دل ہی دل میں کائنات کی اداسی محسوس کی تھی' وجدان کے آنے پر زہرہ بھی بہت خوش ہوئیں اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا' چھوٹا صمد بھی اس کی گود میں چڑھ گیا' وجدان بہت دیر مہرو کی اماں اور ابا سے باتیں کرتا رہا' ہما بھابی اب اچھے موڈ میں دکھائی دے رہی تھیں بچوں کو بھی اپنے گھر جانے کی خوشی ہو رہی تھی۔

مہرو وجدان کو ترچھی نگاہوں سے دیکھ کر روم میں چلی گئی' وجدان کی نظریں اس کے تعاقب میں تھیں' اسے اندازہ نہیں تھا کہ وجدان آئے گا وہ بھی اتنا جلدی' دل ہی دل میں اسے سکون مل رہا تھا' شام ہونے کے بعد بھی جب وہ روم سے نہ نکلی تو ناچار وجدان کو ہی روم میں آنا پڑا۔

''مہرو!'' پہلی بار اتنے پیار اور اپنائیت سے اس نے پکارا' مہرو کی اس کی طرف پشت تھی۔

''اب کیا چاہئے......؟'' لہجہ روکھا تھا۔

''مجھے مہرو چاہئے' میرے گھر کی رونق چاہئے' مجھے میری بیوی' میری ہمسفر' میری ہمقدم چاہئے''۔ وہ بھی اپنے دل کی بات کہہ دینے کو تیار تھا' مڑ کر مہرو نے بے یقینی سے دیکھا' پھر سر جھٹک دیا۔

''آپ کو تو بچوں سے ہی مطلب ہوگا' آپ انہی کی خاطر آئے ہوں گے''۔ اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

''بچے تو میری زندگی ہیں' پر مجھے تمہارے ساتھ کی بھی ضرورت ہے''۔ جذباتوں سے بھرے انداز میں بول کر وہ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

''اسی لڑکی سے شادی کرلیں' بچے بھی ہو جائیں گے''۔ وہ دوٹوک بولی۔

''مجھے کائنات' صمد اور عمار چاہئے اور مجھے کوئی بھی نہیں چاہئے' مجھے کسی بھی لڑکی کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے اسے خود کے بدل جانے کا یقین دلا رہا تھا' مہرو کے لئے اس پر اتنا جلدی یقین کر لینا آسان نہیں تھا' اسے وجدان کا لہجہ اور انداز حیرانگی میں مبتلا کر رہا تھا' وہ دوپٹے کے پلو کو مروڑتی رہی۔

''وہ لڑکی بہت خوبصورت ہے''۔ وہ خودکلامی سے بولی۔

''وہ تو کیا بلکہ تم سب لڑکیوں سے خوبصورت ہو''۔ اس نے بے ساختہ مہرو کے کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر شگفتہ لہجے میں کہا۔

''کاش کہ تم اتنے عرصے میں ایک دن بھی اپنے میکے آتیں تو مجھے یہ احساس بہت پہلے ہو چکا ہوتا کہ تم میرے لئے کتنی خاص اور کتنی اہمیت رکھتی ہو' تم بہت پہلے سے ہی میرے دل میں کہیں نہ کہیں موجود تھیں' ورنہ مجھے اتنی جلدی احساس کیسے ہوتا' لیکن میں نے کبھی تمہیں تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی' میں بہت برا ہوں ہر آدمی بدل جاتا ہے مگر میں دس سالوں میں نہ بدل سکا''۔

''میں نے شادی سے پہلے آپ کو اپنی امی سے دوٹوک انداز میں بات کرتے سنا تھا' آپ مجھ سے شادی کرنے کے لئے انکار کر رہے تھے' آپ نے تب سے لے کر اب تک مجھے اپنے لائق نہیں سمجھا' انہی باتوں کو مدنظر رکھ کر میں اب تک آپ کے ساتھ سمجھوتا کرتی رہی ہوں' آپ تو ہمیشہ سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے آئے ہیں مگر بس اب نہیں......'' وہ ہر بات کہہ دینا چاہتی تھی۔

''ہاں تم نے ٹھیک سنا تھا ہاں میں نے انکار بھی کیا تھا' بلکہ ایک بار نہیں بہت بار کیا تھا' میں کھلے ذہن کا لڑکا تھا' میں ایک آزادانہ زندگی اپنی من پسند زندگی گزارنے والوں میں سے تھا' ایک ہم سفر کے لئے میرے خیالات الگ تھے' جب امی اور ابو نے تمہارے لئے خواہش کی تو میں کسی طور پر راضی ہونے کو تیار نہ تھا' کیونکہ تم میرے ان خیالات اور تصورات میں بسنے والی لڑکی میں سے نہیں تھیں' امی مجھے مناتی رہیں' میرے آگے تمہارے سلیقے کے گن گاتی رہیں آخر میں مان گیا' لیکن تمہیں اہمیت نہ دینا میری انا تھی' اور پھر وہ عادت بن گئی' تم نے بھی تو کبھی مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہ کی' کبھی دوستانہ طریقے سے بات نہ کی' کبھی پیار نہ مانگا' بس صرف تم میری بیوی اور میرے بچوں کی ماں بنی رہیں' کبھی میری دوست یا میری چاہت نہ بنیں' مہرو! ضروری نہیں ہے کہ ہر قدم پہلے مرد ہی اٹھائے کبھی کبھی عورت کو بھی آگے بڑھنا چاہئے اور جس لڑکی کو تم نے دیکھا تھا وہ لڑکی ایشاع ہے اس سے میں چار ماہ پہلے ملا تھا' بحیثیت ایک دوست' ہاں میری یہ غلطی ہے کہ میں اس کے ظاہری حسن سے متاثر ہوا اور اس میں دلچسپی لینے لگا' اسے دیکھ کر اس سے مل کر میں اپنی پرانی سوچ میں لوٹ گیا تھا' میں شادی سے پہلے جیسی لڑکی کا سوچتا تھا' میں جو بھی تصور کرتا تھا وہ مجھے ایشاع میں نظر آرہا تھا' مگر کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں اس سے شادی کروں' وہ مجھ سے نرمی اور پیار سے بات کرتی' مجھے سرشار کر جاتی' اور میں اس کا اسیر بنتا چلا گیا' تمہارے جانے کے بعد مجھ پر ایک تلخ حقیقت کھلی' اور مجھے احساس ہوا کہ وہ ظاہری حسن تھا ایک مصنوعی خوشی تھی ٹائم پاس تھا' اصلی چیز انسان کا دل اور اس کی سیرت ہوتی ہے جو تم میں ہر لحاظ سے ہے''۔ اس نے مہرو کا دل صاف کر دیا اس کا ایک ایک لفظ مہرو کو چین دے رہا تھا' وجدان نے دھیرے دھیرے سے ایشاع کی ہر بات اسے بتادی' وہ اسے مزید دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

''کئی سالوں سے میرے دل کی زمین بنجر ہے پلیز مہرو...... اب تم آ کر اسے آباد کرو''۔ وہ التجائیہ بولا' وہ آسودگی سے مسکرا بھی نہ سکی۔

''میں جلد از جلد اپنے گھر واپس جانا چاہتا ہوں اپنی مکمل فیملی کے ساتھ۔ میں دو گھنٹوں تک تمہارا انتظار کروں گا' اگر تم چلو گی تو مجھے زندگی میں سب کچھ حاصل ہو جائے گا' اگر تم نہیں چلو گی تو تمہیں مجھے سزا دینے کا پورا حق حاصل ہے''۔ وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا' وہ اس کا یہ ہی تو اظہار سننا چاہتی تھی' دیر سے ہی سہی' اس کے دل میں مہرو کے لئے نرم گوشہ پیدا ہو ہی گیا تھا' وہ بھی یہاں مزید نہیں رہنا چاہتی تھی' اسے بھابی کی باتیں یاد آ رہی تھیں جو وجدان کے آنے کے بعد ہی تھیں۔

''اب تو وجدان بھائی بھی آ گیا ہے' اب تو مہرو اپنے گھر جائے گی' بھئی لڑکی اپنے گھر میں ہی اچھی لگتی ہے اب مجھے ہی دیکھو' میں سال بھر میں کوئی ایک بار اپنے میکے جاتی ہوں' حالانکہ میرے گھر والے اس بات سے سخت ناراض ہوتے ہیں''۔ وہ طنزیہ بولتی ہوئی بے وجہ ہنس دیں' حالانکہ وہ سال بھر تو کیا مہینے میں دو' تین بار اپنے میکے چکر لگا آتی تھیں' مہرو پہلی بار میکے آئی تھی یہ بھی ان سے دیکھا نہیں جا رہا تھا' یہ سوچتے ہوئے مہرو کے دل میں شعلے بھڑک اٹھے تھے فوراً اٹھ کر اس نے اپنا تمام سامان سمیٹا اور واپس اپنے گھر جانے کے لئے تیار ہو گئی' بچے اور وجدان بھی خوش نظر آرہے تھے' زہرہ نے ڈھیر ساری دعائیں دے کر ان کو رخصت کیا' وہ پورا سفر یونہی خاموش رہی' کائنات بھی بجھی بجھی سی تھی' وجدان اس سے بار بار پوچھتا رہا' وہ نفی میں سر ہلاتی رہی' اس نے جو مہرو کی باتیں سنی تھیں وہ اسے ڈسٹرب کر رہی تھیں' وجدان کا شک صحیح نکلا تھا' کائنات کی ہنوز خاموشی کی وجہ اسے گھر جا کر معلوم ہوئی۔

''پاپا! کیا آپ کسی اور آنٹی کو یہاں لے آؤ گے......؟ اور ماما کو نکال دیں گے......؟'' اس نے اس قدر معصومیت سے پوچھا تھا کہ شرم سے وجدان کی نگاہیں بھیگ گئیں۔

''نہیں بیٹا! آپ سے یہ سب کس نے کہا......؟'' اس نے کائنات کو خود سے لپٹاتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے ماما کو نانو سے بات کرتے سنا تھا''۔ اس نے وجدان کے سینے سے سر اٹھا کر بتایا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے اصل میں تمہاری ماما نے خواب دیکھا تھا آپ کو ایسے ہی غلط فہمی ہو گئی ہے' آپ کی ماما ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گی اور ہم انہیں کبھی بھی نانو کے گھر نہیں جانے دیں گے ٹھیک ہے......؟'' اس نے اس کے رخسار کو پیار سے تھپکاتے ہوئے کہا۔

''اچھا...... تو وہ ماما نے خواب دیکھا تھا''۔ وہ اس سے الگ ہو کر دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔

''جی ہاں...... آپ بھی تو جب کبھی خواب دیکھتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں تو مجھے یا اپنی ماما کو بتاتی ہیں نا' تو اسی طرح آپ کی ماما اس دن آپ کی نانو کو اپنا خواب سنا رہی تھیں''۔ اس وقت کائنات کو مطمئن کرنے کے لئے اسے یہ ہی سوجھا اور وہ واقعی میں مطمئن ہوگئی۔

''اوہ...... میں تو بہت پریشان تھی''۔ اس نے افسوس کرتے ہوئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے۔

''کوئی بات نہیں''۔ وجدان نے اس کے بال بکھیر دیئے۔

''سوری پاپا!'' اس نے دونوں ہاتھ کانوں کو لگائے۔

''اٹس او کے میری جان''۔

''تھینک یو پاپا!'' اس نے اپنی ننھی باہیں وجدان کے گلے کے گرد کردیں وجدان نے سر اٹھا کر اپنی ناک اس کی ناک سے چُھوئی' وہ ہنستی ہوئی اندر چلی گئی لیکن ان دونوں کے پیچھے کھڑی مہرو نے سب کچھ سن لیا تھا' اسے خود کی غلطی پر غصہ آرہا تھا کہ اس کی اس غلطی سے اس کے بچوں پر غلط اثر بھی پڑسکتا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا......؟'' وہ جان چکا تھا کہ مہرو نے سب سن لیا ہے پھر بھی مسکرا کر استفسار کیا' اس نے اداسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

☆

''اور پھر اس راجا کو احساس ہوا کہ وہ بہت بڑی غلطی کر گیا ہے وہ دوبارہ بھاگتا ہوا جنگل واپس گیا''۔ ان دونوں کو کہانی میں دلچسپی لیتے ہوئے دیکھ کر وہ خاموش ہوگیا' مہرو بھی بچوں کے لئے دودھ کے گلاس لے کر ان کے روم میں چلی آئی' وجدان کے دونوں بازوؤں پر عمار اور کائنات سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے۔

''بچو! اب جلدی سے یہ گلاس خالی کردو''۔ وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ماما! ہمیں اسٹوری سننے دو''۔ عمار کو مہرو کا اسٹوری کے درمیان دخل اندازی پسند نہ آئی۔

''جب تک آپ دونوں یہ دودھ کے گلاس پورے خالی نہیں کرو گے تب تک پاپا آپ کو آگے کی اسٹوری نہیں سنائیں گے''۔ اس نے باور کروایا' ان دونوں نے جلدی جلدی گلاس منہ سے لگالئے اور برے برے منہ بناتے ہوئے خالی بھی کردیئے' مہرو اور وجدان ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیئے' وجدان اسٹوری سنانے لگا مہرو اپنے روم میں چلی آئی پھر پندرہ منٹ بعد وہ بھی بچوں کو سلا کر چلا آیا۔

رات کا پہر تھا' وہ بالکنی میں کھڑی بھرپور طریقے سے موسم انجوائے کررہی تھی' دل اتنا خوش تھا کہ جھوم جانے کا دل کررہا تھا' وجدان بھی اس کی طرف چلا آیا۔

''مہرو! ہم بہت سال ایک دوسرے کو دھوکا دیتے رہے ہیں اب میں تمہیں بہت خوشیاں دوں گا' اب ہمارے درمیان پیار ہی پیار ہوگا' زندگی کی رنگینیوں سے پوری طرح لطف اٹھائیں گے''۔ اس کی آواز مہرو کے کان میں سرگوشیاں کررہی تھی' اس نے مہرو کو دل سے قبول کیا تھا' وہ جان گیا تھا کہ اس کی دنیا مہرو ہی ہے' ان کچھ دنوں کی دوریوں میں وہ اس کے لئے بہت خاص ہوگئی تھی۔

''یہ سب سننے کے لئے ہی میں ترستی رہی ہوں''۔ اس کی آواز میں نمی در آئی' وہ سیدھا ہوکر اس کے مقابل ہوا۔

''خوشیوں کو حاصل کرنا انسان کے خود ہی کے ہاتھوں میں ہوتا ہے جو ہم نے پہلے کبھی نہیں کیا' وقت کو ضائع کیا لیکن اب سب کچھ ٹھیک ہوگیا ہے' ہماری زندگی مکمل ہوگئی ہے' ہم دونوں مل کر زندگی کی شروعات کریں گے' جس میں نہ دکھ ہوں گے اور نہ ہی کوئی ناراضی' صرف پیار ہی پیار ہوگا' بہت سالوں سے ہمارے درمیان جو گرد تھی اب وہ صاف ہوگئی ہے' میں تمہارا ہاتھ تھام کر آج سے نئی زندگی کی نئی خوشیوں کو خوش آمدید کر رہا ہوں' ہماری طرح خدا سب کی زندگیوں میں آسودگیاں بھر دے' آمین''۔ وجدان کی آواز خوشیوں اور امنگوں سے لبریز تھی آج وہ وجدان کی آنکھوں میں سب دیکھ رہی تھی جس کے لئے وہ ترستی تھی' دونوں نے مسکراتے ہوئے آمین کہا۔

☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روشن ہاشم

افسانہ

کعبے پہ پڑی جب پہلی نظر

ایک جم غفیر تھا جو اُمڈے چلا جا رہا تھا، لوگ ایک دوسرے کو روندتے آگے بڑھ رہے تھے، ہر کسی کی کوشش تھی کہ وہ ایک دوسرے سے آگے نکل جائے، ایک ہی دھکے میں کوئی آگے نکل جاتا، دوسرے دھکے میں پیچھے، جس کو جہاں جگہ مل رہی تھی وہیں سجدہ ریز تھا، اُس جگہ جہاں خدا کا گھر ہے، جہاں تک پہنچنے کی ہر مسلمان کو تمنا ہے، جہاں دُعاؤں کے کشکول بھرے جاتے ہیں، ایسے لوگ



بھی ہیں جو ساری عمر صرف اللہ کے گھر کی جھلک دیکھنے کے لئے، اس کا نظارہ کرنے کے لئے تمام عمر رَتی رَتی جمع کرتے رہتے ہیں، کبھی تو اللہ تعالیٰ سُنے گا، اپنے گھر کا نظارہ ان پیاسی آنکھوں کو کروائے گا، لیکن وہاں تک جاتے وہی لوگ ہیں، جن کا بلاوا آتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ چُنتا ہے، ہر کسی کے نصیب میں یہ سعادت کہاں؟

مدیحہ بھی انہی خوش نصیبوں میں شامل ہوگئی تھی، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کا بلاوا بھیجا تھا، اس کے شوہر عثمان نے اسے بغیر بتائے حج کی قرعہ اندازی میں اپلائی کردیا تھا، قسمت سے اسی سال ان کا قرعہ اندازی کی لسٹ میں نام آ گیا، عثمان نے آفس سے فون کر کے اسے اطلاع دی تو وہ فوراً ہی اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوگئی، دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھ گئے، آنکھ سے پانی خشک نہیں ہورہا تھا، اس کے اوپر ابھی ذمہ داریاں تھیں، بیٹی ثناء تو بڑی تھی، لیکن سامع اس کا بیٹا چھوٹا تھا، 6 سال کا تھا، لیکن بچپن میں ایسا بیمار ہوا کہ سارا اثر اس کی ٹانگوں پر آیا تھا، بہت مشکل سے چل پاتا، نہ جانے کیا ہوا تھا، ہر طرح سے فِٹ تھا، ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ یہ خود بخود وقت کے ساتھ صحیح ہوجائے گا، ان لوگوں نے بہت علاج کروایا، لیکن پھر اوپر والے پر چھوڑ دیا، سامع کی وجہ سے اس نے سب تج دیا تھا، میکہ، سسرال، شادی، غمی ہر تقریب میں وہ سامع کو لے کر گھر میں بیٹھی رہتی، ایسے میں درِ نبیؐ پر جانے کا خیال.....!

''کیسے جاؤں گی، سامع کو کس پر چھوڑوں گی؟'' اس نے اپنے خیال کا اظہار عثمان کے سامنے کیا، تو اِک لمحے کو وہ بھی سوچ میں پڑ گئے۔

''اللہ مالک ہے، مدیحہ! یہ گھڑی نصیب والوں کو ملتی ہے، آخر اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو اپنے گھر بلانے کا موقع دیا ہے، تو اس کی مصلحت وہی جانتا ہے، اسی پر بھروسہ کرو، کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی''۔ انہوں نے بیوی کو تسلی دی۔

''یہاں ثناء ہے، امّاں جان ہیں اور تم ویسے بھی اللہ تعالیٰ سے ہر نماز میں اس کے ٹھیک ہونے کی دعا کرتی ہو، اب خانہ کعبہ میں بیٹھ کر اس کے لئے دعا کرنا، شاید اللہ تعالیٰ کی یہی رضا ہے، وہ تمہاری ضرور سنے گا''۔ امّاں جان نے بھی اس کو تسلی دی۔

''دیکھو جب میں نے حج کیا تھا، تو سب ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوچکی تھی، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے اور تمہارا امتحان ہے، تم اللہ تعالیٰ سے ناامید نہ ہو، وہ جو کرے گا اچھا ہی ہوگا''۔

''امی جان! میں ہوں نا، سامع کو میں آپ سے زیادہ اچھا سنبھالوں گی، آپ فکر نہ کریں''۔ ثناء کے کہنے پر اس نے اپنی بیٹی کو چوم لیا، جو اسے ایک دم ہی اپنی عمر سے بڑی دکھائی دینے لگی تھی، جس بچے کو دل و جان سے لگا کر رکھتی تھی اسے اس نے سب کے کہنے پر چھوڑ دیا۔

''مما! میں بھی چلوں گا''۔ سامع نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''بیٹا! آپ کیسے جاؤ گے؟'' وہ اپنے آنسو پی گئی۔

''خالہ امّی! میرے لئے بھی دعا کیجئے گا، میں میڈیکل کے امتحان میں پاس ہوجاؤں''۔ عدیل ان کا بھانجا میڈیکل کے پیپر دے رہا تھا، خیر پور سے کراچی آیا ہوا تھا، ہاسپٹل میں رہتا تھا، اس کا آخری سال تھا، اس نے بھی خالہ سے کہا۔

''کیوں نہیں میں سب کے لئے دعا کروں گی''۔ جاتے جاتے سب نے ہی کچھ نہ کچھ دعا کرنے کو کہا، کسی نے پرچے پر لکھ کر دیا تو کسی نے زبانی۔ آج عمرِ رفتاں اس مقام پر آ گئی تھی جہاں پہنچ کر دل و جان سب گنگ تھا، اللہ کا گھر سامنے تھا، نگاہ منجمد تھی۔

''میرے اللہ! مجھے معافی دینا، مجھے بخش دینا''۔ اس کا رواں رواں بین کررہا تھا، رو رو کر بُرا حال تھا، آنسو تھے کہ تھمتے ہی نہ تھے۔ اپنے ربّ کے آگے شکرانے کے لئے ہاتھ اُٹھے ہوئے تھے، وہ سجدے میں گری ہوئی تھی، یہی حال عثمان کا تھا۔

''مالک! تُو کتنا رحیم و کریم ہے، مجھے تُو نے کس طرح اپنے گھر بلایا ہے، میں کیسے اس راستے چلی، مجھے خبر بھی نہ ہوئی''۔ اسے ہوش ہی نہیں تھا، وہ تو اللہ کے گھر کے سامنے اس کے نور میں نہار رہی تھی، گنبدوں، میناروں سے اللہ اکبر کی آوازیں گونجتی ہوئی جسم و جاں میں انوکھی کپکپی اور سرسراہٹ دوڑنے لگی تھی، اسے تو یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہاں کیسے پہنچی؟

''لبیک اللھم لبیک'' بس لبوں پر یہی ورد تھا، جو عورت اپنے بچوں کے بغیر گھر سے قدم نہیں نکالتی تھی، ان سے اتنی دور مالکِ حقیقی کا نُور دیکھنے آ گئی تھی، پور پور اس کے عشق میں ڈوب گئی تھی، آج کعبہ شریف سامنے تھا، آنکھ سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا، کوئی دعا یاد نہ رہی، لب سِل گئے، اِک لمحے کو سب کچھ بھول گئی۔

کعبے پر پڑی جب پہلی نظر
کیا چیز ہے دنیا، میں بھول گئی

دل میں اتنی دعائیں لب پر الفاظ نہیں تھے۔ دنیا کی ساری طلب، خواہشات سب ماند پڑ گئی تھیں، اللہ کا نام اللہ کی تسبیح زبان پر تھی، وہ جگہ جہاں میدانِ عرفات تھا، اب وہاں پہ حرم شریف ہے، جہاں روزِ حشر میں حساب کتاب کا دربار سجایا جائے گا، کیا نور کا عالم تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب آپ حرم میں داخل ہوں اور سب سے پہلی نظر کعبے پر پڑتے ہی جو دعا مانگو فوراً ہی قبول ہوتی ہے، کعبے پہ نظر پڑتے ہی تو وہ سب کچھ بھول گئی تھی، نہ گھر بچے نہ ہی جان جگر سامع جس کے لئے دعائیں مانگتی نہ تھکتی تھی، آج تو لب پر کچھ بھی نہ تھا، ماسوائے سسکیوں کے، باآواز بلند ہر طرف ''لبیک اللھم لبیک'' کا شور تھا اور وہ آمین کہتی جارہی تھی۔ بڑی مشکل سے حطیم تک پہنچ پائے، یہاں پر دو نفل پڑھنے کی بہت مشکل سے جگہ ملی تھی، صفا، مروہ پر سعی کرتے ہوئے قدموں میں اتنی جان آ گئی تھی مانو لوہے کے ہوگئے، وہ جگہ جہاں کبھی بیابان چٹانیں تھیں، آب کی تلاش میں لوگ مارے مارے پھرتے، اسی جگہ پر بی بی حاجرہ نے اپنے پیارے بیٹے کے لئے پانی کی تلاش میں پاؤں لہولہان کیے، اور ان سنگلاخ چٹانوں پر پھرتی رہیں، جہاں صحرا تھا، کتنی دشواری اُٹھائی ہوگی ہماری پیاری حضرت حاجرہؓ نے، اللہ تعالیٰ نے اس ماں کی محبت، تڑپ دیکھ کر اس جگہ پانی کا چشمہ جاری کردیا تھا، جس نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیاس بجھائی تھی، آج اس پانی سے دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے مسلمان فیض یاب ہورہے ہیں، اس نے جی بھر آبِ زم زم پیا۔

اتنا رش تھا کہ کئی بار دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے بچھڑے کتنی بار ملے، بیت اللہ سے فارغ ہوکر وہ لوگ درِ نبیؐ پر حاضری دینے چل دیئے، وہ مہکتی مدینے کی گلیاں، جہاں میرے آقا کا بچپن گزرا، جہاں ان کے قدم پڑے، دل چاہتا وہاں کی مٹی کو آنکھوں سے لگالوں، دل تھا کہ بس گداز ہی رہا، مسجد نبوی کے دالان میں سے گزر کر میرے پیارے نبیؐ کا روضہ جلوہ افروز تھا، سبز گنبد کی جالیاں ان انکھیوں کے سامنے تھیں، اپنے حبیب کے روضہ مبارک پر حاضری دیتے ہوئے اسے چکر سا آ گیا، ایک روشنی کا جھماکا سا ہوا، آس پاس بھینی بھینی خوشبو پھیل گئی، روم روم میں روشنی سی بھر گئی، وہ چکرا کر گرنے ہی والی تھی کہ عثمان نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنبھال لیا۔

''میں نے اپنے محبوب کا نظارہ دیکھا ہے''۔ اس کے منہ سے سسکی نکلی، خاموش منجمد ہونٹوں سے بے ترتیب الفاظ ادا ہو رہے تھے، شام کا ڈھلتا سورج اور مدینے کی ٹھنڈی ہوائیں رگوں میں سنسناہٹ پیدا ہونے لگی، کیا فسوں تھا، نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی، درِ نبی پر اپنے حبیب کی جھلک دیکھی تھی، دنیا کی ہر دولت مل گئی تھی، زندگی کا مقصد آج سمجھ آیا تھا، ہر ہر چیز کو ان آنکھوں میں بسایا، پیاس کا وہ حال تھا کہ سمندر بھی پی جاؤ تو کم تھا، عشق محمد کی آگ کم ہی نہ ہو رہی تھی، دل چاہتا ان گلیوں میں کھو جاؤں، ان گلیوں سے واپس ہی نہ آؤں، جتنا میٹھا میرے محمد کا نام اتنا میٹھا مدینہ ہے، اے کاش! وقت رُک جاتا، لیکن وطن تو واپس لوٹنا ہی تھا، پندرہ دن عشق حقیقی میں ڈوبے گزرے، خوب خوب عبادت کی، واپسی کا سفر بہت آسان تھا، پر لگتا تھا دل وہیں رہ گیا ہو، لوگ صحیح کہتے ہیں جو ایک بار اپنے اللہ کے گھر جاتا ہے، وہ دوبارہ جانے کی خواہش ضرور رکھتا ہے، مدیحہ کا دل بھی وہیں رہ گیا تھا، جہاز میں بیٹھتے ہی دنیا کی طرف لوٹنا پڑا۔ کراچی ایئرپورٹ پر سب رشتے دار، اماں جان، خیر پور سے آپا آئی ہوئی تھیں، خاص طور پر اس کو ریسیو کرنے، عدیل، ثناء سب نے اس کے اور عثمان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے، ان کے ساتھ ساتھ اور بھی لوگ حج کی سعادت حاصل کر کے لوٹے تھے، پورے ایئرپورٹ پر پھول ہی پھول نظر آ رہے تھے، ہر طرف خوشبو مہک رہی تھی۔

ثناء کو چمٹا کر وہ خوب روئی، اتنے دن بعد اپنی بچی کو دیکھا تھا، لیکن نظر اِدھر اُدھر سامع کو تلاش کر رہی تھی۔

''میں یہاں ہوں مما!'' وہ اپنی مما کے پیچھے چلیے سے آ کر کھڑا ہو گیا تھا، اپنے پیروں پر، صحیح سلامت، بغیر کسی سہارے کے، وہ حیرت کی تصویر بن گئی، یہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عبادتوں، ریاضتوں کا کیا صلہ دیا تھا، اتنی جلدی اس کا حج مقبول ہو گیا تھا، اس کا بیٹا اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

''میں نے اس ربِ کائنات سے کوئی گلہ نہیں کیا تھا، ہاں، اپنے بیٹے کے لئے اپنے اللہ رسولؐ سے دعا کی تھی، میرا خدا میرے دل کا حال جانتا تھا، جب میں یہاں سے گئی تھی، کتنی مشکل میں تھی''۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اللہ کے گھر میں اس کی دعائیں مقبول ہو گئی تھیں، وہ سب کی تکلیف جانتا ہے، اپنے بندوں کو اس کی حد سے بڑھ کر تکلیف میں مبتلا نہیں کرتا، اس نے پھر دل میں سوچ کر سامع کو گلے لگا لیا۔

خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی تو وہ اپنے بیٹے کو بھی بھول گئی تھی، پہلی نظر کی دعا تو میں بھول ہی گئی تھی کہ کیا مانگنی تھی، اپنے پیارے بیٹے کو بھول گئی تھی، لیکن وہ نہ بھولا تھا جو اپنے بندوں کو ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے، وہ سب کو بن مانگے بھی دیتا ہے، کیسا انعام دیا ہے تُو نے مالک! میں دنیا بھول گئی تھی، پر تُو میری تکلیف نہ بھولا تھا، میرے اللہ! مجھے معاف کر دینا، بخش دینا''۔ وہ سامع کو گلے لگائے مالک کا شکر ادا کر رہی تھی۔

مالکِ دو جہاں، سردارِ دو جہاں کے گھر سے آ کر کیسی سرفرازی ملی تھی، اس نے اپنا کرم کر دیا تھا۔

''مالک! تُو مجھے معاف کر دینا''۔ وہ اپنے دونوں بچوں کو پیار سے گلے لگائے کھڑی تھی۔

''خالو! آپ بھی ساتھ کھڑے ہو جائیں، ایک تصویر ہو جائے''۔ عدیل نے مسکراتے ہوئے ان لوگوں کی تصویر کھینچ ڈالی، دونوں میاں بیوی کے پُرنور چہرے بھی مسکرا رہے تھے۔

☆............☆............☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شازیہ مصطفیٰ عمران

قسط نمبر 17

سلسلے وار ناول

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بس کرو''۔ حرما بیٹھی سے کھڑی ہوگئی، وہ اپنے سسرال کے کسی بھی فرد کی کوئی بُرائی برداشت نہیں کرسکتی تھی، اور اس کی بہن اسی کے منہ پر اس کے دیور کو گالیاں دے رہی تھی۔

''کیا بس کروں، مجھے آتے جاتے ہوئے اس نے تنگ کیا ہوا ہے''۔ وہ رونے لگی اور آج تو وہ خود پر ضبط نہیں کرسکی جبکہ سوچا ہوا تھا، حرما کو کبھی نہیں بتائے گی، مگر غصہ اور اشتعال میں وہ سب بھول گئی تھی۔

''ایسا کیا کردیا شہران نے؟'' چہرہ اس کا دکھ و ملال سے دھواں دھواں ہوگیا۔

''کبھی اپی سے پوچھیئے گا کیا کیا حرکتیں کرتا ہے، راستہ روک کے مجھے تنگ کرتا ہے''۔

''کیا....؟'' اسے غصہ آنے لگا، لیل ماہ نے شہران کی بھی ایک ایک بات اسے بتادی کیونکہ اتنے دنوں سے وہ اذیت سے جو گزر رہی تھی، اور اس پر پہلے ہی دوسری اُفتاد بھی آن پڑی تھی۔ ذیشان نے اسے بلوالیا تھا۔ حرما پھر رُکی نہیں اور چلی گئی، مگر دل و دماغ پر نیا بوجھ لے کر آگئی، ذیشان کو اس نے ابھی تک بھی کچھ نہیں بتایا تھا، مگر شہران کی چیپ حرکتیں سن کے اسے بہت دکھ ہو رہا تھا، ابھی اس نے شہران سے بھی بات کرنی تھی، آخر وہ اتنی گری ہوئی حرکت کیوں کرنے لگا ہے، جبکہ حرما کی تو وہ بہت عزت کرنے لگا تھا۔

☆............☆............☆

''سچ زویا! اگر وہ خیال سچ ہوجائے تو....!'' اریشماء اس دن سے بہت کھوئی کھوئی ہوگئی تھی۔

''مجھے تو لگتا ہے اریشماء! تیری شادی حمدان سے ہی ہوجائے گی، کیونکہ جتنی تجھ میں شدّت پسندی اور دیوانگی آرہی ہے، حمدان پر اثر ہو ہی جائے گا''۔ زویا افہام کا ڈائپر چینج کررہی تھی اور وہ اِدھر اُدھر ہاتھ پیر چلا رہا تھا۔

''کاش ایسا ہوجائے''۔ اریشماء نے دل سے دعا کی۔

''ارے پاگل، زندگی میں کبھی کاش نہیں ہوتا اور کبھی کوئی بھی دعا کاش کہہ کر نہیں مانگا کرو، بلکہ سچے دل سے یقین کے ساتھ مانگا کرو، اللہ تعالیٰ جو بہتر ہوگا وہی کرتا ہے''۔ اس نے اریشماء کو ساتھ ہی تسلی بھی دی۔

''وہ اتنا سخت ہے، میری طرف ذرا متوجہ نہیں ہوتا ہے''۔ اس کے لہجے میں افسردگی پنہاں تھی، حمدان پر کسی بات کا ثر ہی نہیں ہو رہا تھا، تیمور سے منگنی کے بعد بھی وہ نارمل ہی تھا۔

''مجھ سے شادی کا پوچھ کے جلاتا رہتا ہے''۔

''وہ ہوسکتا ہے تجھے چیک کررہا ہو، ابھی بھی اس کی طرف سے بددل ہوئی کہ نہیں؟'' زویا نے افہام کو پیک کرکے ٹایا۔

''بددل....ارے، ہر وقت دل اس کا راگ الاپتا رہتا ہے، میں پہلے اسے پسند کرنے لگی تھی، اب محبت پیار اور مجھے س سے دیوانگی کی طرح عشق ہوگیا ہے، اس کی ضد بھی مجھے اس سے بددل نہیں کررہی ہے''۔ اریشماء کو اپنی حالت سے ربھی لگنے لگا تھا۔

''اس کا تو ایک ہی حل ہے، حمدان کا کِڈنیپ''۔ زویا نے شوخی سے کہہ کر بات کو مذاق میں اُڑایا۔

''شٹ اپ.... فضول بکواس تو کیا نہیں کرو''۔ اس نے ناگواری سے اسے گھورا اور افہام کو چٹ مٹک پیار کرڈالا۔

''تیرا بیٹا بہت کیوٹ ہے، کس پر گیا ہے؟'' اریشماء نے بھی چھیڑ کے بدلہ اُتارا۔

''اس کی ماں کی خوبصورتی نظر نہیں آرہی تجھے؟''

''اچھا.... تم خوبصورت ہو، میرے خیال میں تو یہ ریحان بھائی پر گیا ہے''۔ وہ افہام سے باتوں میں بھی لگی تھی، وہ سکرا رہا تھا، چار ماہ میں اس نے مسکرانا شروع کردیا تھا۔

''بچہ ماں باپ پر ہی جاتا ہے''۔ زویا نے جیسے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''اچھا دیکھوں گی، جب ہمارا بچہ ہوگا''۔ اس کی آنکھوں میں پھر حمدان کی شبیہہ لہرائی۔

''میری تو دعا ہے تیری شادی حمدان سے ہی ہوجائے، کیونکہ تُو کسی کام کی نہیں رہے گی''۔ زویا اس کی حالت سے واقف تھی۔

''آمین!'' قہقہہ لگا کے مسکرائی تھی۔

''میں چلتی ہوں، آفس کا آج ایک بھی چکر نہیں لگایا ہے، اور وہ لارڈ گورنر پھوں پھوں کررہا ہوگا''۔ سیل اُٹھا کر بیگ میں ڈالا۔

''کون حمدان؟'' وہ تائیدی پوچھنے لگی۔

''ہوں....'' افہام کو پیار کیا اور زویا کے گلے لگ کے وہ فوراً ہی نکل گئی، لنچ بھی اُس نے زویا کے گھر کیا تھا، بارہ بجے سے اس کے ہی گھر تھی، دو بج گئے تھے، آفس ضروری جانا تھا، آفس میں تیمور پر نگاہ پڑتے ہی اس کا حلق تک کڑوا ہوگیا، وہ ڈیڈی سے باتوں میں لگا ہوا تھا۔

''بیٹا! آپ اپنا سیل آف کیوں رکھتی ہو؟'' ڈیڈی کو اس کی یہ عادت کبھی کبھی بُری لگتی تھی۔

''ڈیڈی! آپ کو پتہ ہے زویا کے ساتھ جب بھی ہوتی ہوں، میں اپنا سیل آف کردیتی ہوں، وہ بہت ناراض ہوتی ہے، ہر وقت سیل کے ساتھ لگی ہوتی ہو''۔ اس نے جتایا تیمور کو تھا، تیمور بلیک پینٹ شرٹ میں ملبوس خود کو نمایاں کرنے میں ہی لگا ہوا تھا، مگر اریشماء اس کی پرسنیلٹی سے ذرا مرعوب نہیں ہو رہی تھی۔ پنک جارجٹ کے چکن کڑھائی کے اسٹائلش سے لباس میں وہ خود بھی پنک ہی ہو رہی تھی، تیمور کی بے باک گہری نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا، جو ڈیڈی سے بھی مخفی نہ رہ سکا۔

''تم ذرا حمدان سے پوچھو، ای میلز کا کیا ہوا؟'' ڈیڈی کو جیسے تیمور کا اس طرح دیکھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا، انہوں نے اریشماء کو نظروں سے ہٹانا چاہا۔

''تایا ابو! میں اریشماء کو شاپنگ پر لے جانے کے لیے آیا ہوں، ممی نے کہا تھا اریشماء کی پسند سے شاپنگ کرلو، شادی میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں''۔ تیمور کو بھی ذرا لحاظ اور جھجک نہ تھی، وہ بھی جھٹ اپنا مدعا بیان کرنے لگا۔ اریشماء نے دانت پیسے، آنکھوں میں اس کی چنگاریاں سی بھر گئیں، مگر ڈیڈی کی وجہ سے تلخ بات بھی نہیں کی۔

''میں آج تھکی ہوئی ہوں، شاپنگ پر جانا مشکل ہے''۔ منمنا کے خود ہی انکار بھی کیا۔

''ممی نے مجھے خاص طور پر بھیجا ہے، میں اور تم مل کر شاپنگ کرلیں''۔ وہ روحیل سکندر کی موجودگی کو فراموش کیے اریشماء سے بڑے اعتماد سے بات کررہا تھا۔

''تمہیں جو بھی شاپنگ کرنی ہے، خود اپنی پسند سے کرلو، مجھے شاپنگ کا ویسے بھی کوئی شوق نہیں ہے''۔ سرد مہری اور بے نیازی سے جواب دے کر روم سے نکل گئی، تیمور اپنا سا منہ لے کر رہ گیا، روحیل سکندر نے بھی کچھ نہیں کہا۔

اریشماء کا ذہن بوجھل ہوگیا تھا، جتنا وہ تیمور کو اگنور کررہی تھی، وہ اتنا ہی کمبل ہوتا جا رہا تھا، شاپنگ کا سُن کے تو اسے اور گھبراہٹ سی ہونے لگی۔ تیمور کا سوچ کر تو اسے غصہ آنے لگا۔

''یہ ای میلز ڈیڈی کو دکھا دینا، شاید انہیں کچھ بات بھی کرنی ہے''۔ منتشر ذہن کے ساتھ ای میلز پڑھنے کے بعد وہ چیئر سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی۔ حمدان کی جانچتی اور دلچسپ نگاہیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں، وہ مانیٹر پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”کوئی پریشانی ہے؟“ اسے اریشماء کو مخاطب کرنا اچھا لگ رہا تھا، وہ بالکل غائب دماغی سے وہاں موجود تھی، چونک کر حمدان کو دیکھنے لگی، غیر متوقع سوال اور وہ بھی حمدان کر رہا تھا۔

”کوئی مسئلہ ہے کیا؟“ پھر پوچھا۔

”سب سے بڑا مسئلہ تو آپ ہیں، آپ ہی یہ مسئلہ حل نہیں کرتے“۔ خفگی سے طنز ہی کیا۔

”میں کچھ سمجھا نہیں“۔ فان کلر کی فُل سلیو کی شرٹ اور میٹلک گرے ڈریس پینٹ میں وہ سوبر اور سنجیدہ سا گریس فُل لگتا تھا۔

”سمجھتے تو آپ خوب ہیں، یہ الگ بات ہے سمجھنا نہیں چاہتے ہیں“۔ چیئر اس کی جانب گھمائی۔

”سمجھنے کو تو میں بہت کچھ سمجھتا ہوں، مگر میں آپ کو جان کے سمجھنا نہیں چاہتا“۔ اس نے کمپیوٹر آن کر لیا، کب سے وہ بند کیے بیٹھی تھی۔

”دیکھیے! اگر آپ کو تیمور سے شادی نہیں کرنی ہے، تو آپ اپنے ڈیڈی سے معقول انداز میں سمجھا کے بات کر سکتی ہیں، پسند کا اختیار تو سب کو حاصل ہے“۔ اس نے خود ہی بات شروع کی، اریشماء حیرانگی سے سنتی رہ گئی۔

”آپ کیا سمجھتے ہیں، میں نے ان سے بات نہیں کی ہو گی؟“ وہ چڑ گئی۔

”وہ اپنے بھتیجے کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اگر آپ مجھے ذرا بھی اشارہ کرتے، میں اس Base پر ڈیڈی کو منع کر سکتی تھی“۔

”دیکھیے اریشماء! آپ جو سمجھ رہی ہیں، یہ اتنا آسان نہیں ہے، میں یہاں ایمپلائی کی حیثیت سے کام کرتا ہوں اور اپنی حیثیت خوب جانتا ہوں، میں آپ کے ڈیڈی کو کبھی دھوکہ تک نہیں دے سکتا“۔ اس نے اریشماء کی بات کاٹی تھی۔

”پیار کرنا کیا گناہ ہے، اور آپ کیوں دھوکہ دیں گے؟ میں آپ کو اچھی طرح جان گئی ہوں، میرا آئیڈیل آپ جیسا شخص ہی ہے“۔

”یہ آپ کی بے وقوفی ہے اور آئیڈیل کبھی ملا نہیں کرتے، جو حقیقت ہے اس کا سامنا کرنا سیکھیے، خوابوں خیالوں اور آئیڈیل.....ان سب سے باہر نکلیے“۔ اس نے تیز لہجے میں اس کی نفی کی۔ اریشماء نے حسرت بھری نگاہ اس کٹیلے اور کڑوے شخص پر ڈالی، جو کسی طرح بھی تو اس سے متاثر نہیں ہو رہا تھا۔ انٹر کام کی بیل پر دونوں ہی خاموش ہو گئے، حمدان نے ریسیور اُٹھایا۔

”او کے سر! آتا ہوں“۔ مؤدب انداز میں گویا ہوا۔

”مجھے سَر بلا رہے ہیں، شاید ای میلو پر ڈسکس کرنی ہے، آپ بھی آ جایئے“۔ وہ اپنا سیل اور فائل اُٹھا کے مخاطب ہوا۔

”ہوں.....آپ چلیئے، میں آتی ہوں“۔ بات ان دونوں کی ہی ادھوری رہ گئی، اریشماء کو اس کی سرمہری اکثر تپا بھی دیتی تھی۔

”جانو.....! یہ کیا کرتی ہو، کھاؤ پیو، پتہ ہے ویک ہو جاؤ گی اور بچہ بھی کمزور ہو گا“۔ حمدان، تیمور کی آواز پر چونکا، وہ لفٹ کے باہر سیل پر کسی سے باتوں میں لگا ہوا تھا، مگر جو بات سنی اس کی ساری حسیات بیدار ہو گئیں، متجسس سا کوریڈور میں جا کر کھڑا ہو گیا تا کہ گفتگو واضح سن سکے۔

”آ جاؤں گا، چیک اپ بھی کرا دوں گا، اور جانو! آج تمہارے پاس آنے کو دل بھی کر رہا ہے“۔ بڑا رومینٹک انداز تھا اور وہ کسی لڑکی سے ہی مخاطب تھا۔

”تم فکر نہیں کرو، اپنے ممی اور پاپا کو بتا دوں گا، جب وہ یہ سنیں گے کہ وہ دادی دادا بننے والے ہیں، خوشی سے دوڑے چلے آئیں گے، کچھ دن تو صبر کر لو“۔ وہ بڑے پریم سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔

”اوہ.....تو تیمور دھوکہ دے رہا ہے، یہ شادی شدہ ہے“۔ حمدان اور تفکر زدہ ہو گیا۔ روحیل سکندر کے روم میں آیا تو وہ گہری سوچ میں غلطاں تھے۔

”سر! آپ نے بلایا تھا؟“ کھنکار کے گویا ہوا۔ اریشماء بھی آ گئی، چیئر کھسکائی، حمدان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی، روحیل سکندر نے دونوں کو بغور دیکھا، دونوں ساتھ بیٹھے ہوئے کیسے اچھے لگ رہے تھے اور تیمور اس کے ساتھ ان کی بیٹی کی جوڑی پتہ نہیں کیوں اچھی نہیں لگ رہی تھی، پھر کچھ دیر پہلے تیمور کا دھونس بھرا انداز، اریشماء سے مخاطب ہونا اور بے باک انداز میں گفتگو، انہیں اچھا نہیں لگا، مگر بھتیجا تھا، اس لیے برداشت کرنا بھی ضروری تھا۔

”سر! تیمور آئے تھے؟“ حمدان نے پوچھا۔

”ہاں وہ ابھی گیا ہے، اُس کی مسلسل کوئی کال آ رہی تھی“۔ انہوں نے بتایا۔ حمدان وہ کال خوب سمجھ گیا تھا، کہ کی تھی اور کون لڑکی تھی، ابھی اسے یہ سراغ لگانا تھا، تیمور نے کیا گل کھلایا ہوا ہے۔

”وہ میں نے اس لیے بلایا تھا، میں دو دن کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں، جمال علی کے گھر، وہ کچھ بیمار ہے، تم آفس کو سنبھال لینا“۔

”ڈیڈی! اتنی اچانک؟“ اریشماء ان کے جانے کا سن کر اُداس ہونے لگتی تھی۔

”بیٹا! ابھی جمال کی کال آئی تھی، تمہاری ممی کو بھی ساتھ لے جاؤں گا، اچھا ہے ان کی بھی آؤٹنگ ہو جائے گی، دو دن میں آ جائیں گے“۔ وہ اسے اطمینان دلانے لگے۔

”میں یہاں اکیلی رہوں؟“ وہ منہ بسورنے لگی۔

”میں تمہیں کامران کے گھر چھوڑ دوں گا“۔

”بالکل نہیں، میں اپنے گھر میں ہی ٹھیک ہوں، بلا وجہ تیمور سے جھگڑا ہوتا رہے گا“۔ اس نے رُکنے سے صاف انکار کر دیا۔

”اچھا ٹھیک ہے“۔ وہ مسکرائے اور جیسے ان کی بھی مرضی نہیں تھی اریشماء ان کے گھر ٹھہرے۔

”آفس میں تمہارا اریشماء ساتھ دے گی، اگر کوئی پرابلم ہو کال کرتے رہنا“۔ انہوں نے حمدان کو پھر سمجھایا، وہ سر ہلا کے رہ گیا، اس پر ڈبل ذمہ داری ہو گئی تھی، آفس، پھر اریشماء کی۔

☆............☆............☆

”میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں، آپ شہران سے پوچھ سکتے ہیں“۔ حرما کو تو اس دن سے دکھ اور افسوس ہی ہو رہا تھا، اس کا دیور اس کی بہن کے ساتھ فضول بکواس کرتا تھا۔

”لیل ماہ رو رو کے ہلکان ہے، ابو اسے پتہ نہیں کس شخص کے ساتھ رخصت کر رہے ہیں“۔ وہ سَر دونوں ہاتھوں میں پکڑے بیٹھی تھی۔

”مجھے پتہ ہے کون شخص ہے“۔ ذیشان کا چہرہ پُرسوچ تھا۔

”کون ہے؟“ حرما چونکی اور استفہامیہ نگاہ اُٹھائی۔

”دو ہوٹلوں کا مالک ہے، بیوی کو ڈائیورس دے چکا ہے، بیوی بچوں کو لے کر امریکہ میں رہتی ہے، بچے بھی جوان ہیں“۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”آپ کو کیسے پتہ؟“

”تمہاری امی نے نام بتایا تھا اور کچھ تفصیل بھی، بندہ بہت امیر کبیر اور مشہور شخصیت ہے“۔ شہران کی بات تو دب ہی گئی تھی، حرما کا ذہن اس شخص کے پیچھے منتشر ہو گیا تھا جو اس کی بہن سے شادی کر رہا تھا۔

”تم کیا کہہ رہی تھیں، شہران، لیل ماہ سے فضول بکواس کرتا ہے؟“ ذیشان پھر خود ہی اس بات کی طرف چلا آیا۔

”لیل ماہ نے مجھ سے یہ بات چھپائی تھی، مگر کل اس نے مجھے شہران کی ایک ایک حرکت بتائی ہے، پہلے تو مجھے یقین نہیں آیا، مگر جب اس نے یونیورسٹی سے آتے ہوئے اسے روکا، لائبہ بھی تھی، اسے بھی سب خبر ہے“۔

”ہوں..... میں شہران سے بات کرتا ہوں“۔ ذیشان کو شرمندگی بھی ہوئی، اسے تو سب خبر تھی، شہران کتنی دفعہ یہ بات کہہ چکا تھا، اسد مرزا کی دونوں بیٹیاں اس گھر میں آئیں گی۔

”مجھ سے لیل ماہ کا رونا نہیں دیکھا جا رہا تھا، ابّو میرا قصور بھی اس کے اوپر ڈال کے اس کی شادی اتنی عمر والے شخص سے کر رہے ہیں، لیل ماہ مر جائے گی، کبھی بھی اپنا آپ اس شخص کے حوالے نہیں کرے گی“۔ حرما کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں، اتنی بے کل اور پریشان تھی، سمجھ نہیں آ رہا تھا، اپنی معصوم بہن کی یہ پریشانی ختم کر دے۔

”تمہارے والد صاحب کے آگے کب کسی کی چلی ہے، جو لیل ماہ کی چلے گی، اسے یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑے گا“۔ وہ بھی تفکر زدہ اور افسردہ ہو رہا تھا۔ حرما آنچل سے آنسو پونچھے جا رہی تھی، جو مسلسل نکل رہے تھے۔

”پلیز حرما! تم رو نہیں، مجھ سے تمہارا رونا برداشت نہیں ہوتا ہے“۔ ذیشان اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے لگا، وہ اور ہی بکھر گئی، ذیشان کی بانہوں میں سما گئی۔

”پلیز حرما! نہیں روؤ“۔ اس نے حرما کا چہرہ اپنے ہاتھوں سے صاف کیا، وہ آج اتنی بکھری ہوئی ہو رہی تھی، ذیشان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، اس کی یہ فکر و پریشانی کسی طرح بھی دور کر دے۔

”اُٹھو! کھانا گرم کرو، آج ہم سب ساتھ کھائیں گے، بہت دن سے ہم نے ساتھ کھانا چھوڑ دیا ہے، آج سے ہم سب ساتھ کھایا کریں گے“۔ اس نے حرما کا دھیان بٹانے کے لیے کہا، وہ سر ہلانے لگی، واش روم میں جا کر چہرے پر پانی کے چھپکے ڈالے، کل سے رو رو کے اپنا حشر کیا ہوا تھا۔ وہ کچن میں کھانا گرم کرنے لگی تھی۔

شیبا نے ہال کمرے میں کارپٹ پر دستر خوان بچھا دیا تھا، شہران کھانے پر نہیں تھا، وہ ابھی تک گھر نہیں آیا تھا، خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا تھا، محمد احمد آج خلافِ توقع چپ تھے، ورنہ وہ شہران کو پیچھے بُرا بھلا کہنے سے نہیں رُکتے تھے، ذیشان نے کئی دفعہ سر اُٹھا کر انہیں دیکھا تھا، بسمہ حسبِ معمول روز کی طرح چہکتی ہوئی باتیں کر رہی تھی، حمیرا بیگم اسے ڈانٹ کر چپ کراتی رہتی تھیں۔

☆............☆............☆

مسجد کے پاس لوگوں کا ایک ہجوم لگا تھا، یہ مسجد ان کے محلے سے قدرے فاصلے پر تھی، محلے کے سارے لوگ اسی مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تھے، وہ اپنی گلی کے اندر جا رہا تھا، ہجوم کو چیرتا ہوا وہ قریب گیا، اسد مرزا کو یوں کسی شخص کی گود میں پڑا دیکھ کر وہ تو چکرا گیا۔

”ہٹیئے.....!“ گھبرا کے آگے بڑھا۔

”انہیں ہوا کیا ہے؟“

”چکرا کے گرے ہیں“۔ کسی شخص نے کہا۔ وہ فوراً وہیں چند لوگوں کی مدد سے انہیں گاڑی میں ڈال کے ہاسپٹل لے گیا۔ اسد مرزا بالکل بے ہوشی کی حالت میں تھے، ایمرجنسی میں انہیں لے جایا گیا، ہارٹ کا کوئی پرابلم تھا، اور بی پی ہائی

تھا، شہران نے انہیں پہلے ایڈمٹ کروانے کے بعد ہی اسد مرزا کے گھر خبر دی، ارباز اور رقیہ تو گھبرا کے اسی کے ساتھ چلے آئے تھے۔ سب ہی حیران تھے، گھر سے اچھے بھلے مغرب کی نماز پڑھنے گئے تھے، اچانک ہی انہیں کیا ہوا؟ رقیہ کا تو رو رو کے حشر ہو گیا، چند ہی گھنٹوں میں سب ہی وہاں موجود تھے، حرما بھی ذیشان کے ساتھ چلی آئی تھی، وہ امّی کے گلے لگ کے انہیں رو رو کے تسلیاں دے رہی تھی، لیل ماہ کا کل نکاح تھا، سب کو یہ بھی ٹینشن تھی، کیا ہوگا؟ مگر اوپر والے نے جو سوچا ہوتا ہے، اور لکھا ہوتا ہے وہ تو ہو کے رہتا ہے، سب کو اس وقت اسد مرزا کی فکر تھی، جنہوں نے ابھی تک آنکھ نہیں کھولی تھی، سارے ٹیسٹ وغیرہ ہو گئے تھے، مگر ابھی تک ڈاکٹرز کوئی صحیح جواب نہیں دے رہے تھے۔ شہران ستون سے ٹیک لگائے ہوئے کھڑا تھا، رقیہ نے تو اسے ڈھیروں دعائیں دی تھیں، جو انہیں بروقت ہاسپٹل لے آیا تھا، ارباز بھائی نے بھی مشکور بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”آپ ایک منٹ رُکیے“۔ شہران، ارباز کو روک کر خود آگے بڑھا، ڈاکٹرز آئی سی یُو سے باہر آئے تھے۔

”کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟“

”ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ مریض کی ہارٹ بیٹ ٹھیک نہیں ہے“۔ ڈاکٹر محسن نے اس کے پُرسوچ چہرے کو دیکھ کر کہا۔

”پھر بھی انہیں ہوا کیا ہے؟“ ارباز بھائی بھی متفکر زدہ تھے۔

”ان کے وال وغیرہ کا مسئلہ ہے، ہمیں اینجیوگرافی کرنی پڑے گی“۔

”جی.....؟“ ارباز بھائی متوحش زدہ رہ گئے۔ اسد مرزا کو کافی دن سے سینے میں درد تو ہو رہا تھا، مگر ایسا نہیں تھا کہ وہ برداشت کے قابل نہ ہو۔ رقیہ نے سن کے اور رونا دھونا مچا دیا، شہران نے ہی ان سب خواتین کو گھر خود ڈراپ کیا، اور خود اپنے گھر آ گیا تھا، اسے بھی اسد مرزا کی تکلیف کا سُن کے فکر ہونے لگی تھی۔ پھر ذہن بھٹک کے لیل ماہ کی طرف چلا گیا، سب ہی ہاسپٹل آئے تھے، مگر وہ نہیں آئی تھی، گھر کے آگے سے گزر کے بھی گیا، مگر اندر نہیں گیا تھا، حرما بھی میکے میں رُک گئی تھی۔

”لیل ماہ کا تو کل نکاح تھا“۔ ذیشان، حمیرا بیگم کو بتا رہا تھا، شہران کی سماعتوں نے سُنا تو وہ رُک کے کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں کچن میں تھے اور ذیشان انہیں اسد مرزا کی طبیعت سے بھی آگاہ کر رہا تھا۔

”اسد بھائی کو اتنے عمر کے آدمی سے شادی کرنے کی کیا پڑی ہے، کون سا بچی کی عمر نکلی جا رہی تھی؟“ حمیرا بیگم دکھ و تاسف سے گویا ہوئیں۔

”اگر شہران ذرا بھی اپنی جون میں ہوتا، لیل ماہ کا رشتہ ہم مانگ لیتے“۔

”ارے، کون سا وہ کر دیتے، حرما کو دیکھو، انہوں نے کیسے رخصت کیا ہے، وہ بچی بے قصور ہی ماری گئی ہے“۔ وہ کھانا گرم کر رہی تھیں، گھر کا ماحول بھی عجیب سا ہو گیا تھا، حرما بھی نہیں تھی، شہران کا ذہن اِدھر اُدھر گردش کرنے لگا، لیل ماہ کا نکاح کل تھا، مگر کیوں اتنی جلدی؟

☆............☆............☆

”بھلا ہو اس بچے کا، وقت پر تمہارے ابّو کو اُٹھا کر ہاسپٹل لے گیا، ورنہ کوئی آگے نہیں بڑھ رہا تھا“۔ امّی تو شہران کو دعائیں دیتے نہیں تھکتی تھیں۔ لیل ماہ تو پچھلے دو ہفتوں سے رو رو کے مصلّے پر بیٹھ کر اپنی شادی نہ ہونے کی دعائیں مانگ رہی تھی، مگر اس کی یہ دعا اس طرح قبول ہو گئی تھی؟

منیب الرحمٰن کی طرف سے دوسرا دن گزرنے کے بعد بھی کوئی نہیں آیا تھا، سب کو ہی اچنبھا ہو رہا تھا، ارباز بھائی تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مطلع کرنا چاہ رہے تھے، مگر بھابی نے منع کر دیا تھا، مگر یہ تعجب کی بات تھی نکاح کے دن بھی کوئی نہیں آیا، کسی نے پوچھا تک نہیں کب آنا ہے؟ کچھ تو گڑبڑ ہے، جوان سب کو خبر نہیں، ضرور ابّو جانتے ہوں گے، نکاح کی ساری تیاریاں ہوگئی تھیں، اب گھر میں اُداسی اور سناٹے بول رہے تھے۔

"مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے، ابّو کی یوں اچانک سے طبیعت خراب نہیں ہو سکتی ہے"۔ حرما نے پُرسوچ انداز میں نکتہ اُٹھایا۔

"دو دن سے کچھ چپ چپ تو لگ رہے تھے"۔ امّی نے بھی تائید کی۔

"لیل ماہ کی سسرال تک سے کوئی نہیں آیا، نکاح کا دن بھی گزر گیا، ارباز بھائی نے فون وغیرہ بھی کیا یا نہیں؟"

"ارے، ہم اپنی پریشانی میں بیٹھے ہیں، انہیں فون کیوں کریں؟ کچھ تو تمہارے ابّو سے بات ہوئی ہوگی، جب ہی نکاح وغیرہ کی بات تک کے لیے فون نہیں آیا"۔ امّی اندازے لگا رہی تھیں، لیل ماہ کو پھر بھی بے چینی سوار تھی، آخر کچھ تو بات ایسی ضرور ہوئی ہے، ابّو کی یوں اچانک سے طبیعت کیوں خراب ہوئی، وہ تو شکر تھا، شہران بروقت انہیں ہاسپٹل لے گیا۔

"اچھا ہے، جان تو چھوٹی لیل ماہ کی، اس انسان سے"۔ حرما نے شکر بھی ادا کیا تھا۔ ارباز بھائی اور ذیشان مستقل ہاسپٹل میں تھے، ڈاکٹر نے اسد مرزا کے دل کے وال کا مسئلہ بتایا تھا، اور بائی پاس ہونا تھا، اس کے لیے پانچ لاکھ کی رقم چاہیئے تھی اور اتنی جلدی اتنی بڑی رقم کا انتظام ہونا بہت مشکل تھا، رات میں شہران بھی انہیں دیکھنے آیا تھا، اس نے بھی سنا تو وہ چپ ہوگیا۔ ارباز بھائی کا رویہ شہران سے بہت اچھا ہوگیا تھا۔

"ڈاکٹرز کہتے کیا ہیں؟"

"یہی کہہ رہے ہیں، جلدی بائی پاس ہونا ضروری ہے، ورنہ بہت مسئلہ ہو جائے گا"۔ ارباز بہت فکرمند اور پُرسوچ ہو رہے تھے۔

"پھر آپ لوگ دیر نہیں کیجئے، جلدی یہ کام بھی کروائیے"۔ شہران نارمل سے انداز میں گویا ہوا۔ ذیشان خاموش تھا، چیئر پر بیٹھا تھا، اس کے پاس بھی اتنا نہیں تھا کہ کچھ رقم دے کر ہی ارباز بھائی کی مدد کر سکے، گزشتہ ماہ ہی تو وہ جاب پر لگا تھا، تنخواہ معقول تھی۔

"رقم کا بندوبست کرنا ہے"۔ ڈاکٹر آئی سی یُو سے باہر نکلے، تو ارباز ان سے بات کرنے آگے بڑھ گئے۔

"یار! ان لوگوں کے لیے اتنی بڑی رقم کا انتظام ہونا مشکل ہو رہا ہے اور انکل کی طبیعت بگڑتی جا رہی ہے"۔ ذیشان نے ساری تفصیل سے آگاہ کیا۔

"کتنے پیسوں کی ضرورت ہے؟" شہران نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

"حرما بتا رہی تھی دو لاکھ کا انتظام تو ہوگیا ہے، تین لاکھ مشکل سے ہو رہے ہیں"۔

"ہوں....!" وہ گہری سوچ میں تھا۔ دونوں بھائی کافی دیر تک رقم پر ہی گفتگو کرتے رہے تھے، ارباز بھائی بہت فکرمند تھے، ساری ذمہ داری ان پر ہی تھی، سرجانی میں ان کے دو پلاٹ تھے، جن کا سودا ہونا بھی اتنی جلدی مشکل ہو رہا تھا، انہوں نے ذیشان سے ساری باتیں شیئر کرلی تھیں، مگر آپریشن کے لیے رقم کا انتظام تو بہت ضروری تھا۔

☆............☆............☆

اس نے تیمور کی گاڑی کا تعاقب کرنا شروع کر دیا تھا، خوبصورت سی فارنر لڑکی کے ساتھ تھا، ہنس ہنس کے دونوں باتیں بھی کر رہے تھے۔

"اس کو یہ لڑکی ملی کہاں؟" حمدان کو حیرانگی ہو رہی تھی۔ ایک پرائیویٹ ہاسپٹل کے پاس گاڑی پارک کی تھی، وہ قدرے فاصلے پر رُکا تھا، فرنٹ ڈور کھول کے تیمور نے لڑکی کو نکالا، جس کی فیگر دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ پریگنینٹ ہے، لڑکی کو بازو کے حصار میں لیے وہ اندر جا رہا تھا۔

حمدان بائیک کے پاس کھڑا سب دیکھ رہا تھا، وہ دونوں اندر چلے گئے تھے، وہ کام سے باہر نکلا تھا، مگر تیمور کو سگنل پر دیکھ کر وہ بھی کسی لڑکی کے ساتھ، وہ چونک گیا تھا، اسے موقع بھی مل گیا، یہ جاننے کا، ان دونوں کا آپس میں ریلیشن کیا ہے؟ اس نے بھی اندر جا کر ساری معلومات کرلی تھیں، وہ تیمور کی بیوی تھی اور وہ چیک اپ کروانے لے کے آیا تھا۔

حمدان کا دماغ گھوم رہا تھا، سمجھ نہیں آ رہا تھا، روحیل سکندر کو بتائے یا نہیں، کہیں وہ یہ نا سمجھیں کہ وہ خود اریشماء کے چکر میں ہے اور اریشماء سے اُسے اور زیادہ محبت ہوگئی تھی، اس طرح تو اس کے ساتھ یہ بہت بڑا ظلم ہی ہوگا، جانتے بوجھتے کسی دھوکے باز کے ساتھ اس کی شادی ہو جائے اور اریشماء اور روحیل سکندر اس کے محسن ہی ہیں، جن کی وجہ سے اس کی زندگی بچ گئی اور اسے اپنے ہی آفس میں جاب بھی دے دی، کتنا تو اس کا خیال بھی کرتے ہیں، ہر پروجیکٹ میں اس کا مشورہ ضرور لیتے ہیں۔ بائیک اس کی جھٹکے سے گاڑیوں کے شوروم کے پاس رُکی، اس کی نگاہ بھٹک کے اُٹھ گئی اور حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا، کل تک یہ سب اس کا تھا، آج اس کا مالک کوئی اور بنا بیٹھا تھا، اسے اتنا تو پتہ تھا، یہ شوروم اس کے ابّو سے کسی نے ہتھیایا تھا۔ بائیک اسٹارٹ کی اور نکل گیا، آج بھی وہ شوروم میں نہیں گیا، دور سے ہی دیکھ کر نکل جاتا تھا۔ وہ آفس نہیں گیا گھر آ گیا، اتنی جلدی، امّی اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔

"حمدان! کیا بات ہے، اتنے چپ چپ کیوں ہو؟" وہ ڈرائنگ روم میں ہی صوفے پر لیٹ گیا تھا۔ اریشماء کا خیال ذہن سے نکل ہی نہیں رہا تھا، وہ سادہ، معصوم سی لڑکی اس کے اگنور کرنے کے باوجود قریب ہوتی جا رہی تھی، جب سے تیمور سے منگنی ہوئی تھی، وہ اور زیادہ اسے سوچنے لگا تھا، جب اس کی منگنی نہیں ہوئی تھی، وہ اسے ہرٹ کرتا رہتا تھا اور اب وہ اس کے دل کے ایوانوں سے چاہ کے بھی نکل نہیں رہی تھی۔

"وہ کچھ نہیں، آفس سے جلدی فارغ ہوگیا تھا، اس لیے جلدی گھر آ گیا"۔ وہ چونک گیا۔

"مجھے پتہ ہے بیٹا! تم پر ذمہ داری آن پڑی ہے، مصباح کی شادی کی فکر الگ سوار ہے"۔

"امّی، امّی! آپ یہ کیوں سوچتی ہیں، میں مصباح کی شادی کی وجہ سے گھبرا رہا ہوں؟ ایسا بالکل نہیں ہے"۔ اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے، امّی افسردہ ہی ہو جاتی تھیں۔

"میرے بچے! شہزادے، شہزادی کی طرح رہتے تھے، تمہارے ابّو نے تم لوگوں کو کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی اور آج تم لوگ چیزوں کے لیے ترستے ہو"۔ امّی کی آنکھوں میں نمی در آئی۔

"امّی! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں، اللہ کا شکر ادا کریں، ہم لوگوں کو ہر چیز میسّر ہے، پیٹ بھر کے کھاتے ہیں"۔ اس نے امّی کو شانے سے لگایا، وہ اکثر شوہر کو یاد کر کے روتی رہتی تھیں، کتنے اچھے دن تھے، کسی چیز کی کمی نہیں تھی، بڑا سا عالیشان بنگلہ تھا، گاڑیوں کا شوروم، سب کچھ ان کے شوہر نے اپنی محنت سے بنایا تھا، حمدان کو امریکہ سے اعلیٰ تعلیم تک دلوائی اور حمدان اکثر ہی ورلڈ ٹور پر جاتا رہتا تھا، مگر ان کے شوہر نے کبھی اپنی پریشانیوں سے بچوں کو آگاہ تک نہیں کیا، سب کچھ ان کی بیماری پر ختم ہوتا گیا اور دس سال کے اندر وہ کنگال ہو کر ایک چھوٹے سے فلیٹ میں آ گئے تھے، اس وقت عدین اور مصباح چھوٹے ہی تھے، حمدان اپنی پڑھائی سے فارغ ہوا تھا، اسے بچپن سے ہی گاڑیوں کا شوق تھا اور انہوں نے گاڑیوں کا ہی شوروم بنایا تھا، بزنس الگ تھا۔

"میرے بچے کو کتنی محنت کرنی پڑتی ہے"۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارے، مجھے محنت بالکل بھی نہیں کرنی پڑتی، آرام سے A.C میں بیٹھا رہتا ہوں"۔ اس نے مسکرا کر انہیں تسلی دی۔

"حمدان! بات کو اُڑانے کی کوشش نہیں کرو"۔ انہیں غصہ آ گیا۔

"ارے امی! آج آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

"مجھے آج تمہارے ابو بہت یاد آ رہے ہیں"۔ آنکھوں کی نمی واضح تھی۔ حمدان پہلو بدل کے بیٹھا، امی نے آنکھوں کی نمی صاف نہیں کی بلکہ رونے لگیں۔

"تمہارے ابو تم لوگوں کا کتنا خیال رکھتے تھے اور تم A.C گاڑی میں گھومتے تھے، اور آج موٹر سائیکل پر گرمی ہو یا سردی گھومنا پڑتا ہے"۔ تاسف سے گویا ہوئیں۔

"اگر وہ شوروم ہاتھ سے نہیں جاتا تو ہم آج یہاں نہیں ہوتے، مگر تمہارے ابو نے تو پلٹ کے پوچھا تک نہیں"۔

"پلٹ کے پوچھا تک نہیں....؟ مطلب ہمارے ہاتھ سے گیا ہے شوروم؟" حمدان تو پہلو بدل کر استفہامیہ انداز میں پوچھنے لگا۔

"کچھ نہیں، چھوڑو میں بھی کیا گزری باتیں لے کر بیٹھ گئی"۔ امی اس کے چونکنے پر موضوع ہی بدل کر اُٹھنے لگیں۔

"امی! مجھے پوری بات بتائیے، شوروم کا کیا مسئلہ تھا، کیونکہ ابو نے مجھے کبھی بھی کھل کے بتایا ہی نہیں"۔ وہ تو بضد ہو گیا۔

"ہمارا تھا ہی نہیں"۔

"شوروم میں کسی کا بھی شیئر نہیں تھا، پھر یہ ابو کے پاس سے کیسے چلا گیا؟" حمدان اس وقت امریکہ میں تھا، جس وقت شوروم کا مسئلہ چل رہا تھا اور شمشاد احمد اسی وقت سے بیمار چل رہے تھے۔

"سمجھو صدقہ کر دیا"۔ وہ جیسے یاد بھی نہیں کرنا چاہتی تھیں، حمدان کا تو شوق تھا، گاڑیوں کے بزنس کا، وہ تو ایک سال بھی شوروم میں نہیں رہا، پھر اس کی پڑھائی بھی چل رہی تھی۔ ایگزام کے لیے اسے واپس امریکہ جانا پڑا تھا۔

"ایسے کیسے صدقہ کر دیا؟ صدقہ خیرات ہم لوگ کرتے رہتے تھے، یہ آپ بھی جانتی تھیں، ایسے کیسے شوروم صدقہ کر دیا، کچھ تو بات ہے امی! جو آپ مجھ سے اب تک چھپا رہی ہیں"۔ حمدان کو محرومیوں نے گھیر لیا، کتنا بڑا اور خوبصورت شوروم اس نے خود ڈیزائن کیا تھا اور بزنس بھی خوب چل رہا تھا، ایک سال میں ایسی کیا بات ہوئی کہ سب کچھ ختم ہو گیا اور ابو بیمار ہوتے چلے گئے، نوبت یہاں تک آ گئی، انہوں نے اپنا گردہ تک فروخت کر دیا تھا، مگر اس کے پیسے حمدان نے نہیں لیے، جب ابو ہی اس دنیا میں نہیں رہے تو ایسے پیسے کس کام کے تھے؟

"ارے، کوئی بات نہیں ہے، میں تو ایسے ہی ذکر لے کر بیٹھ گئی تھی"۔ وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئیں، حمدان کے ماتھے پر تفکر کے جال بچھ گئے تھے اور وہ حقیقت سے حمدان کو آگاہ بھی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

"مجھے فائزہ کے ساتھ بازار جانا ہے، مصباح کی تھوڑی تھوڑی میں نے تیاری شروع کر دی ہے"۔ وہ بات ختم کر کے جانے لگیں۔ حمدان نے حسرت بھری نگاہوں سے امی کو دیکھا جو دس سالوں میں اور زیادہ کمزور سی لگنے لگی تھیں، مگر اسے شوروم کے جانے کا آج بھی بہت ملال تھا۔

☆............☆............☆

"شاہدہ! اس عید پر اریشماء اور تیمور کی شادی کرنے کو کہہ رہی ہے"۔ فوزیہ روحیل نے ان کے پُرسوچ چہرے پر گہری نگاہ ڈالی جو کب سے راکنگ چیئر پر بیٹھے سوچوں میں غلطاں تھے۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے؟" انہوں نے نگاہ اُٹھائے بغیر کہا۔

"یہ آپ کہہ رہے ہیں، اتنی جلدی کیا ہے؟" فوزیہ روحیل حیرت واستعجاب سے گویا ہوئیں۔

"ہماری اکلوتی بیٹی ہے، اتنی جلدی تو رخصت نہیں کریں گے"۔

"شاہدہ اور کامران کو جلدی ہو رہی ہے، پھر تیمور بھی شاید تین ماہ کے لیے انگلینڈ جا رہا ہے"۔ انہوں نے توجیہہ پیش کی۔

"کامران اور شاہدہ سے میں خود بات کر لوں گا، ایک سال کا ٹائم اور لے لیتے ہیں، کیونکہ اریشماء بھی جب تک ذہنی طور پر سیٹ ہو جائے گی"۔ ان کا ذہن تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا کیونکہ تیمور کی نگاہیں کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھیں، جب بھی وہ اریشماء کو دیکھتا تھا، اس کی نگاہوں میں جانے کیوں وہ محبت نظر نہیں آتی تھی، اس کا انداز، لب ولہجہ سب بناوٹی کیوں لگتا تھا، یہ انہوں نے اُس دن آفس میں نوٹ کیا تھا، جب وہ اریشماء کو شاپنگ پر لے جانے کے لیے آیا تھا، اسی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے خود ہی بات بنا کے منع کر دیا تھا۔

"خیریت ہے، یہ آپ کہہ رہے ہیں؟" فوزیہ روحیل کا لہجہ استہزائیہ اور طنز لیے ہوا تھا۔

"میری بیٹی مجھ پر بھاری نہیں ہے جو میں اسے اتنی جلدی رخصت کر دوں"۔ وہ خجل سے ہو گئے۔ فوزیہ روحیل نے شکر بھرا سانس لیا، وہ تو خود اتنی جلدی نہیں چاہتی تھیں، اریشماء رخصت ہو، اور پھر تیمور جب ان کی بیٹی کو پسند ہی نہیں تو انہیں بھی کون سا پسند تھا، روحیل سکندر کے آگے وہ مجبور ہو کر چپ ہو گئی تھیں۔

"اریشماء سے بولو اپنی پڑھائی اسٹارٹ کر دے، ٹیکسٹائل کا کورس کرنے کو کہہ رہی تھی، اچھا ہے کر لے"۔ فوزیہ سکندر پر تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹنے لگے، یہ کایا پلٹ کیسے گئی؟

"آپ کو یہ اچانک سے ہوا کیا ہے؟ شادی میں ایک سال کا ٹائم اور اوپر سے اریشماء کی پڑھائی"۔

"میں اپنی بیٹی پر زبردستی نہیں کرنا چاہ رہا، اچھا ہے ایک سال میں وہ اور تیمور ایک دوسرے کو سمجھ لیں گے تو شادی کے بعد مشکل نہیں ہو گی"۔ وہ نرم اور اطمینان بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

"یہ بات تو ٹھیک ہے"۔ وہ بھی متفق ہو گئیں۔

"ارے، ہاں یاد آیا! حمدان کی بہن کی شادی ہونے والی ہے، میں چاہ رہا ہوں کوئی ایسا گفٹ دے دوں، جو بچی کے کام بھی آ جائے اور پھر حمدان نے کڈنی کی رقم بھی ہم سے نہیں لی ہے، میں تو اس کا احسان مند ہوں، بہت نرم گفتار لڑکا ہے، ادب واحترام اتنا ہے، میں تو حیران ہوتا ہوں، اتنا فرمانبردار بیٹا ہے۔ اس کے ماں باپ خوش نصیب ہیں جو انہیں ایسی اولاد سے نوازا ہے اللہ نے"۔ وہ حمدان کی تعریفوں میں لگ گئے، اس دن سے حمدان پر ان کی توجہ زیادہ ہو گئی تھی، ورنہ وہ پہلے اس کی طرف سے بھی انکار کر رہی تھیں، اندازہ انہیں ہو گیا تھا، ان کی بیٹی کا جھکاؤ حمدان کی طرف ہے، مگر اس وقت وہ روایتی سے باپ بن گئے تھے، جو اپنی اولاد پر صرف اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتے تھے۔

"جی بہت لائق فائق بچہ ہے، اچھے گھرانے سے لگتا ہے"۔ فوزیہ روحیل نے تو حمدان کو جب بھی دیکھا سنجیدہ سا رہنے والا لگتا تھا، انداز میں اس کے ایک رعب تھا، بیٹھنے کے انداز سے لگتا تھا، وہ بھی کسی اَپر کلاس سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

"پھر آپ ایسا کیجیے اس کی بہن کو الیکٹرونکس کا سارا سامان دے دیں"۔

"ہوں....! یہ تم نے ٹھیک کہا"۔ روحیل سکندر نے اثبات میں سر ہلایا۔

☆............☆............☆

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رابعہ شمیم

مکمل ناول

زندگی حسین خواب ہے اب

’’دیکھو سمیر! تم نے مجھے زیادہ تنگ کیا نا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا‘‘۔ وہ ان دونوں کے سر پر کھڑی انہیں ڈانٹ رہی تھی۔



’’یعنی کے آپ کا مطلب ہے کہ آپ سے برا بھی کوئی ہے‘ سچ یار عمیر مجھے یقین نہیں آتا میں تو سمجھتا تھا کہ ہماری آپی ہی......‘‘ سمیر نے اس کے غصے سے بھرے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے شرارت سے جملہ ادھورا چھوڑا۔

’’تم سمیر! تمہیں تو بابا کی چھڑی ہی ٹھیک کرتی ہے‘ ابھی آواز دیتی ہوں‘ بابا‘ بابا جانی‘‘۔ اس نے بالکل صحیح دھمکی دی تھی۔

’’ارے آپی! معاف کردیں‘ بابا جانی کو پتہ چل گیا کہ میں نے ان کی لاڈلی پوتی کو تنگ کیا ہے تو پھر میں تو گیا‘‘۔ بابا جانی کا نام سنتے ہی اس کی ساری شرارت ہوا ہوگئی۔

’’گڈ یہ ہوئی نا بات‘ اب تم اٹھو اور مجھے اریبہ کے گھر چھوڑ آؤ‘‘۔ صبا نے اس سے کہا جواباً وہ برے برے منہ بناتے ہوئے بائیک کی چابی لینے اٹھ گیا۔

☆

’’ارے‘ ارے آرام سے بھئی کیا تم ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو‘ آرام سے بیٹھ کر ناشتہ کرو‘‘۔ وہ جلدی جلدی



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چائے پینے لگی تو مختار صاحب نے اس کو ٹوک دیا۔

''نہیں پاپا! میں ٹھیک ہوں بس کرلیا ناشتہ' آپ مجھے چھوڑ آئیں''۔

''بیٹا! ابھی تو تقریباً سوا گھنٹہ ہے پیپر شروع ہونے میں''۔

''نہیں بڑے ابو! آج پہلا پیپر ہے' سیٹ وغیرہ ڈھونڈنے میں ٹائم لگے گا' اس لئے جلدی جانا ہے''۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کے پہنچ جائے۔

''صبا بیٹا! ابو ابھی ناشتہ کرلیں آپ کے پھر چلے جایئے گا''۔ صبیحہ خاتون جو کہ اس کی والدہ تھیں' انہوں نے سمجھایا۔

''اچھا تم ایک کام کرو کہ حسن کے ساتھ چلی جاؤ' یہ تمہیں چھوڑتا ہوا چلا جائے گا''۔ مختار صاحب نے اس کی جلدی کا حل پیش کیا۔

''کیا ان کے ساتھ''۔ اس نے سامنے آرام سے بیٹھے حسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں کیوں کیا ہوا......؟'' حسیب صاحب نے پوچھا۔

''نہیں' بہتر ہے کہ میں آرام سے ناشتہ کر کے تایا ابو کے ساتھ ہی چلی جاؤں''۔ وہاں بیٹھے افراد جانتے تھے کہ وہ کبھی بھی حسن کے ساتھ نہیں جائے گی' اس لئے انہوں نے اس کا نام لیا' اور جواباً اس کو بیٹھ کر ناشتہ کرتا دیکھ کر سب نے بے اختیار امڈ آنے والی مسکراہٹ کو روکا۔

☆

مشتاق صاحب کی یہ فیملی بے حد خوشحال تھی' ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی' بڑے دو بیٹے مختار اور حسیب اور پھر ان کے بعد ان کی اکلوتی بیٹی روشانہ تھی' مختار صاحب کی شادی ان کی چچازاد کزن فیروزہ سے ہوئی' ان کے چار بچے تھے' سب سے بڑا حسن پھر عمیر پھر ایک بیٹی رانیہ اور سب سے چھوٹا بیٹا عدیل تھا' حسیب کی شادی انہوں نے اس کی پسند کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی کلاس فیلو صبیحہ خاتون سے کی تھی' ان کے تین بچے تھے' سب سے بڑا عمر جو کہ حسن سے تھوڑا ہی چھوٹا تھا' لیکن آج کل پڑھائی کے سلسلے میں لندن میں ہوتا تھا' پھر اس کے بعد صبا اور سب سے چھوٹا سمیر' روشانہ بیگم کے جبکہ دو بچے تھے ایک بیٹا زین اور دوسری بیٹی اریبہ' روشانہ کی شادی انہوں نے اپنے دوست کے بیٹے کے ساتھ کی تھی اور وہ اپنے گھر میں بے حد خوش تھیں' ان تمام لوگوں میں آپس میں بے حد محبت تھی۔

☆

''آ گئی ہماری صبا بیٹی! پیپر کیسا ہوا......؟'' آج اس کا آخری پیپر تھا۔

''جی بابا جانی! پیپر تو میرا بہت اچھا ہوا ہے''۔

''آپی کی بات پر یقین نہیں کریں دادا' یہ ہمیشہ یہی کہتی ہیں جبکہ نتیجہ آپ خود بھی دیکھ لیتے ہیں''۔ عدیل جو کہ پاس ہی ٹی وی دیکھ رہا تھا بول پڑا' صبا کے علاوہ سب ہی بچے مشتاق صاحب کو دادا ابو کہتے تھے' صبا چونکہ ان کی بے حد لاڈلی تھی اس لئے وہ ہمیشہ ان کو بابا جانی کہتی تھی۔

''تم تو اپنی چونچ بند ہی رکھو''۔ صبا نے تنک کے اس کو جواب دیا۔

''چونچ تو پرندوں کی ہوتی ہے اور ویسے بھی دادا ابو آپ کو بیٹا کہتے ہیں تو اس لئے آپ اپنی بات خود پر ہی اپلائی کرلیں''۔

''دیکھ رہے ہیں بابا جانی! یہ مجھے تنگ کررہا ہے''۔ اس نے فوراً شکایت کی۔

''ارے بھئی عدیل بیٹا! کیوں ستا رہے ہو ہماری بیٹا کو''۔ انہوں نے پیار سے عدیل کو ڈانٹا۔

☆

''یار! میں سچ بتا رہی ہوں کیا زبردست مووی تھی' کیا ایکٹنگ تھی میں نے تو کل خوب انجوائے کیا''۔ وہ کافی دیر سے فون پر اریبہ سے باتیں کرنے میں مصروف تھی' جبکہ دوسری طرف حسن کا غصے سے برا حال تھا' اس نے ایک بہت ضروری فون کرنا تھا' اور صبا کی باتیں ہی ختم نہیں ہو رہی تھیں۔

''نہیں یار! کیا سین تھا جب ہیرو ہیروئن کے ساتھ......''

''بند کرو یہ فضول بکواس اتنی دیر سے سن رہا ہوں کوئی ایک بھی کام کی بات جو کی ہو' حد ہوگئی ہے بے ہودگی کی''۔ حسن کا صبر جواب دے گیا اور اس نے صبا کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی فون کاٹ دیا۔

''واہ' واہ تو اس کا مطلب ہے آپ اتنی دیر سے ہماری باتیں سن رہے تھے آپ کو نہیں پتہ دو لڑکیوں کی باتیں نہیں سنی چاہئے اور آپ نے فون کیوں کاٹا''۔ وہ تو جیسے تپ ہی گئی۔

''شٹ اپ' میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا' ہٹو یہاں سے مجھے فون کرنا ہے''۔ اس نے ہاتھ پکڑ کے صبا کو فون کے پاس سے ہٹایا۔

''میں آپ کی شکایت تایا ابو سے کروں گی کہ آپ کے لخت جگر نے میرا فون کاٹ دیا ہے''۔ صبا نے اس کو ڈرانے کی کوشش کی۔

''جاؤ یہاں سے اور ابو اس وقت تمہیں اسٹڈی میں ملیں گے''۔ وہ اس کو اطمینان سے جواب دیتا ہوا فون کرنے لگا جبکہ وہ پٹختی ہوئی کچن میں آ گئی' جہاں رانیہ چائے بنا رہی تھی۔

''قتل ہو جائیں گے تمہارے بھائی ایک دن میرے ہاتھوں ہر وقت میری جاسوسی میں لگے رہتے ہیں ابھی لے کر میرا فون کاٹ دیا''۔ اس نے آکر اپنا غصہ رانیہ پر نکالا۔

''صبا ڈیئر! بھائی بہت اچھے ہیں بس غصے کے تھوڑے تیز ہیں' لیکن دل کے بہت اچھے ہیں''۔ اس نے فوراً صبا کو سمجھایا' وہ صبا سے ایک ڈیڑھ سال چھوٹی تھی' اور جانتی تھی کہ صبا اور حسن بھائی کی کبھی ایک دوسرے سے نہیں بنتی۔

''تم اسی لئے کہو گی کیونکہ وہ تمہارے بھائی ہیں''۔

''بھائی تو میں بھی ہوں تمہارا لیکن ہائے رے ظالم لڑکی کبھی جو میری بات مانی ہو''۔ سمیر نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے صبا سے کہا۔

''تم ایک کام کرو کہ تم رانیہ کو اپنی بہن بنالو' بہت فائدے میں رہو گے بالکل حسن بھائی کی طرح''۔ اس نے جل کر مشورہ دیا۔

''ارے کیا فوائد حاصل ہو گئے حسن بھائی کو' مجھے تو آج تک کچھ نہ ہوا''۔ عمیر نے بھی انٹری دی۔

''تم دونوں تو وہی جل ککڑے پہلے بھائیوں والے کام تو کرو' پھر تم لوگوں کو فائدے بھی حاصل ہوں گے''۔ رانیہ نے ان دونوں کو مشورہ دیا جو مظلوم بننے کی کوشش کررہے تھے۔

''ہاں تو کیا کریں' حسن بھائی تمہیں اپنی بھاری پوکٹ منی دیتے ہیں میں تو تمہیں دینے سے رہا''۔ عمیر نے کہا۔

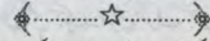
''اور یہ اریبہ تو تم سے بھائی کی پوری چم چم چم......'' سمیر کہتے کہتے ایک دم گول گھوما اور سامنے کھڑے حسن پر نظر پڑتے ہی اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔

''یہ تمہیں چم چم اتنی تو پسند نہ تھی کہ تم......'' سمیر اس کے چم چم کر[illegible] ہوا پلٹا اور اس کی نظر بھی سامنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھڑے بھائی پر پڑی اب دونوں کی سمجھ میں آئی کہ رانیہ ایکدم سے خاموش کیوں ہوگئی تھی۔

''رانیہ! چائے بن گئی ہو تو کمرے میں بھیج دو''۔ حسن نے خاموش کھڑے سمیر اور عمیر پر ایک نظر ڈال کر کہا اور پلٹ گیا' جبکہ سمیر اور عمیر نے بے حد خونخوار نظروں سے رانیہ کو گھورا۔



''اوے ہوئے آج تو بڑے تیار شیار ہو' کہاں سے آ رہے ہو یا کہاں جاؤ گے؟'' صبا نے سامنے سے آتے زین کو دیکھ کر کہا۔

''سیدھا گھر سے آ رہا ہوں اور سیدھا گھر ہی جاؤں گا''۔

''مجھے تو اس سیدھا سیدھا میں کہیں کوئی چیز بے حد ٹیڑھی لگ رہی ہے''۔ صبا کے اس طرح مشکوک انداز میں کہنے پر زین نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

''قسم لے لو یار پکی بی جمالو لگ رہی ہو''۔

''اچھا زیادہ فضول نہ بولو ورنہ رانیہ کے ہاتھ کی چائے سے تم محروم رہ جاؤ گے''۔

''اوہ ہو...... زین بھائی آئے ہیں''۔ رانیہ نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ صبا نے فوراً زین کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر رانیہ کے بھائی کہنے سے بے حد عجیب وغریب تاثرات امنڈ آئے تھے۔

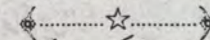
''تمہیں صبا کے قہقہے سن کر اندازہ نہیں ہوا کہ کون ہمارے گھر تشریف فرما ہوا ہے''۔ حسن نے بے حد طنزیہ انداز میں صبا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ کافی دیر سے لاؤنج میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا' اور صبا کی ہنسی اس کے سر پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔

''رانیہ نے آپ کی طرح MKD نہیں کیا ہوا کہ اسے پتہ چل جائے''۔ صبا نے فوراً جواب دیا۔

''ویسے یار آپس کی بات ہے یہ ایم کے ڈی کیا ہے......؟'' زین نے بے حد رازداری کے انداز میں پوچھا۔

''ماسٹر ان قہقہہ اینڈ فیکشن جو کہ انہوں نے کر رکھا ہے''۔

''شٹ اپ مجھے تمہاری کوئی بکواس نہیں سننی''۔ حسن' صبا کو جواب دے کر دوبارہ اخبار پڑھنے لگا۔



''تائی امی! آج تو آپ مجھے بتا ہی دیں' امی آپ کہیں نا تائی امی سے کہ آج تو یہ راز فاش کر ہی دیں نہیں تو پھر مجھے تایا ابو سے پوچھنا پڑے گا''۔ وہ صبح سے فیروزہ خاتون کے پیچھے پڑی ہوئی تھی جبکہ وہ مستقل مسکرائے جا رہی تھیں۔

''ارے کیا ہو گیا ہے لڑکی کیوں دماغ کھائے جا رہی ہے پاگل تو نہیں ہو گئی کہیں''۔ اب کے صبیحہ خاتون نے بھی اسے ڈانٹا۔

''نہیں آج تو میں جان کر ہی رہوں گی کہ آخر چکر کیا ہے''۔ اس نے اعلانیہ کہا۔

''کیا جاننا ہے اب بول بھی چکو''۔ صبیحہ خاتون نے اب کے کچھ چڑ کر کہا۔

''مجھے ایک بات یہ پوچھنی ہے کہ حسن بھائی نے کیا کوئی گائے پالی تھی بچپن میں؟'' اس نے بے حد سنجیدگی سے سوال پوچھا۔

''ارے لڑکی دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے تمہارا وہ کیوں پالنے لگا گائے''۔ صبیحہ خاتون نے اس کو ڈانٹا۔

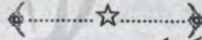
''وہ نا مجھے کبھی کبھار ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں نے ان کی گائے چرائی ہو' جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے تب

سے تو نہیں چرائی ہو سکتا ہے کہ بچپن میں ایسا کوئی واقعہ ہوا ہو''۔ اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی' صبیحہ بیگم اور فیروزہ بیگم بے اختیار مسکرائیں اور حسن جو کہ ابھی ابھی آیا تھا اور صبا کے منہ سے اپنا نام سن کر رک گیا تھا' اس کی بات سن کر جل بھن گیا۔

''چچی جان! ضائع ہو جائے گی آپ کی بیٹی میرے ہاتھوں''۔ وہ بہت ہی جارحانہ انداز میں کہتا ہوا اندر داخل ہوا' جبکہ اس کو دیکھتے ہی صبا کی سٹی گم ہو گئی' مانا کہ وہ اس کو بہت بڑھ بڑھ کر جواب دیتی تھی' لیکن بہرحال ڈرتی وہ بھی تھی۔

''میں وہ میں تو وہ تائی امی......'' اس نے ہکلاتے ہوئے صفائی دینی چاہی۔

''شٹ اپ صبا! کیا میں میں کی رٹ لگائی ہوئی ہے تمہاری باتوں سے میں عاجز آیا ہوا ہوں' آئندہ میں نے تمہارے منہ سے اس قسم کی فضول باتیں سنیں تو پھر تم دیکھنا''۔ وہ اس کو وارن کرتا ہوا چلا گیا جبکہ صبا نے جان چھوٹنے پر ایک گہرا سانس لیا۔



''یاہو میرے تمام پیپرز کلیئر ہو گئے اور مارکس بھی بہت اچھے آئے ہیں''۔ وہ کافی دیر سے نیوز پیپر پر جھکی اپنا رول نمبر تلاش کر رہی تھی جبکہ عمیر' عدیل اور سمیر اس کو کہہ رہے تھے کہ نمبر نہیں ملے گا' جیسے ہی اس نے نعرہ لگایا سب سے پہلے عدیل بول پڑا۔

''آپی! دوبارہ غور سے دیکھ لیں' آپ ہی کا نمبر ہے نا مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ آپ کے رول نمبر کے سامنے اچھے مارکس لکھے ہوں''۔

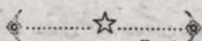
''ہاں اور آپ ناحق خوش ہو رہی ہوں''۔ سمیع بھی بول پڑا۔

''تم لوگ غور سے دیکھتے رہو میں تو جا رہی ہوں سب کو بتانے تم لوگوں کے ساتھ بیٹھوں گی تو خوش بھی نہ ہو پاؤں گی''۔ وہ تیزی سے اٹھ کر باہر کی جانب بھاگی لیکن برا ہوا کہ سامنے سے آتے حسن سے بری طرح ٹکرا گئی اور زمین بوس ہونے ہی والی تھی کہ حسن نے پھرتی سے اسے سنبھالا۔

''تم کبھی آنکھیں کھول کر بھی چل لیا کرو' جب دیکھو ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتی ہو''۔ اس نے سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ڈانٹنا بھی ضروری سمجھا اور وہ جو ٹکرانے کے بعد ابھی تک اپنا سر سہلا رہی تھی ایکدم رک کر اسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ کچھ کہا۔

''کیا ٹکرانے کا اثر کانوں پر ہو گیا ہے جواب سن بھی نہیں پا رہی ہو''۔ حسن نے تپ کر پوچھا۔

''دیکھیں' دیکھیں آج میں بہت خوش ہوں اس لئے غصہ کر کے میری خوشی کا ستیاناس نہ ماریں اور راستہ دیں میں امی کو بتا کر آؤں''۔ وہ اس کو راستے سے ہٹا کر کچن کی طرف بھاگی جبکہ وہ بڑبڑاتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

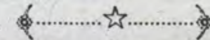


مشتاق صاحب کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی رات کو تقریباً دو بجے انہیں ایمرجنسی میں اسپتال لے جانا پڑا ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ انہیں معمولی سا ہارٹ اٹیک ہوا تھا' لیکن احتیاط لازمی تھی' صبا نے رو رو کر اپنی آنکھیں سوجا لیں تھیں وہ کسی سے بھی سنبھالی نہیں جا رہی تھی بلکہ الٹا جو بھی اس کو سمجھانے جاتا نم آنکھوں کے ساتھ پلٹتا۔

''صبا بیٹا! دیکھو اب تو آپ کے بابا جانی خطرے سے باہر ہیں چلو رونا بند کرو اور گھر چل کر کچھ کھا لو چلو شاباش''۔ ابھی بھی مختار صاحب اس کو سمجھا رہے تھے

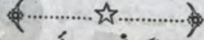
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تایا جان! جب تک بابا جانی یہاں ہیں، میں کہیں نہیں جاؤں گی، مجھے یہاں رہنے دیں پلیز"۔
"دیکھو بیٹا! یہاں اتنے سارے لوگ تھوڑی رک سکتے ہیں آپ سب کے ساتھ گھر چلی جاؤ اور شام میں پھر واپس آ جانا"۔ انہوں نے اس کو منانے کی کوشش کی۔
"تایا جان رکنے دیں نا شام تک تو اتنی دیر ہو جائے گی اور کچھ ہو گیا تو......؟" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر پھر رونا شروع کر دیا۔
"کیا ہو گیا ہے صبا! کیوں بچوں کی طرح بی ہیو کر رہی ہو، بی بریو کچھ نہیں ہو گا دادا جانی کو اب وہ خطرے سے باہر ہیں اور ہم سب ہیں نا یہاں چلو فٹافٹ آنسو صاف کرو اور گاڑی میں جا کر بیٹھو"۔ حسن جو کہ کافی دیر سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا بول پڑا۔
"لیکن اگر......"
"صبا! کیا کہہ رہا ہوں میں تم سے جا رہی ہو یا نہیں"۔ اب کے اس نے خاصے ڈانٹنے والے انداز میں کہا، جس پر وہ روتی ہوئی باہر کی طرف جانے لگی۔
"آرام سے بیٹا! تم تو غصے کرنے لگے، وہ بہت حساس ہے خاص کر ابو کے بارے میں"۔ اس کے جانے کے بعد مختار صاحب نے حسن کو سمجھایا۔



"جب سے بابا جانی گھر آئے ہیں تقریباً روز ہی میٹنگ ہو رہی ہیں، ان کے کمرے میں، میں بھی جاتی ہوں تو ڈانٹ پڑ جاتی ہے"۔ اس نے بے حد شکوہ کرنے والے انداز میں اریبہ سے کہا جیسے اسی کا قصور ہو۔
"جو جس لائق ہوتا ہے اس کے ساتھ ویسے ہی سلوک کیا جاتا ہے"۔ زین جو کہ حسن کے ساتھ صوفے پر بیٹھا گفتگو کر رہا تھا اس کو چڑانے لگا۔
"تم تو اپنی چونچ بند ہی رکھو"۔ اس نے تپ کر اس کو جواب دیا۔
"ویسے آپی! گڑبڑ تو مجھے بھی لگتی ہے کچھ نہ کچھ تو ہے"۔ سمیر نے کہا وہ سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔
"آج تو مجھے لگتا ہے کہ بات پتہ چل جائے گی، کیونکہ پھپھو جان کو بھی بلایا گیا ہے"۔ عدیل نے اظہار کرنا ضروری سمجھا۔
"تم لوگوں کو اس قدر بے چینی کیوں ہے، ابھی پتہ چل ہی جانا ہے تھوڑا صبر بھی کر لو"۔ حسن نے ان سب کو سمجھانا چاہا۔
"اف حسن! تم نے بھی چن کر ان لوگوں کو صبر کرنے کی تلقین کی ہے، جن کے اندر یہ چیزیں ہی ناپید ہیں"۔ زین نے خاص کر صبا کی طرف دیکھ کر یہ جملہ کہا۔
"اچھا زین بھائی! زیادہ میری کزن کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ بھی کوئی سیدھے نہیں ہیں"۔ رانیہ نے سب کو چائے سرو کرتے ہوئے کہا۔
"اوہ! آج تو لوگ بھی بول رہے ہیں"۔ عدیل نے رانیہ کو چھیڑا۔
"ہاں ڈیئر! یہ لوگ بہت کم بولتے ہیں لیکن جب بھی بولتے ہیں ہمیشہ دل ہی جلاتے ہیں"۔ وہ پھر اس کے بھائی بولنے پر جل گیا۔
"لوگ تو کم بولتے ہیں لیکن تم جس قدر بولتے ہو اور جن جن کے بارے میں بولتے ہو، اگر میں بتا دوں تو پتہ ہے

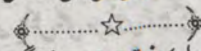
کیا ہو گا؟" صبا نے پول کھولنے والے انداز میں کہا۔
"ارے صبا ڈیئر! مجھ سے غداری بہت غلط بات ہے"۔ زین نے جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں چپ رہنے کی تنبیہ کی۔
"بس اتنی سی ہمت یار ابھی تو امتحان اور بھی ہیں"۔ زین کی بات پر اریبہ اور صبا دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑے۔
"سنو، سنو میرے عزیز کزنز ذرا غور سے سنو مجھے کچھ پتہ چلا ہے"۔ عمیر نے کمرے میں داخل ہونے کے ساتھ ساتھ سنسنی پھیلانی چاہی۔
"اب پھوٹ بھی چکو کہ کیا بات ہے"۔ اریبہ سے یہ تجسس برداشت نہیں ہو رہا تھا۔
"ابھی ابھی میرے گناہ گار کانوں نے یہ سنا ہے کہ کسی کی زندگی کا فیصلہ ہونے والا ہے ہم میں سے"۔ اس نے رازافشاں کیا۔
"مجھے تو پہلے ہی کسی گڑبڑ کا امکان تھا اب تو پورا یقین ہے کہ دال میں کچھ نہ کچھ کالا ہے"۔ صبا کے اس طرح کہنے پر تقریباً سب ہی ہنس پڑے صرف ایک حسن ہی تھا جو کہ اخبار پڑھنے میں اس قدر مگن تھا جیسے اس کے علاوہ اور یہاں کوئی ہو ہی نا۔



اس دن کے بعد سے گھر میں کوئی دوسری میٹنگ نہیں ہوئی اس نے پوچھنا بھی چاہا تو سب نے مسکرا کر ٹال دیا، وہ ابھی اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ صبیحہ خاتون نے آ کر اس سے کہا کہ بابا جانی اس کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔
"یقیناً کوئی ضروری بات ہی ہو گی ورنہ وہ مجھے اس طرح نہیں بلاتے ہیں لیکن ایسی کیا بات ہے"۔ وہ سوچتی ہوئی جانے لگی دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد وہ جب اندر داخل ہوئی تو مشتاق اس کو دیکھ کر مسکرائے۔
"آپ نے مجھے بلایا بابا جانی"۔ وہ چیئر لے کر ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔
"کیسا ہے ہمارا بیٹا......؟" انہوں نے شفقت سے اس سے پوچھا۔
"ایکدم فٹ فاٹ لیکن بابا جانی مجھے بالکل بھی مزہ نہیں آتا صبح جوگنگ کرنے میں آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں تاکہ ہم پھر سے ساتھ جایا کریں"۔ اس نے بیٹھتے ہی شکوہ کیا۔
"بیٹا! اب تو عادت ڈال لو سارے کام اکیلے کرنے کی تم نے جانا بھی تو ہے اپنی سسرال"۔
"کیا بابا جانی! آپ بھی بس میں کہیں نہیں جا رہی آپ کو چھوڑ کر، میں تو آپ کے پاس ہی رہوں گی"۔ اس نے ضدی انداز میں کہا۔
"اوہ...... پھر تو ہمیں کوئی ایسا بندہ آپ کے لئے ڈھونڈنا پڑے گا، جو آپ کو ہمارے پاس رہنے دے"۔ مشتاق صاحب نے اس سے یوں سوال کیا جیسے وہ بہت پریشان ہو گئے ہوں۔
"یہ آپ کا مسئلہ ہے بابا جانی"۔ اس نے شاہانہ سے انداز میں جواب دیا۔
"اور اگر میں یہ کہوں کہ یہ مسئلہ حل ہو چکا ہے تو پھر......؟" وہ بہت طریقے سے اس کو اصل بات کی طرف لا رہے تھے۔
"جی......" صبا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

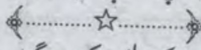
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''باباجانی! آپ کے کہنے کا مطلب......'' اس نے جان کر بات ادھوری چھوڑی۔
''دیکھو بیٹا! شادی ہر لڑکی کی ہوتی ہے اور پھر آپ کی یہ ضد کہ آپ نے رہنا بھی یہاں پر ہی ہے تو اس لئے ہم سب نے مل کر یہ طے کیا ہے کہ آپ کی شادی حسن سے کردی جائے''۔ انہوں نے بہت ہی آرام سے اس کے سر پر بم پھوڑا۔
''کیا......؟ کیا کہا آپ نے......؟'' وہ جو بہت آرام سے ان کی بات سن رہی تھی ایکدم سے اچھل پڑی۔
''یہی کہ ہم نے آپ کی شادی حسن سے کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے''۔
''کیا کہہ رہے ہیں باباجانی! رحم کریں مجھ پر تھوڑا سا ان سے کیوں کررہے ہیں میری شادی......؟' اس کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح باباجانی کو منع کرے۔
''کیوں بیٹا! آپ کسی اور کو پسند کرتی ہو کیا......؟'' صبا ان کا سوال سن کر شرمندہ ہوگئی۔
''نہیں باباجانی! ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔ اس نے بمشکل کہا۔
''پھر کیا مسئلہ ہے......؟''
''باباجانی! وہ اس قدر غصہ کرتے ہیں ہر وقت ڈانٹتے رہتے ہیں وہ تو کچا کھا جائیں گے مجھے''۔ صبا نے ان کو سمجھانا چاہا۔
''نہیں بیٹا! حسن بہت اچھا بچہ ہے بس ذرا سا غصہ کرتا ہے ورنہ دل کا بہت مخلص ہے''۔ انہوں نے اس کی پریشانی دور کی۔
''باباجانی! آپ سمجھ ہی نہیں رہے میں کیا کہوں''۔ اس نے بہت ہی بے چارگی سے کہا۔
''آپ جاؤ آرام سے سوچو اور پھر مجھے بتانا کہ کیا پریشانی ہے' میں آپ سے دو دن بعد پوچھوں گا' مجھے ابھی حسن سے بھی بات کرنی ہے''۔
''تو گویا آپ نے حسن بھائی سے بات نہیں کی......؟'' اس نے جاتے جاتے پلٹ کر پوچھا۔
''نہیں......'' انہوں نے جواب دیا۔
''تو پھر اللہ کرے وہی منع کردیں''۔ اس نے دل ہی دل میں دعا مانگی اور کمرے سے نکل گئی۔



حسن اور صبا کی عمروں میں تقریباً چار سال کا فرق تھا حسن چونکہ گھر کا بڑا لڑکا تھا' اس لئے اس کے مزاج میں سنجیدگی کا عنصر تھا اور کچھ عمر کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا گیا صبا گھر کی لڑکیوں میں (اریبہ اور ارنیہ کے مقابلے میں) سب سے پہلی تھی یوں سب سے زیادہ لاڈلی تھی اور کچھ اس میں شوخی اور شرارت زیادہ تھی جس نے اس کی شخصیت کو ہر دل عزیز بنادیا' ان دونوں کے مزاج ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے' حسن کو اس کا ہر وقت کا شور ہنگامہ مچانا بالکل پسند نہیں تھا' اس کے خیال میں لڑکیوں میں تھوڑی سی سنجیدگی ضرور ہونی چاہئے جو ان کی شخصیت کو سب میں ممتاز کرے۔
پڑھائی سے فراغت پاتے ہی حسن بزنس کی دیکھ بھال کرنے لگا جو کہ اس کے والد اور چچا کا مشترکہ تھا۔ جب سے باباجانی نے اس سے حسن کے متعلق بات کی تھی اس کا سوچ سوچ کر سر دکھ گیا تھا کہ اگر اس کی اور حسن کی شادی کردی گئی تو کیا ہوگا وہ تو اسے جان سے مار ڈالیں گے۔
''کیا کروں منع بھی تو نہیں کرسکتی باباجانی کو ورنہ سب ناراض ہوجائیں گے' اللہ میاں میرے پیارے اللہ میاں'

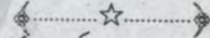
حسن بھائی باباجانی کو انکار کردیں''۔ اس نے سوچتے سوچتے ایک بار پھر دعا مانگی۔



مشتاق صاحب کی بات سن کر وہ تھوڑی دیر کے لئے ساکت رہ گیا۔
''داداجانی! آپ جانتے بھی ہیں پھر بھی ایسا کہہ رہے ہیں''۔ اس نے جیسے ان سے شکوہ کیا۔
''دیکھو بیٹا! انسان کے ساتھ بار بار ایک جیسا عمل نہیں دہرایا جاتا' اگر کسی نے تم کو اس معاملے میں دھوکہ دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرا بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی کرے گا''۔ مشتاق صاحب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔
''کیا معلوم......؟''
''مجھے معلوم ہے نا کیونکہ ہم نے جو لڑکی تمہارے لئے چنی ہے وہ بے حد مخلص ہے''۔
''کیا آپ نے لڑکی بھی دیکھ لی......؟'' اس نے ایکدم چونکتے ہوئے کہا۔
''ہاں...... کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ تم رسیاں تڑوا کر بھاگنے کی پوری کوشش کروگے' اس لئے پورا انتظام مکمل کرکے تم سے بات کررہے ہیں''۔
''داداجانی! مت کریں نا ایسے میں اگر شادی پر راضی ہو بھی جاؤں تو چار پانچ سال بعد ہی کروں گا' اس لئے ابھی آپ لوگ لڑکی نہ ہی ڈھونڈیں تو بہتر ہے''۔ حسن نے فوراً کہا۔
''دیکھو بیٹا! ایسا ہے کہ لڑکی ہم منتخب کرچکے ہیں اور ابھی ہم اس سے تمہارا صرف نکاح کررہے ہیں' شادی چھ ماہ یا سال بعد کریں گے''۔ انہوں نے اپنا فیصلہ سنادیا۔
''یعنی آپ میری بات نہیں مانیں گے......؟''
''ہرگز نہیں''۔ انہوں نے جواب دیا۔
''تو پھر ٹھیک ہے' آپ کا جو دل چاہے کریں' لیکن بعد میں آپ میں سے کوئی بھی مجھ سے کسی زیادتی کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کرے گا''۔ حسن ایکدم ناراض ناراض سا دکھائی دینے لگا اور اٹھ کر کمرے سے باہر جانے لگا۔
''بیٹا جی! پوچھیں گے نہیں کہ کون ہے وہ......؟'' مشتاق صاحب نے پیچھے سے آواز دے کر اس سے کہا' وہ جاتے جاتے ایکدم رک گیا لیکن پلٹا نہیں۔
''ہم نے آپ کا نکاح صبا کے ساتھ طے کیا ہے''۔ وہ ایک لمحے کے لئے چکرا کر رہ گیا۔
''جی کیا کہا آپ نے......؟'' اس نے گھوم کر اس انداز میں پوچھا جیسے اس کے کانوں نے کچھ غلط سن لیا ہو۔
''ہم نے کہا کہ ہم نے آپ کا نکاح صبا حسیب کے ساتھ جو کہ آپ کی چچازاد ہیں طے کردیا ہے''۔ وہ کچھ دیر کو بے یقین سا کھڑا رہ گیا۔
''آپ جانتے بھی ہیں کہ میں اس سے کس قدر چڑتا ہوں پھر بھی آپ نے ایسا کیا' اسے میں نے کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا اور پھر وہ بالکل بچوں جیسی حرکتیں کرتی ہے''۔
''ہم سب جانتے ہیں اور جو ہمیں صحیح لگتا ہے ہم وہی کرتے ہیں صبا تمہارے لئے بالکل سوٹ ایبل ہے' تم اس کو اپنے مزاج میں آرام سے ڈھال سکتے ہو اور پھر یہ کہ وہ گھر کی بچی......''
''داداجان! بس کریں اب یہ سب کچھ میری برداشت سے باہر ہوتا جارہا ہے' صبا سے شادی اور وہ بھی میں کبھی نہیں' شی از آ اسٹوپڈ گرل اینڈ نتھنگ مور''۔ حسن نے بے انتہا غصے میں ان کی بات کاٹ کر کہا اور لمبے لمبے ڈگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بُھرتا کمرے سے باہر چلا گیا۔



اس دن کے بعد سے مشتاق صاحب نے دونوں میں سے کسی سے بھی اس موضوع پر بات نہیں کی اور صبا جو سوچ رہی تھی کہ دو دن بعد اس کو پھر حاضری دینی پڑے گی اور بابا جانی کی بات ماننی پڑے گی یہ کے حسن نے انکار کر دیا ہے جبکہ حسن یہ سمجھا کہ دادا اس کی بات سمجھ گئے ہیں ان دونوں میں سے کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ آنے والا وقت ان دونوں کے لئے کیا طوفان چھپائے ہوئے ہے۔

مشتاق صاحب کی طبیعت ایکدم خراب ہوگئی تھی' اب کے ہونے والا ہارٹ اٹیک بے حد شدید تھا' ڈاکٹروں نے کہا تھا۔

''اگلے اڑتالیس گھنٹوں میں اگر انہیں ہوش آ جاتا ہے تو ہمیں کچھ امید ہے کہ یہ بچ سکیں گے ورنہ کچھ نہیں کہا جاسکتا''۔ ڈاکٹروں کی بات سن کر بھی سکتے میں آ گئے' سب سے پہلے صبا نے رونا شروع کیا' یوں بھی اس کے آنسو بات بات پر نکلنے کے لئے بے تاب رہتے تھے تو یہاں تو معاملہ اس کے پیارے بابا جانی کا تھا' اگلے اکتالیس گھنٹے سب کی جان جیسے سولی پر لٹکی رہی' اکتالیس گھنٹے بعد ان کو ہوش آیا لیکن ابھی بھی ان کی حالت بہتر نہ تھی سب ان کے کمرے میں جمع تھے انہوں نے مختار صاحب اور حسیب صاحب کو بلا کر کہا۔

''دیکھو بچو! مجھے نہیں معلوم کہ میرے پاس کتنا وقت ہے' لیکن پھر بھی میں یہ چاہتا ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے صبا اور حسن کا نکاح ہو جائے''۔

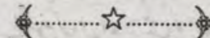
''ابا میاں! آپ صحت یاب ہو جائیں پھر ہم ان کا نکاح بے حد دھوم دھام سے کریں گے ابھی آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے' آپ صرف آرام کریں''۔ حسیب نے ان کو سمجھانا چاہا۔

''میں نے ساری زندگی آرام کیا ہے ابھی تم دونوں نکاح کا بندوبست کرو' میں ایک گھنٹے کے اندر اندر ان کا نکاح کرنا چاہتا ہوں''۔

''ابا میاں اتنی جلدی......؟'' مختار صاحب نے کہا۔

''ہاں اور تم ان دونوں کو یہ بتا کر اندر بھیجو میرے پاس......'' وہ بولتے بولتے ایکدم ہانپنے لگے۔

''جی جی ہم بھیجتے ہیں' لیکن آپ زیادہ مت بولئے گا' ورنہ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی''۔ انہوں نے باہر جاتے ہوئے ہدایت کی۔



ان دونوں کے سر پر تو جیسے کسی نے بم پھوڑا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ چچا جان! یہ کوئی وقت ہے ان باتوں کا''۔ حسن کو سب سے پہلے ہوش آیا تھا' صبا تو ایسی ہوگئی جیسے کسی نے اس کو پتھر کا بنا دیا ہو۔

''ہم نے ان کو سمجھایا ہے لیکن وہ نہیں مان رہے''۔ حسیب صاحب نے بے حد بے چارگی سے کہا۔

''میں بات کرتا ہوں ان سے اور تم صبا تم بھی آؤ میرے ساتھ''۔ اس نے صبا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور روم کی جانب مڑ گیا۔

''دادا جانی! آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس کے بعد شادی ضرور کرلوں گا''۔ حسن ان کو مناتے ہوئے کہہ رہا تھا' جبکہ صبا کو تو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔

''حسن! کیا تم اپنے مرتے ہوئے دادا کی آخری خواہش بھی پوری نہیں کرو گے......؟'' انہوں نے بے اختیار حسن سے پوچھا' حسن ان کی بات سن کر بالکل خاموش ہو گیا جبکہ صبا روتے ہوئے باہر کی جانب بھاگی' یوں ایک گھنٹے کے اندر اندر ان دونوں کا نکاح پڑھا دیا گیا' ان کے نکاح کے بعد مشتاق صاحب اس قدر پرسکون ہو گئے' جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ ان کے سر سے ہٹ گیا ہو' اور نکاح کے اگلے دن ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

یہ صدمہ اس قدر شدید تھا کہ سب کو اس صدمے سے باہر نکلنے میں کافی ٹائم لگا' صبا تو جیسے اس دن کے بعد سے بالکل خاموش سی ہو گئی تھی۔

''یہ کیا ہو گیا بابا جانی! ابھی تو میں نے آپ سے بہت ڈھیر سارا لڑنا تھا بہت ساری شکایتیں کرنی تھیں یہ اچانک کیا ہو گیا''۔ وہ ابھی بھی لان میں بیٹھی یہی سوچ رہی تھی جب حسن نے باہر جاتے اس کو دیکھا۔

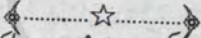
''بہت بڑی ذمہ داری ڈال گئے آپ مجھ پر میں کس طرح نبھاؤں گا''۔ اس نے سوچتے ہوئے ایک گہرا سانس خارج کر کے اس کو دیکھا جو اتنے ٹھنڈے موسم میں بغیر کسی گرم چیز کے بیٹھی تھی۔

''صبا......'' اس نے آواز دی۔

''صبا......'' اس نے دوبارہ آواز دی' تب کہیں وہ چونکی۔

''جی......'' اس نے نظر اٹھا کر آواز دینے والے کو دیکھا۔

''چلو اندر آؤ باہر اتنی ٹھنڈ ہو رہی ہے''۔ اس نے نکاح کے بعد اس سے پہلی بات کی تھی' جس کے جواب میں وہ بغیر کچھ کہے اٹھ کر اندر جانے لگی۔

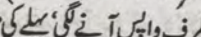


''صبا بیٹا! سنبھالو اپنے آپ کو' جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے لیکن ہمارے آنسو ان کے لئے بہت تکلیف کا باعث بنتے ہیں''۔ وہ ابھی بھی سپارہ پڑھتے پڑھتے رونے لگی تو فیروزہ بیگم نے آ کر اس کو سمجھایا' صبا تو ویسے ہی ان کو بہت پسند تھی اور اب بہو بن جانے کے بعد اور عزیز ہو گئی تھی۔

''چلو شاباش اپنے آنسو صاف کرو' دیکھو کتنے لوگ آپ کے لئے پریشان ہیں' خود کو پہلے جیسا بناؤ اور ہنسو مسکراؤ''۔ انہوں نے پیار سے اس کے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

''اٹھو شاباش! منہ ہاتھ دھو کر باہر آؤ زین اور اریبہ تم سے ملنے کے لئے آئے بیٹھے ہیں''۔ وہ اس کو بتانے لگیں۔

''جی بہتر آتی ہوں''۔ فیروزہ اس کا جواب سن کر اوپر چلی گئیں۔



اور پھر واقعی وہ آہستہ آہستہ زندگی کی طرف واپس آنے لگی' پہلے کی طرح وہ شوخی تو نہ تھی' لیکن وہ سب کے ساتھ ہنسنے ہنسانے ضرور لگی تھی۔

''صبا یار! تمہاری تیاری ابھی تک مکمل نہیں ہوئی میں نے تم سے کل کہا تھا حد ہو گئی یار تمہاری سستی اور کاہلی کی''۔ زین تیز تیز بولتا ہوا اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

''آ رہی ہوں بابا ایسی بھی کیا جلدی ہے آرام سے چلیں گے''۔ صبا نے لپ اسٹک کا آخری جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

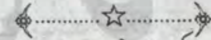
''اوہ......اوہ......کیا بات ہے ان کی صاحب وہاں اریبہ' رانیہ' عمیر' سمیر' عدیل سب کے سب گاڑی میں بیٹھے ان کے انتظار میں سوکھے جا رہے ہیں اور یہ فرما رہی ہیں کہ جلدی کیا ہے''۔ زین نے بے حد تپ کے جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اچھا بھئی چلو"۔ صبا نے اس کے شور مچانے پر کہا اور دونوں آگے پیچھے کمرے سے باہر نکلے۔

"اچھا امی! میں جا رہی ہوں"۔ اس نے حسب عادت کچن کی طرف منہ کر کے آواز لگائی' اس کی آواز پر چونک کر حسن نے اس کی طرف دیکھا جو تیز تیز قدم اٹھاتی باہر کی طرف جا رہی تھی ناگواریت کی بہت سی لکیریں اس کے ماتھے پر نمودار ہو گئیں۔

"داداجان نے انجانے میں صبا کے ساتھ کتنی زیادتی کر دی اور اس سے زیادہ میرے ساتھ"۔ اس نے بے اختیار سوچا اور پھر دوبارہ سر جھٹک کر اپنے کاموں میں مشغول ہو گیا۔



"امی! مجھے پھپھو کی طرف جانا ہے کسی سے کہیں کہ مجھے چھوڑ آئے"۔ وہ شام سے ان سے کہہ رہی تھی' لیکن کوئی سن ہی نہیں رہا تھا' سمیر اور عمیر کے پیپرز ہو رہے تھے اور وہ ان کی تیاری میں لگے ہوئے تھے' عدیل ابھی چھوٹا تھا' اس نے زین کو فون کر کے کہا کہ مجھے لینے آ جاؤ تو اس نے بھی صاف انکار کر دیا' اس کو بے تحاشہ گالیوں سے نوازنے کے بعد اب وہ صبیحہ خاتون کے سر پر سوار تھی کہ کوئی تو اسے لے جائے۔

"امی! آپ سمیر یا عمیر میں سے کسی کو کہہ دیں پیپر تو ان کے دو دن کے بعد ہیں' صرف پندرہ منٹ کی تو بات ہے پلیز"۔

"دیکھو بیٹا! میں نے ان سے کہا تو تھا' اب انہیں پڑھتے ہوئے کیسے اٹھاؤں' کبھی کبھی تو وہ پڑھنے بیٹھتے ہیں تم کل صبح اپنے ابو کے ساتھ چلی جانا' وہ آفس جاتے ہوئے چھوڑ جائیں گے"۔ انہوں نے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں تو آج ہی......"

"کیا ہوا چچی جان! کوئی مسئلہ ہے کیا......؟" حسن نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے کہا' اس کو آتا دیکھ کر صبا ایکدم چپ ہو کر دوسری چیزوں کو دیکھنے لگی' حسن نے اس بات کو خاص طور پر نوٹ کیا۔

"ہاں صبا بیگم! تمہیں کیا ضرورت ہے میرے سامنے بات کرنے کی تمہارے لئے تو زین ہی کافی ہے"۔

"نہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہے' بس یہ صبا روشانہ کے ہاں جانے کو کہہ رہی تھی لیکن کوئی لے کر ہی نہیں جا رہا تم کیا ابھی فارغ ہو......؟" صبیحہ بیگم کی آواز اسے سوچوں کے بھنور سے باہر کھینچ لائی۔

"جی' مجھے کیا مصروفیت ہو گی"۔ اس نے ایک طنزیہ نظر سامنے کھڑی صبا پر ڈال کر کہا۔

"تو پھر تم ہی اس کو چھوڑ آؤ"۔ ان کی بات پر صبا نے ایکدم ان کی طرف دیکھا۔

"لیکن امی......"

"اگر تمہیں چلنا ہے تو دس منٹ کے اندر اندر باہر آ جاؤ' میں گاڑی میں بیٹھا ہوں"۔ حسن نے ایکدم صبا کی بات کاٹ کر کہا اور باہر چلا گیا' جبکہ وہ شدید بے بسی کے حصار میں کھڑی رہ گئی۔

کافی دیر کے بعد جب وہ باہر آئی تو اس کی آنکھیں روئی روئی سی تھیں' حسن تو پہلے ہی غصے میں تھا اس کی سرخ روئی روئی سی آنکھیں دیکھ کر تو اس کا ٹیمپر ہی لوز ہو گا' اس کے بیٹھتے ہی اس نے تیزی سے گاڑی کو ریورس کیا۔

"میں نے کہا بھی تھا دس منٹ پھر بھی اتنی دیر کیوں ہوئی ایسی کون سی تیاریاں تھیں جو ختم ہی نہیں ہو رہی تھیں"۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس سے گویا ہوا تو جیسے اس کے لہجے میں سانپ پھنکار رہے تھے' صبا خاموش رہی۔

"اور اگر اتنا ہی برا لگ رہا تھا میرے ساتھ آنا تو پہلے ہی کہہ دیا ہوتا' فضول میں اتنے آنسو ضائع کیے تم نے اپنے"۔ وہ اس سے مزید گویا ہوا۔

"میں تم سے بات کر رہا ہوں جواب کیوں نہیں دے رہی ہو میری بات کا"۔ اب کے وہ اس کے چپ رہنے پر اتنی زور کا دھاڑا کہ صبا پوری کی پوری جل کر رہ گئی' بے اختیار آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپکنے لگے۔

"دیکھو صبا! اگر تم روئی نا تو میں گاڑی یہیں کسی سے ٹکرا دوں گا' سخت زہر لگتے ہیں وہ لوگ مجھے جو بات بات پر آنسو بہانے کھڑے ہو جاتے ہیں"۔ گو کہ آواز اس کی اب ہلکی تھی لیکن لہجہ اب بھی آگ برسا رہا تھا۔

"آپ گھر واپس چلیں مجھے گھر جانا ہے"۔ اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں گھر جا کر میری شکایت کرو گی"۔ اس نے جیسے صبا کا مذاق اڑایا تھا۔

"آپ گھر واپس چلیں ورنہ میں پھپھو کے ہاں بھی نہیں جاؤں گی"۔ اس نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ضد جاری رکھی' جب کہ حسن پر اس کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔

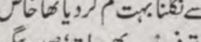
"آپ گاڑی واپس موڑ رہے ہیں یا میں کود جاؤں؟" صبا نے اچانک اسے دھمکی دی' اس کی بات پر حسن نے اس کو ایسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ ہمت ہے' صبا نے ایک نظر پلٹ کر اس پر ڈالی اور دوسرے ہی پل وہ دروازہ کھول کر کودنے ہی والی تھی کہ اگر حسن اس کو واپس نہ کھینچ لیتا تو شاید پیچھے سے آنے والی گاڑیوں نے اسے کچل کر رکھ دیا ہوتا' صبا کو پکڑنے کے چکر میں گاڑی بھی ڈس بیلنس ہو کر فٹ پاتھ پر چڑھ گئی' حسن کا ہاتھ بے اختیار صبا پر اٹھ گیا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے' پاگل ہو گئی ہو کیا جو کودنے چلی ہوا بھی اگر میں نہ پکڑتا تو پتہ ہے کیا ہوتا......؟" حسن تو جیسے غصے سے پاگل ہی ہو گیا تھا۔

"کیا ہوتا زیادہ سے زیادہ مر ہی جاتی ناں"۔ صبا نے اس کو رونے کے ساتھ جواب دیا۔

"شٹ اپ مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو اکیلے جا کر مرنا میرے سر کیوں دینا چاہتی ہو اپنی موت' نان سینس مر ہی جاتی ہو نہہ...... جب سے میری زندگی میں آئی ہو دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے میرا' ایک پل کو سکون میسر نہیں ہوتا پتہ نہیں کہاں پھنس گیا ہوں میں"۔ وہ بہت ہی زہر خند لہجے میں بول رہا تھا پورے راستے وہ اس قدر ریش ڈرائیونگ کرتا گھر واپس آیا تھا صبا کو اس وقت اتنا ڈر نہیں لگا جتنا اس وقت لگا تھا' گھر پہنچنے پر بھی وہ تیزی سے اتر کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے لاؤنج میں لایا جہاں سب بزرگ جمع تھے' حسن نے اس کو فیروزہ بیگم کے سامنے پٹختے ہوئے کہا۔

"سنبھالئے اس کو مرنے کا جنون سوار ہے اس کے سر پر' پتہ نہیں میرے کس گناہ کی سزا ملی ہے"۔ وہ بہت ہی غصے میں کہتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا' جب کہ سب اس کے جانے کے بعد صبا کی طرف متوجہ ہوئے جو بے ہوش ہو چکی تھی۔



اس دن کے بعد سے صبا نے کمرے سے نکلنا بہت کم کر دیا تھا خاص کر جب حسن گھر میں ہوتا تو وہ کمرے سے باہر ہی نہ جاتی' جبکہ حسن بھی اگر اس کو دیکھتا تو فوراً منہ پھیر لیتا' صبیحہ بیگم ان دونوں کو دیکھ کر ہولتی رہیں کہ جانے کیا ہو گا' جبکہ ان کے بجائے فیروزہ بیگم قدرے مطمئن تھیں' ان کا خیال تھا کہ دونوں سمجھدار ہیں وقتی غصہ ہے جب باہر آئیں گے تو سمجھ جائیں گے۔

"رانیہ! مجھے چائے ملے گی بھی یا نہیں کب سے بیٹھا ہوں' لیکن تم نے چائے کا بھی نہیں پوچھا"۔ زین کافی دیر سے یا ہوا تھا اب جب اسے چائے نہ ملی تو پھر اس نے آواز لگا دی۔

"وہ ایسا ہے کہ چائے تو آپ کو مل جائے گی لیکن آپ کو پہلے ایک کام کرنا ہو گا"۔ رانیہ نے اس کو جواب دیا۔

"آپ کے لئے تو ملکہ عالیہ بندہ اپنی جان بھی دے سکتا ہے"۔ زین نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”آپ صرف یہ کریں کہ صبا کو باہر لے آئیں اور بس“۔اس نے جھجک کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔
”بس اتنی سی بات یہ کام تو بالکل ایسے ہو جائے گا“۔اس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔
”بس تو پھر آپ کو چائے بھی ایسے ہی مل جائے گی“۔رانیہ نے اس کی نقل اتارتے ہوئے کہا‘ جس پر وہ ہنستا ہوا صبا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔
”کیا ہے بھئی ہاتھ چھوڑو میرا‘ میں نے کہا نا ایک بار نہیں آنا مجھے پھر کیا زبردستی ہے“۔وہ زین کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ زین اس کو لیتا ہوا لاؤنج میں آ گیا جہاں رانیہ سب کو چائے سرو کر رہی تھی۔
”اوہو تو زین بھائی آپ بالآخر کامیاب ہو ہی گئے“۔اس کو صبا کے ساتھ آتا دیکھ کر سب سے پہلے عمیر چیخا۔ حسن نے پلٹ کر جو دیکھا تو صبا کا ہاتھ زین کے ہاتھ میں دیکھ کر اس کی بھنویں تن گئیں۔
”رانیہ! چائے لے آؤ کیونکہ صبا کو میں لے ہی آیا“۔اس نے رانیہ کے قریب آتے ہوئے کہا۔
”زین! میں آخری دفعہ کہہ رہی ہوں کہ ہاتھ چھوڑو میرا ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گی“۔صبا نے اس کو دھمکی دیتے ہوئے کہا‘ جبکہ اس کی بات کا زین پر کوئی اثر نہ ہوا۔
”زین یار! چھوڑ دے ناں اس کا ہاتھ“۔بے اختیار ہی وہ بول پڑا۔
”اوہو......“ سب سے پہلے سمیر کی آواز آئی جبکہ عمیر اور عدیل کو ایک ساتھ کھانسی کا دورہ پڑا‘ جبکہ سب کے چہروں پر بھی دبی دبی مسکراہٹیں نمودار ہو چکی تھیں۔
”شٹ اپ سمیر“۔وہ سب کو مسکراتا دیکھ کر ایک دم خجل سا ہو گیا‘ زین نے اس کے کہنے کے بعد فوراً ہی صبا کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا‘ جس پر وہ فوراً ہی واپس مڑ گئی اس کے جانے پر زین بھی برے برے منہ بناتا چائے پینے لگا۔

☆

”سوری نا یار! آئی ایم ویری سوری اس دن میں بہت غصہ میں تھی نا دیکھو معاف کر دو اچھا آئندہ نہیں کروں گی نا ایسا دیکھو تم تو میرے بہت اچھے دوست ہو نا“۔زین نے اس دن کے بعد سے صبا سے بات کرنا چھوڑی ہوئی تھی‘ صبا کا خیال تھا کہ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا‘ لیکن جب زین نے بات نہیں کی تو اس نے سوچا کہ آج وہ خود ہی منا لے‘ سو وہ اس کو کافی دیر سے منانے میں لگی ہوئی تھی اور وہ نخرے دکھائے جا رہا تھا‘ جب حسن کمرے میں داخل ہوا‘ ان دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھ کر پھر اس کا دماغ گھومنے لگا‘ جب اس کو زین کی آواز آئی۔
”اچھا ٹھیک ہے ایک شرط پر راضی ہوں گا‘ اگر تم مجھے چائے کے ساتھ کچھ کھانے کے لئے بھی دو گی“۔وہ اس کی بات پر ہنستے ہوئے پلٹی جب اس کی نظر حسن پر پڑی‘ اس کی ہنسی کو ایکدم سے بریک لگے جبکہ زین بھی حسن کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔
”ارے یار! تم کب آئے......؟“ زین اس سے اٹھ کر مصافحہ کرنے لگا۔
”ابھی ابھی جب تم لوگ مصروف تھے“۔اس نے صبا کو دیکھ کر گہرا طنز کیا۔ صبا اس کی بات پر الجھتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی جبکہ وہ زین کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا۔

☆

” ! میں تمہاری کیسی کزن ہوں......؟“ صبا نے اس سے پوچھا وہ دونوں ابھی ابھی کام نمٹا کر سونے کے لئے آئی تھیں چونکہ دونوں کا کمرہ مشترکہ تھا اس لئے ان دونوں کو کوئی ضروری بات کرنا ہوتی تو وہ لوگ رات سونے سے پہلے کرتیں‘ ابھی بھی صبا کو بات کرنی تھی جس کی وہ تمہید باندھنا شروع کر چکی تھی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا یہ یکایک تمہیں تعریف کا دورہ کیوں پڑ گیا“۔رانیہ نے اس کی بات کو مذاق میں اڑایا۔
”نہیں! میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں تم سے کوئی بات پوچھوں تو تم مجھے اس کا بالکل صحیح جواب دو گی‘ کچھ چھپاؤ گی تو نہیں“۔صبا جیسے اس سے وعدہ لینے کے انداز سے مخاطب ہوئی۔
”کم آن صبا! آج تک میں نے تم سے کیا کیا چھپایا ہے جو تم اب مجھ سے اس طرح پوچھ رہی ہو“۔اب کے رانیہ نے کچھ خفگی سے کہا۔
”اچھا اگر ایسا ہے تو میں نے تم سے یہ پوچھنا تھا کہ تمہیں زین کیسا لگتا ہے؟“ رانیہ اس کی بات پر سٹپٹا سی گئی۔
”صبا! یہ کیسا سوال ہے زین بھائی مجھے بھی ویسے ہی لگتے ہیں جیسے سب کو“۔اس نے سنبھل کر جواب دیا۔
”اور سب کو وہ کیسا لگتا ہے......؟“ صبا نے فوراً ہی سوال داغا۔
”اچھے......“ ایکدم منہ سے نکل گیا جس پر صبا بے اختیار مسکرا اٹھی۔
”مطلب یہ ہے کہ وہ تمہیں بھی اچھا لگتا ہے“۔صبا اس کو مسلسل کنفیوژ کر رہی تھی۔
”ہاں......نہیں میرا مطلب ہے کہ نہیں“۔وہ مکمل طور پر گھبرا گئی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ صبا سے کیا کہے‘ اب تو اس کے جواب پر صبا کو اپنے قہقہے پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔
”چلو اب مذاق سے ہٹ کر بتاؤ کہ تمہیں زین کیسا لگتا ہے؟“ بالآخر صبا کو اس پر ترس آ ہی گیا۔
”اچھے ہی ہیں لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو“۔اب کے رانیہ نے اپنے تاثرات کو چھپاتے ہوئے پوچھا۔
”وہ ایسا ہے کہ زین تمہارے لئے اپنا رشتہ بھیجنا چاہ رہا ہے‘ اس نے تمہاری مرضی پوچھنی چاہی ہے“۔صبا نے سادہ سے انداز میں کہتے ہوئے انکشاف کیا صبا کی بات سن کر رانیہ یکدم بلش ہوئی۔
”ویسے تو مجھے صاف صاف لگ رہا ہے لیکن بہرحال تمہاری زبان کا اقرار ضروری ہے“۔صبا نے اس کی سرخ ہوتی ہوئی رنگت کو دیکھ کر اس کو چھیڑ کر کہا۔
”ویسے اگر تمہیں نہیں پسند تو کوئی مسئلہ نہیں‘ میں زین کو بتا دوں گی“۔صبا مسلسل اس کو چھیڑ رہی تھی رانیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔
”تمہاری خاموشی سے میں نے یہ اخذ کیا ہے کہ تمہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی میری بات سے“۔
”نہیں میں نے ایسا کب کہا؟“ اس نے صبا کو جواب دیا۔
”تو ڈیئر! آپ نے ویسا بھی نہیں کہا“۔صبا نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔
”صبا کی بچی“۔اس نے تکیہ اٹھا کر صبا کو مارا جسے اس نے کیچ کر کے اس سے ٹیک لگا لی۔
”تو پھر میں کیا جواب دوں زین کو......؟“ اس نے آرام سے لیٹے ہوئے کہا۔
”اب کیا لکھ کر دوں“۔رانیہ نے تپ کر پوچھا۔
”کیا......؟“
”یہی کہ......“ وہ کہتے کہتے ایکدم چپ ہو گئی۔
”یہی کہ......“ صبا نے اس کی بات کو دہراتے ہوئے اس کو ایک بار پھر چھیڑا۔
”صبا! اب کی بار تو تم میرے ہاتھوں قتل ہو ہی جاؤ گی“۔وہ بے انتہا جارحانہ انداز میں کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھی‘ جس نے ہنستے ہوئے کمبل کو منہ تک اوڑھ لیا تھا۔

☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

برابر رہ گئی تھی دونوں کا ایک دوسرے کے بارے میں ایک ہی جیسا خیال تھا کہ میں اس کو پسند نہیں، گو کہ نکاح کے بعد جب بھی دونوں کا ایک دوسرے سے جب بھی سامنا ہوا ہلچل دونوں کے جذبات میں ہوئی لیکن کبھی بھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔

''چائے ہی بنا رہی تھی میں تھوڑی دیر تو لگے گی ناں''۔ اس نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں شاید یہ دیر تھوڑی بھی نہ رہتی جب یہ تم سے زین مانگتا''۔ حسن نے اس پر طنز کیا۔

''کیا مطلب......؟'' وہ ایکدم پلٹ کر اس کو دیکھنے لگی۔

''اس کا مطلب اس قدر مشکل نہیں ہے صبا بی بی کہ تمہیں سمجھ ہی نا آسکے''۔ حسن نا جانے کیوں آج بہت تلخ ہو رہا تھا۔

''آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ میں زین کو''۔ اس سے تو صدمے کے مارے جملہ بھی پورا نہ ہو سکا۔

''ہاں یہی ہے''۔ حسن نے آرام سے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ نے میرے متعلق اس قدر فضول بات سوچی بھی کیسے شرم آنی چاہئے آپ کو......؟'' وہ تو غصے کے مارے پاگل ہونے لگی۔

''دھیرج ڈیئر دھیرج میں بھی آج تم سے یہی کہنے آیا ہوں کہ مجھے تمہارا زین کے ساتھ اس قدر فرینک رویہ بالکل پسند نہیں اور یہ کہ تم......''

''اسٹاپ اٹ مسٹر حسن! جسٹ اسٹاپ اٹ آپ کو کیا پسند ہے اور کیا نہیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا' آپ ہم دونوں کے متعلق اس طرح سوچتے ہوں گے میں نے تو یہ بات خواب میں بھی نہیں سوچی تھی''۔ وہ ایکدم اس کی بات کاٹ کر چیخ پڑی۔

''پھر حسن کو فرق پڑے گا میری پسند ناپسند سے ہاں جواب دو''۔ وہ چلتا ہوا اس کے پاس آیا اور کیبنٹ پر ہاتھ رکھ کر اس طرح سے کھڑا ہوا کہ صبا کے لئے جانے کا راستہ بند ہو جائے۔

''مجھے نہیں پتہ آپ جائیں یہاں سے''۔ وہ ایکدم سے رخ پھیر گئی ویسے بھی وہ دل ہی دل میں اس کے اس قدر قریب آنے پر بے انتہا جھنجھلا رہی تھی۔

''جواب دو میری بات کا صبا! میری زندگی ویسے ہی بہت عذاب میں ہے' مجھے نکالو اس عذاب سے باہر اگر تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو تو بتا دو میں تمہیں آزاد کر......''

''چپ ہو جائیں خدا کے واسطے چپ ہو جائیں آپ' آپ کو خدا کا واسطہ ہے آپ میرے کردار کو اور گندا مت کریں''۔ وہ ایکدم ہی زور زور سے رونے لگی جبکہ وہ اس کو روتا دیکھ کر کچن سے باہر نکل گیا۔

❖............☆............❖

اس نے بات کرنا سب سے چھوڑ دی تھی' حتیٰ کہ زین کا بھی فون آتا تو وہ منع کروا دیتی سب ہی اس کے اس رویئے کی وجہ جاننے سے قاصر تھے' آنکھیں بھی ہر وقت سوجی ہوئی رہتیں' ابھی سب گھر والے امی میں الجھے تھے کہ روشانہ پھپھو نے زین کے لئے رانیہ کو مانگ لیا' یوں گھر میں ایک نئی ہلچل کا آغاز ہوا۔

رشتہ منظور ہوتے ہی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے' کیونکہ وہ ڈیڑھ مہینے میں رخصتی چاہتی تھیں اور اس شادی کے ساتھ ساتھ فیروزہ بیگم نے بھی صبا کی رخصتی مانگ لی یوں ہر وقت ایک ہنگامہ سا نظر آنے لگا طے یہ پایا تھا کہ رانیہ کی شادی کے ایک ہفتے بعد صبا کی رخصتی کی جائے گی' تاکہ دونوں ایک دوسرے کی شادیوں کو زیادہ اچھی طرح

''تم مجھے نہیں بتاؤ گی کہ رانیہ نے کیا کہا......؟'' اب کے زین نے خاصے تپے ہوئے لہجے میں اس سے سوال کیا' بس پھر وہ بے اختیار ہنس پڑی وہ کافی دیر سے اس سے اریبہ کا جواب پوچھ رہا تھا اور وہ مسلسل تنگ کئے جا رہی تھی۔

''سن سکو گے اس کا جواب......؟'' اس نے سسپنس پھیلایا۔

''الحمد اللہ ابھی اتنی قوت ہے میرے اندر''۔ زین نے فخر سے سینہ پھلایا۔

''انکار کر دیا ہے اس نے''۔

''کیا......؟'' زین کا کیا اس قدر بلند تھا کہ کمرے میں بیٹھے سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''کیا ہوا زین بیٹا؟'' سب سے پہلے حبیب صاحب نے اس سے پوچھا۔

''نہیں کچھ نہیں انکل''۔ اس نے ان کو مطمئن کیا پھر جب تک سب نے پوری طرح اطمینان نہیں کر لیا وہ دوبارہ صبا سے مخاطب نہیں ہوا۔

''صبا! تم جھوٹ تو نہیں بول رہی ہو......؟'' اس نے خاصی مشکوک نظروں سے صبا کو دیکھا۔

''نہیں''۔ جواباً وہاں سے ایک ہی لفظ سننے کو ملا۔

''میں ابھی اس سے پوچھ کر آتا ہوں''۔ وہ ایکدم جانے کے لئے اٹھا تو صبا نے بے اختیار اس کا بازو پکڑ کر روکا۔

''ارے یار! سنو تو میں مذاق کر رہی تھی' وہ دل و جان سے پوری طرح راضی ہے اب یہ بتاؤ کہ پھپھو کو کب بھیج رہے ہو......؟'' اس نے بتاتے ہوئے پوچھا۔

''صبا کی بچی تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی''۔ اس نے صبا کی چوٹی کو کھینچتے ہوئے کہا۔

''سوری یار! اچھا اب میرے بال چھوڑو''۔

''ایک شرط پر کہ تم میرے لئے بہت اچھی سی چائے بنا کر لاؤ گی''۔ اس نے حامی بھری پھر کہیں جا کر زین نے اس کے بال چھوڑے جبکہ یہ منظر دیکھ کر حسن کا غصہ کن انتہاؤں کو چھو رہا تھا اس کا اندازہ مشکل ہی تھا۔

❖............☆............❖

وہ رات کو کچن کی صفائی کر رہی تھی جب حسن کچن میں داخل ہوا اس کو آتا دیکھ کر وہ صرف ایک لمحے کو چونکی اور پھر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

''مجھے ایک کپ چائے چاہئے''۔ حسن نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا......'' وہ جواب دے کر دوبارہ کام میں لگ گئی۔

''میں نے تم سے کچھ کہا ہے شاید''۔ تھوڑی دیر تک اس کو کام میں مگن دیکھنے کے بعد کہا۔

''ارے یہ یہاں پر ابھی تک بیٹھے ہوئے ہیں''۔ اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔

''ایک منٹ میں ذرا یہ کام مکمل کر لوں تو......''

''ایک منٹ نہ آدھا منٹ ابھی فوراً''۔ حسن نے اس کی بات کو کاٹتے ہوئے کہا' جواب میں وہ خاموشی سے پانی رکھنے لگی۔

''یہ تم چائے بنا رہی ہو کہ پائے''۔ وہ ایک بار پھر اس سے گویا ہوا۔

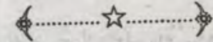
''یہ انہیں کیا ہوا ہے''۔ صبا بے اختیار سوچنے لگی' نکاح کے بعد دونوں کے درمیان بات چیت نہ ہونے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے انجوائے کرسکیں، حسن زیادہ تر گھر سے باہر رہنے لگا تھا' اس کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ صبا سے کس طرح معذرت کرے اور جب سے فیروزہ بیگم کی زبانی اس کو یہ پتہ چلا تھا کہ ان دونوں کو ملانے میں صبا ہی کا ہاتھ ہے تو شرمندگی کا ایک احساس ہر وقت غالب رہنے لگا تھا' لیکن وہ بھی کیا کرتا' اس کو زندگی کے ایک موڑ پر اسی طرح کا دھوکہ ملا تھا تب سے وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

اصل میں قصہ کچھ یوں تھا کہ ایم بی اے کے لاسٹ ایئر میں اس کی دوستی ایک مہناز نامی لڑکی سے ہو گئی اور جلد ہی پسندیدگی میں ڈھل گئی' مہناز اپنے ایک کزن کے ساتھ بہت زیادہ فرینک تھی جو ان ہی کا کلاس فیلو تھا' حسن نے ایک دو دفع ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہم دونوں دوست ہیں اور بچپن سے ایسے ہی ہیں' حسن اسی طرح مہناز کو پسند کرتا رہتا اگر وہ اتفاق سے ایک دن مہناز کی اپنی دوست سے گفتگو نہ سن لیتا' وہ لڑکی مہناز کو کہہ رہی تھی کہ وہ آج کل کچھ زیادہ ہی حسن کے ساتھ دیکھی جا رہی ہے' جس کے جواب میں مہناز نے کہا کہ۔

''میں نے تو رضا (جو کہ اس کا کزن تھا) کے ساتھ شرط لگائی تھی کہ میں تمہیں حسن سے دوستی کر کے دکھاؤں گی' لیکن یہ بندہ گلے پڑنے لگا ہے اس لئے ویسے بھی چار ماہ بعد میری شادی رضا کے ساتھ طے ہے''۔ اور بھی بہت کچھ کہے جا رہی تھی اس بات سے بے خبر کہ اس کے پیچھے بیٹھا حسن سب کچھ سن چکا ہے' بس اس دن کے بعد سے ہر لڑکی مہناز جیسی اور ہر تعلق مہناز اور رضا جیسا لگتا وہ زین اور صبا کے بارے میں بھی ایسے ہی سوچتا تھا' گو اب اس کے دل سے بدگمانی کے بادل چھٹ چکے تھے' دیر سے ہی سہی لیکن اب اس کو صبا کو منانا تھا اس سے اپنی ہر خطا کی معافی مانگنی تھی اس نے عزم کیا اور ایکدم ہلکا پھلکا ہو کر مسکرا دیا۔



''مہندی سے لکھ دوری ہاتھوں پہ سکھیوں میرے سنوریا کا نام''۔ وہ بہت زیادہ سُر میں سب کزنز کے ساتھ مل کر گا رہی تھی جب حسن کمرے میں داخل ہوا' کل رانیہ اس سے ناراض ہو گئی تھی کہ وہ بالکل ہی اس کی شادی میں گانے نہیں گا رہی ہے اور دوسرے کاموں میں بھی حصہ نہیں لے رہی ہے تو اس لئے وہ بھی صبا کی شادی میں بالکل کام نہیں کرے گی' کچھ اس کی خفگی کے خیال سے اور کچھ صبیحہ بیگم کی ڈانٹ کے نتیجے میں وہ اس وقت یہاں موجود تھی اور ایک بار پھر سب میں قہقہے بکھیر رہی تھی جبکہ رانیہ کا خیال تھا کہ وہ اس کی دھمکی سے ڈر کر شامل ہوئی ہے۔

''اوہ پیا کا نام لیا اور پیا حاضر کیا بات ہے جی آپ کی سنوریا''۔ کسی شوخ کزن نے حسن پر فقرہ کسا۔

''پیا کا نام لیا کس نے تھا......؟'' حسن نے اپنی نگاہوں میں صبا کا روپ بساتے ہوئے کہا وہ سادے چکن کے سوٹ میں سیدھی مانگ کی چٹیا ڈالے ہوئے اس سادگی میں بھی قیامت ڈھا رہی تھی' اس کی بات پر جہاں ایک زوردار قہقہہ پڑا وہیں صبا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو آنکھوں میں شوق کا جہاں آباد کئے اس کو دیکھ رہا تھا۔

''جس کے آپ پیا ہیں وہی کہہ رہی ہوں گی''۔ عمیر نے آتے ہوئے جواب دیا' تھوڑی دیر میں یہ چھیڑ چھاڑ اس قدر بڑھ گئی کہ صبا کو اٹھ کر وہاں سے جانا پڑا۔

''منالیں گے تم کو بھی بیگم''۔ اس کو جاتا دیکھ کر حسن نے سوچا۔

''ارے کوئی تو میری بات سن لے' ہر کوئی اپنی اپنی میں لگا ہوا ہے''۔ فیروزہ بیگم کافی دیر سے آوازیں دے رہی تھیں' لیکن چونکہ مہندی آنے والی تھی اس لئے کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

''کیا ہوا امی! کیوں آوازیں دے رہی ہیں؟'' حسن نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''ارے کیا کروں میں بھی کب سے کہہ رہی ہوں کہ کوئی مجھے صبا کے پاس سے گجروں کا شاپر لا دے' لیکن مانو کہ یہاں پر کوئی سن ہی نہیں رہا''۔ انہوں نے اس کو پریشانی بتائی۔

''میں لا دوں کہاں ہے صبا......؟'' حسن نے کہا۔

وہ ویسے بھی یہ محسوس کر رہی تھیں کہ حسن کچھ بدلا بدلا ہے۔

''وہ اپنے کمرے میں ہوگی''۔ تو وہ اس کے روم کی طرف بڑھ گیا۔

''صبا وہ امی کہہ......'' وہ جیسے ہی دستک دیتا اندر داخل ہوا صبا کی طرف اٹھی اس کی پلکیں جیسے جھپکنا بھول گئیں۔

''آپ یہاں......؟'' حسن کو اپنے کمرے میں دیکھ کر گھبراہٹ میں اس کے منہ سے یہی نکلا نظریں بے اختیار دوپٹے کی تلاش میں دوڑیں جو بیڈ پر پڑا تھا' جس وقت حسن کمرے میں داخل ہوا وہ پہلے چوڑی دار پاجامے اور گوٹا لگی قمیص میں ملبوس دونوں ہاتھوں میں بھر بھر کر چوڑیاں پہن رہی تھی دوپٹہ اوڑھنے کے بعد وہ دوبارہ جا کر چوڑیاں پہننے لگی تو حسن جیسے اپنے حواسوں میں واپس لوٹا۔

''کیوں میرا یہاں آنا منع ہے......؟''

''یہاں گھر کے کسی بندے کا آنا منع نہیں''۔ وہ جواب دے کر دوبارہ اپنے کام میں اس طرح مشغول ہو گئی جیسے اس کے علاوہ کمرے میں کوئی دوسرا نہ ہو۔ صبا کی اس حرکت پر ایک لمحے کو تو وہ کھول کر رہ گیا۔

''مجھے گجرے کا شاپر چاہئے''۔ اپنے غصے پر قابو پانے کے بعد وہ اس سے مخاطب ہوا۔

''ڈرائنگ ٹیبل پر رکھا ہوا ہے لے لیں''۔ وہ اسی طرح مصروف انداز میں گویا ہوئی۔

''لا کے دو مجھے''۔ اب کے اس کے انداز میں حکم تھا' صبا نے اس کو پلٹ کر دیکھا وہ دونوں بازو سینے پر لپیٹے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا اسی کو دیکھ رہا تھا' وہ اٹھی اور اس کو شاپر لا کر دینے لگی۔

''واؤ لائیک آ گڈ وائف''۔ صبا کے ہاتھ سے شاپر لیتے ہوا وہ بولا وہ شاپر اس کو دینے کے بعد کمرے سے باہر جانے لگی تو حسن نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا وہ حیران سی ہو کر پلٹی۔

''ہاتھ چھوڑیں میرا''۔

''اس لئے تو نہیں پکڑا''۔ وہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔

''دیکھیں مسٹر حسن......''

''دکھائیے مسز حسن''۔

''میں نے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی ہاتھ چھوڑیں''۔ وہ مسلسل ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میں نے تم سے کچھ بات کرنی تھی''۔ حسن نے اس کے سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی' مجھے جانے دیں''۔

''میری بات سن لو پھر چلی جانا''۔

''میں نے کہا نا مجھے کوئی بات نہیں سننی''۔ مسلسل ایک ہی تکرار جاری تھی۔

''اگر نہ جانے دوں تو......؟'' حسن نے ابرو اوپر اٹھا کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تو......'' صبا نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ کو ایک بہت زوردار جھٹکا دیا' جھٹکا اتنا زوردار تھا کہ حسن کی مضبوط گرفت کی وجہ سے ہاتھ کی بہت سی چوڑیاں ٹوٹ کر کلائی میں چبھ گئیں۔

''سس......'' صبا کے منہ سے بے اختیار سسکی نکلی۔

''یہ کیا حرکت تھی صبا' رکو میں دوا لگاتا ہوں''۔

''بہت شکریہ کتنے زخموں پر مرہم لگائیں گے حسن صاحب یہاں تو روح تک گھائل ہے' آپ کے دیئے گئے زخموں سے''۔ وہ کہہ کر فوراً ہی کمرے سے باہر چلی گئی کہ مبادا کہیں ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ ہی نہ جائے جبکہ حسن تو ساکت رہ گیا تھا اس کے جملوں پر۔

............☆............

''ارے بھئی حسینائیں' مہ جبیں نائیں اور ان سب کے پردے میں چھپی ہوئی بلائیں باہر مہندی آ چکی ہے اور استقبال کے لئے کوئی بھی نہیں ہے' کیا آپ لوگ باہر آنا پسند کریں گی''۔ سمیر نے جلدی جلدی تیار ہوتی اپنی کزنز کو کہا۔

''کیا مہندی آ گئی......؟ ارے کب آئی۔ ارے میرا دوپٹا تو لا دو''۔ سمیر کے اعلان کے بعد کمرہ اس قسم کی آوازوں سے گونج اٹھا ہر کوئی جلدی جلدی کا شور مچانے لگا۔

''حد ہو گئی ہے ان لوگوں کی تیاریاں ہی ختم نہیں ہو رہیں''۔ سمیر تپتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔

''سمیر یار! میرا ایک کام تو کر دے''۔ ابھی وہ باہر جا ہی رہا تھا کہ حسن نے اس کو آواز دی۔

''جی کہیے ایک آپ ہی رہ گئے تھے کام کروانے سے' سب نے تو رگڑ ڈالا ہے مجھے''۔ اس نے بھنا کر جواب دیا' آج رانیہ کی مہندی آ رہی تھی سب ہی کام میں لگے ہوئے تھے لیکن چونکہ بازار کے زیادہ تر چکر اس نے لگائے تھے اس لئے وہ بری طرح تھک گیا تھا۔

''چلو چھوڑو رہنے دو''۔ حسن کو اس کی حالت پر ترس آ گیا۔

''اب کہیں بھی''۔ سمیر نے چڑ کر کہا۔

''وہ یار! یہ قمیص استری کروانی تھی' لیکن تم تھکے ہوئے ہو تو رہنے دو میں کسی اور سے کہہ دوں گا''۔ حسن نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

''ویسے بھائی! سوچنے والی بات ہے کہ کسی اور سے کیوں اپنی بیگم سے کہیں نا''۔ اس نے سائیڈ سے گزرتی صبا کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے سمیر''۔ وہ اس طرح راستہ روکے جانے پر غصے میں تھی۔

''یار بھابی! میرا ایک کام بلکہ بھائی کا ایک کام کر دو یہ قمیص پریس کر دو' میں تو بہت تھک گیا ہوں اور اگر تم استری نہیں کرو گی تو میری گردن پھنسنی ہے کر دو پلیز''۔ صبا جو اس کے بھابی کہنے پر غصہ میں تھی اس کی تھکن زدہ حالت دیکھ کر اثبات میں سر ہلا گئی۔

''ہیں تم واقعی کر دو گی سچ''۔ سمیر نے حیرانگی سے پوچھا وہ بھی دونوں کے تعلقات کے بارے میں جانتا تھا' اس نے تو ایسے ہی کوشش کی تھی حالانکہ حسن اس سے کہہ چکا تھا کہ وہ کسی اور سے کہہ دے گا اور اس کا خیال تھا کہ حسن کا کام تو وہ بالکل بھی نہیں کرے گی۔

''ہاں بابا کر دوں گی کہاں ہے قمیض''۔ وہ جواب دیتی ہوئی حسن سے مخاطب ہوئی جس نے خاموشی سے قمیض

اس کی طرف بڑھا دی۔

''تمہارے ہاتھ کا زخم کیسا ہے......؟'' وہ اس کے بہت تیزی سے استری کرتے ہاتھ کو دیکھ کر پوچھ بیٹھا۔

''ٹھیک ہے''۔

''آئی ایم سوری میں تمہیں چوٹ نہیں دینا چاہتا تھا لیکن......''

''شرٹ استری ہو گئی ہے کہاں رکھوں......؟'' صبا نے ایکدم اس کی بات کاٹ دی۔

''لاؤ......'' وہ حسن کو شرٹ دے کر فوراً کمرے سے باہر آ گئی۔

............☆............

''آؤ آؤ دولہے راجہ ابھی بجاتے ہیں تمہارا باجا''۔ زین رسم کے لئے آ رہا تھا جب صبا نے اسے ڈرایا وہ بلیو بنارسی ساڑھی میں کندن کا سیٹ پہنے قیامت ڈھا رہی تھی۔

''یار! یہ کون ہیں کچھ پہنچانی نہیں جا رہیں''۔ اس نے صبا کے ساتھ کھڑے عمیر کو مخاطب کر کے صبا کو چھیڑا۔

''بے فکر رہیں زین بھائی! ابھی جب یہ رسم کریں گی نا تو آپ کی یادداشت واپس آ جائے گی''۔ عمیر نے بھی صبا کا پورا پورا ساتھ دیا۔

''اف یہاں تو مجھے سازشوں کا جال بچھا دکھائی دے رہا ہے''۔ زین نے کسی ماہر جاسوس کی طرح کہا زین کے اس طرح سے کسی جاسوسی کی بو سونگھنے کے انداز پر ایک زوردار قہقہہ پڑا۔

پھر جب فیروزہ بیگم اور صبیحہ خاتون نے رسم کرنے کے بعد اس کو رسم کرنے کے لئے کہا تو وہ ایکدم گھبرا سی گئی۔

''امی! ابھی اور بھی تو خواتین ہیں' میں بعد میں کر لوں گی''۔

''بیٹا! آپ ہماری بڑی بہو ہو' رخصتی نہیں ہوئی تو کیا ہوا' اس حوالے سے تم رانیہ کی بھابی ہو اور میرے بعد تمہیں ہی گھر کو سنبھالنا بھی ہے اس لئے جاؤ''۔ فیروزہ بیگم نے ماں سے الجھتی صبا کو بے حد پیار سے سمجھاتے ہوئے اس کو رسم کرنے کو کہا تھا' مجبوراً وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی رسم کرنے آ گئی۔

''کیا ہوا میرا باجا بجانے کا پروگرام منسوخ کر دیا کیا......؟'' زین نے اس کے انتہائی شریفانہ طریقے سے آ کر بیٹھنے پر چوٹ کی۔

''نہیں میں نے سوچا کہ شادی کے بعد تمہارا باجا بج ہی جانا ہے تو پھر میں اپنی انرجی کیوں ضائع کروں''۔ وہ بھی ایک نمبر کی ڈھیٹ تھی۔

''سچ کہوں تجربہ بول رہا ہے''۔ زین نے نہایت رازداری سے کہا۔ زین کے جملے پر اس کی نگاہیں بے اختیار اسٹیج سے کچھ فاصلے پر کھڑے حسن کی طرف اٹھیں' وہ بھی اسی کی طرف متوجہ تھا اپنی طرف صبا کو دیکھتا پا کر دھیمے سے مسکرا دیا' صبا نے تیزی سے نظروں کا زاویہ بدلا' جیسے کوئی چوری کرتی ہوئی پکڑی گئی ہو۔

''اوئے ہوئے تم لوگوں کا تو نظروں کا مواصلاتی سسٹم بھی بہت زبردست ہے یار''۔ زین کی زیرک نگاہوں سے یہ سب کچھ پوشیدہ رہ سکتا ہے۔

''زین کے بچے''۔ صبا نے دانت پیس کر اسے دیکھا اور دونوں ہاتھوں میں ابٹن بھر کر اس کی طرف لپکی وہ بھی پہلے سے ہوشیار تھا ایکدم پیچھے ہٹ کر بھاگا' سب ہی اس مزے دار سچویشن سے مزہ لینے لگے۔

زین ''بچاؤ بچاؤ'' کی فریاد کرتے ہوئے آگے آگے اور صبا ہاتھوں میں ابٹن بھرے پیچھے پیچھے۔

''حسن یار! پلیز تم ہی کچھ کرو' بچاؤ مجھے اپنی حسین بلا سے''۔ زین بھاگتا ہوا حسن کے پاس آ کر فریاد کرنے لگا اور

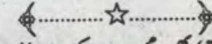
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ صبا اور زین کو ساتھ دیکھ کر اس کے ماتھے پر کوئی شکن نہیں ابھری تھی بلکہ وہ بھی اس مزیدار سی سچویشن سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"یار! میں تو خود کو نہیں بچا پایا اس حسین بلا سے تمہیں کیا بچاؤں"۔ حسن نے ہنستے ہوئے زین کو جواب دیا اس کے جواب پر پوری محفل جیسے قہقہوں سے گونج اٹھی' جبکہ صبا نے حسن کو ایسے دیکھا جیسے اس کا دماغ خراب ہو جانے کا شبہ ہوا ہو۔

"شرم کرو لڑکی ابھی تمہاری رخصتی نہیں ہوئی ہے' اور تم اپنے میاں کو ایسے دیکھ رہی ہو جیسے......" زین نے اس کو حسن کو دیکھنے پر شرارت سے چھیڑا اس کی رنگت تمتما اٹھی۔

"زین! تمہیں تو میں آہ......" اس کا پاؤں نا جانے کیسے ساڑھی سے الجھ گیا تھا' اگر حسن جھک کر فوراً اس کو پکڑ نہ لیتا تو یقیناً زمین بوس ہو جاتی' یکدم ہی جیسے بہت سے کیمروں کے فلیش آن ہوئے' اس کو ایک لمحہ لگا تھا' حسن کی گرفت سے آزاد ہونے میں مگر وہاں کھڑے تمام کزنز ہی اس قدر شرارتی اور چلبلی فطرت کے مالک تھے پھر تو ہوٹنگ شروع ہوئی تو وہ بوکھلا کر ہی رہ گئی۔

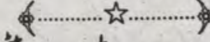


"لیکن مما میں ابھی رخصتی نہیں کرانا چاہتی' ابھی مجھے ماسٹرز کرنا ہے"۔

"تمہیں کوئی پڑھنے سے منع تو نہیں کر رہا' رخصتی کے بعد بھی تم پڑھ سکتی ہو"۔ صبیحہ بیگم نے اس کی پیشکش کو فوراً رد کیا۔

"آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں امی! مجھے ابھی رخصتی نہیں کرانی ساری عمر پڑی ہے"۔ صبا کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ماں کو کس طرح ٹالے' سمجھ تو اسے یہ بھی نہیں آ رہا تھا کہ حسن کو ہو کیا گیا ہے پہلے تو وہ اس سے اس قدر بدگمان تھا اور اب اتنی جلدی اس میں اتنا حیران ہونے والی کوئی بات نہیں ہے یہ تو طے تھا کہ تمہاری رخصتی ہونی ہے اب جلدی ہو کہ دیر سے کیا فرق پڑتا ہے"۔ انہوں نے اس کی حیرانگی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"فرق پڑتا ہے بہت فرق پڑتا ہے اور اگر میرے ساتھ کسی نے زبردستی کی تو میں یقیناً کچھ کر بیٹھوں گی"۔ وہ کہتے ہی فوراً کمرے سے باہر چلی گئی صبا کی باتوں نے انہیں پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا وہ فوراً ہی فیروزہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھیں تاکہ انہیں ساری صورتحال سے آگاہ کریں۔



دروازہ دھڑ کر کے کھلا تھا سامنے بیڈ پر صبا جو بے حد اطمینان سے بیٹھی ناول پڑھ رہی تھی اچھل کر کھڑی ہو گئی سامنے سے آتے بندے کو دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"کسی کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا اخلاقیات میں شمار ہوتا ہے اتنا تو معلوم ہوگا آپ کو"۔ وہ اس کے نزدیک آنے پر بولی۔

"میں کسی اور کے نہیں بلکہ اپنی بیوی کے کمرے میں آیا ہوں"۔ اس نے چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا۔

کہئے آپ نے یہ زحمت کیسے کی......؟" وہ رخ موڑے طنز کے تیر برسا رہی تھی۔

"رخصتی سے انکار کی وجہ بتاؤ؟" اس نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو موڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"میری مرضی اور ہاتھ چھوڑیں میرا"۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کروانا چاہا۔

"جب تک وجہ نہیں بتاؤ گی میں ہاتھ نہیں چھوڑوں گا"۔

"میں شور مچا دوں گی"۔

"مچاؤ شور گھر میں صرف سمیر اور عمیر ہیں جو گدھے گھوڑے بلکہ پورا اصطبل بیچ کر سو رہے ہیں تمہاری آواز پر صرف ملازمین آئیں گے جو کچھ نہیں کر سکتے"۔ حسن کے کہنے پر اس کو یاد آیا کہ امی اور تائی نے تو آج مارکیٹ جانا تھا۔

"کیوں شور مچانے کا پروگرام ترک کر دیا کیا......؟" اس کو خاموش کھڑا دیکھ کر اس نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا' اس کو آج صبح ہی ماما نے بتایا تھا کہ صبا نے بہت سختی سے رخصتی سے انکار کر دیا ہے' وہ صبا سے بات کرنے کے چکر میں آج گھر پر ہی رک گیا' یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ وہ دونوں کچھ ضروری چیزوں کی خریداری کے لئے بازار چلی گئیں تھیں۔

شدید بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے' آنسو دیکھ کر اس کی صبا کے ہاتھ پر گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

"سوری میں ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا' لیکن تم مان ہی نہیں رہی تھیں"۔ اس کا اشارہ صبا کے رونے کی طرف تھا۔

"دیکھو صبا! بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جو ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں وہ صحیح نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ہم اسے صحیح مانتے ہیں اور پھر جب' ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو کافی دیر ہو جاتی ہے"۔ اس نے ایک نظر خاموش بیٹھی صبا پر ڈال کر پھر سے اپنی بات کا سلسلہ جوڑا۔

"میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا' مجھے لگتا تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو اور......"

"آپ کو معلوم ہے یہ بات میرے لئے کتنی شرمناک تھی کہ آپ زین کے حوالے سے مجھ پر شک کر رہے ہیں اس کے بعد میرا دل چاہ رہا تھا کہ کاش میں یہ بات سننے سے پہلے مر جاتی"۔ صبا نے حسن کی بات کاٹ کر کہا اس کے لہجے میں موجود دکھ کو محسوس کر کے حسن کی شرمندگی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

"ہاں...... جب مجھے احساس ہوا کہ میں غلط تھا تو مجھے اپنے آپ سے بے انتہا نفرت محسوس ہوئی کہ میں نے دوستی جیسے پاکیزہ رشتے پر شک کیا"۔ حسن نے انتہائی شرمندگی سے اعتراف کیا۔

"اس کے بعد میں نے تم سے معافی مانگنی چاہی لیکن تم دانستہ طور پر مجھے نظرانداز کرتی رہیں اس لئے مجھے آج ایسا کرنا پڑا"۔

"آپ جانتے ہیں مجھے کس قدر تکلیف ہوئی تھی آپ کی باتوں سے' مجھے ایسا لگا تھا کہ جیسے کسی نے مجھے بہت اونچائی سے نیچے دھکا دیا ہو"۔ وہ ان باتوں کو یاد کر کے پھر سے رو دی۔

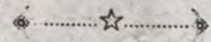
"ان تمام باتوں کے لئے اور ان تمام لمحوں کے لئے بھی جو تم نے اس اذیت میں گزارے ہیں میں تم سے معافی چاہتا ہوں' کہو تو کان بھی پکڑ لوں"۔ حسن کے کہنے کے انداز پر صبا بے اختیار ہنس دی۔

"سچ سچ بتاؤ صرف یہی وجہ تھی نا رخصتی سے انکار کی......؟" صبا اٹھ کر جانے لگی تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر پوچھ بیٹھا۔

"نہیں"۔ صبا نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑوایا لیکن شرارت پوری طرح اس کی آنکھوں میں ناچ رہی تھی۔

"پھر کیا وجہ تھی......؟" وہ یکدم پریشان سا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ ڈانٹتے کم ہیں اور ڈراتے زیادہ ہیں"۔ وہ کہتے ہی باہر کو بھاگی تھی جبکہ اس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں موند لیں کہ اب آگے کا سفر انتہائی سہل اور خوشگوار تھا۔



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

افشاں علی

ناولٹ

میں دھرتی تُو میرا سائبان

سنسان دوپہر میں دروازے پر ہوتی مستقل دستک اور وقفے وقفے سے بجتی بیل "فاروقی ہاؤس" میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی، مگر لگتا تھا جہاں گھر کے مکین گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے ہیں، وہیں مخالف بھی کافی



ڈھیٹ تھا، کافی دیر تک بھی جب دستک کا سلسلہ نہ تھما تو چاروناچار عطوفہ کو ہی اپنی بند ہوتی پلکوں کو کھولتے ہوئے کمرے سے باہر آنا پڑا۔

"آ رہی ہوں، ذرا صبر تو رکھو، اس ٹائم بھی چین نہیں"۔ نیند سے بوجھل آنکھوں کو پوری طرح کھولتے، سر پر دوپٹہ سیٹ کرتے وہ بڑبڑاتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھی، جہاں فائق ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ لیے کھڑا تھا۔

"آج کیا آپ کے ہاں صورِ اسرافیل پھونکا گیا تھا؟ کب سے کھڑا ہوں میں یہاں"۔ فائق نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو جوکر! کس نے کہا تھا کہ بھری دوپہر میں چندا مانگنے چلے آؤ"۔ عطوفہ نے بھی اپنی پیاری نیند سے جگائے جانے کا بدلہ اُتارا۔

"عطو آپی! میں چندا مانگنے نہیں بلکہ مٹھائی دینے آیا ہوں، ڈائجسٹ پڑھ پڑھ کر آئی سائیڈ ویک تو نہیں ہو گئیں؟" مقابل بھی فائق تھا، باز کہاں آتا۔

"خیر تو ہے، عید تو گزر گئی، اب کون سی مٹھائی؟" عطوفہ نے اسے گھر میں آنے کا راستہ دیتے ہوئے پوچھا۔



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ضروری ہے عید پر ہی مٹھائی دی اور کھائی جائے، ارے، یہ شادی کی مٹھائی ہے"۔ فائق لاؤنج میں رکھے صوفے پر بیٹھتے بلکہ گرتے ہوئے بولا۔

"اب تک تو کھوئے، پنیر، دودھ وغیرہ کی بنتی تھی مٹھائی، اب شادی سے بننے لگی، پر ہائے جوکر! کہیں تم شادی تو نہیں کررہے، وہ بھی اتنی سی عمر میں، اُف.....! کیا زمانہ آگیا ہے"۔ عطوفہ نے حیرت سے چودہ سالہ فائق کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب مٹھائی میں دینے آیا ہوں، تو اس کا ہرگز یہ تو مطلب نہیں کہ شادی میری ہو، جبکہ مجھ سے بڑے بھائی موجود ہیں"۔ فائق نے مٹھائی کا ڈبہ عطوفہ کی سمت بڑھاتے ہوئے کہا۔

"او..... اچھا تو تمہارے وہ کینیڈین بھائی کی شادی ہورہی ہے؟" عطوفہ نے خود سے ہی قیاس آرائی کی اور مٹھائی کا ڈبہ کھولتے ہوئے پاس پڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"اُف اللہ..... اسے معصومیت کہوں یا بے وقوفی، کہاں جاؤں میں، نہ میری شادی ہے نہ ہی بھیا کی، بلکہ میری آپی اور آپ کی عزیز از جان دوست فصیحہ آپی کی عنقریب شادی ہے اور یہ اُن کی ڈیٹ فکس ہونے کی مٹھائی ہے"۔ فائق نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے گویا عطوفہ کی کم عقلی کا افسوس کرتے ہوئے بظاہر دھماکہ ہی کیا جبکہ دوسری طرف عطوفہ کا منہ کے اندر گلاب جامن لے جاتا ہوا ہاتھ جوں کا توں رہ گیا۔

"کیا کہا تم نے، نیند میں تم ہو یا میں؟" عطوفہ نے گویا پھر سے تصدیق چاہی۔

"نیند میں تو آپ تھیں عطو آپی! میں اب چلتا ہوں کیونکہ اب بھی گھر نہ پہنچا تو سب میری گمشدگی کا اعلان ہی نہ کروادیں"۔ فائق نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور اگلے ہی پل عطوفہ کو گنگ چھوڑے گھر کے باہر تھا، اب عطوفہ کی نیند سے دشمنی ہوچلی تھی، سو نیند کہاں آتی، وہ بس لاؤنج میں بیٹھی گھر والوں کے لوٹنے کا انتظار کرنے لگی تاکہ جلد از جلد پھر وہ فصیحہ کے گھر جاسکے۔

☆............☆............☆

"ارے، ارے کون سے جنم کا بدلہ لینا ہے، بیل پر سے ہاتھ تو ہٹالو، چپک ہی تو نہیں گیا"۔ وہ جو بہت جھنجھلائی ہوئی تھی بیل پر ہاتھ رکھا تو ہٹانا ہی بھول گئی، جبکہ اندر سے آتی ملیحہ کی آواز پر اس کی جھنجھلاہٹ اور بڑھ گئی۔

"ارے کون سی آفت آگئی ہے عطو آپی!" ملیحہ نے گیٹ کھولا اور اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا، جبکہ وہ اسے اندر کی طرف دھکیلتی خود بھی اندر گھس آئی۔

"آفت تو میں بتاتی ہوں، کہاں ہیں وہ محترمہ؟" عطوفہ نے اندر آتے ہی چاروں طرف نظریں گھمائیں۔

"فصیحہ آپی! آپ جہاں کہیں بھی ہیں پلیز وہیں رہنا، آپ کی عزیز از جان دوست کے تیور آج ٹھیک نہیں، بہت خونخوار انداز میں وہ دھاوا بول چکی ہیں"۔ ملیحہ نے عطوفہ کے غصیلے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے فصیحہ کو اطلاع دی، اور اس سے پہلے عطوفہ کا ہاتھ حرکت میں آتا خود اپنے روم کی جانب رفو چکر ہوگئی۔

"کیا ہوگیا، خیر تو ہے ناں؟" تبھی فصیحہ بھی چلی آئی۔

"مجھ سے پوچھتی ہو خیر تو ہے..... یہ مٹھائی والا کیا مذاق تھا، جانتی ہو ناں ہم اپریل فول نہیں مناتے اور ویسے بھی اپریل فول تو ابھی آیا بھی نہیں تو پھر یہ کیا تھا؟" عطوفہ تو فصیحہ پر گویا چڑھ ہی دوڑی۔

"اُف..... چندا! ریلیکس..... اندر تو آؤ، میں بتاتی ہوں سب"۔ رفعت آنٹی نے کچن سے نکلتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ اندر ہال کی جانب بڑھ گئی۔

"ایکچوئیلی..... یہ رشتہ تو کتنے دنوں سے آیا ہوا تھا، تمہیں پتہ تو تھا ہی، پھر کچھ دن پہلے خاندان کے سب بڑوں نے چھان بین کروائی تو سب ٹھیک ٹھاک لگا، سب کچھ مناسب لگا تو انکار کا جواز بنتا ہی نہ تھا، اس لیے تمہارے انکل اور صمد وغیرہ کی فیملی نے یہی مناسب سمجھا

کہ منگنی کے بجائے ڈائریکٹ ہی شادی کی تقریب رکھی جائے، کیونکہ صمد کی اکلوتی بہن بھی آج کل پاکستان آئی ہوئی ہے، 3 ماہ کے لیے دبئی سے، پھر اس نے بھی واپس چلے جانا ہے، تو قصہ مختصر، آج ان محترمہ جنہیں آپ کی دوست اور میری بیٹی ہونے کا شرف حاصل ہے کی ڈیٹ فکس کردی گئی ہے، 2 ماہ بعد کی"۔ رفعت آنٹی نے پاس بیٹھی عطوفہ کو پوری تفصیل بتائی اور آخر میں فصیحہ کی طرف اشارہ کیا جو کولڈ رنک لیے چلی آئی تھی۔

"ٹھونسو منہ میں اور اپنے غصے کو ٹھنڈا کرو"۔ فصیحہ نے کولڈرنک کا گلاس اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

"ہائے..... کیا فلمی سین ہوگیا، جھٹ منگنی، ارے نہیں یوں کہنا چاہئے، جھٹ پٹ بیاہ"۔ فصیحہ کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے عطوفہ نے اُسے چھیڑا۔ جہاں دھیمی دھیمی مسکراہٹ اس کے خوش ہونے کا پتہ دے رہی تھی۔

"اچھا ہوا بیٹا! آپ آگئیں، میں آج رات تک آپ کی طرف چکر لگانے ہی والی تھی، شادی اتنی قریب رکھ تو لی ہے پر تیاری صفر ہے، سو آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی جو بھی کرنا ہے جلدی ہی کرنا ہے اور ہم سب نے مل کر ہی کرنا ہے، کیونکہ ایک تو ضرار بھی شادی سے محض کچھ دن پہلے ہی آئے گا"۔ رفعت آنٹی نے ماؤں والی فکرمندی سے کہا۔

"ارے آنٹی! یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے، آپ ٹینشن نہ لیں، ہم سب ہیں ناں، سب ہوجائے گا"۔ عطوفہ نے انہیں تسلی دی تو وہ مسکراتے ہوئے کچن میں چلی گئیں۔

"ہاں تو! [illegible] دیر ہوجائے ذرا"۔ عطوفہ نے رفعت آنٹی کے جانے کے بعد اپنا رُخ فصیحہ کی جانب موڑا۔

"کس کی تصویر؟" فصیحہ نے انجان بننے کی ایکٹنگ کی۔

"اچھا میری معصوم سی، بھولی سی بنو! شرافت سے دکھادو، ورنہ میں نے آنٹی سے کہہ دینا ہے، فصیحہ بے چاری کی مرضی ورضا تو پوچھ لیں، مجھے تو لگتا ہے یہ راضی نہیں"۔ عطوفہ نے فصیحہ کو بلیک میل کرتے ہوئے چھیڑا۔

"اُف..... توبہ یہ لڑکی، چلو آؤ، دکھاتی ہوں تصویر"۔ فصیحہ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"آہم..... اب آئی نا اونٹ میرے ہاتھ کے نیچے"۔ عطوفہ نے پورے محاورے میں ردوبدل کرتے ہوئے کہا اور فصیحہ کی تقلید میں اس کے روم کی جانب بڑھ گئی۔

☆............☆............☆

"ارے یہ آج اتنا سناٹا کیوں ہے بھئی گھر میں؟ میرے آنگن کی چڑیاں کہاں گئیں؟" حسن فاروقی جو ابھی لوٹے تھے گھر، اور گھر میں خاموشی کا راج محسوس کرتے ہوئے پوچھ بیٹھے۔

"فصیحہ کی عنقریب شادی جو ہے تو بس رفعت بیگم اور ان کی بیٹیوں کے ساتھ شاپنگ پر گئی ہیں دونوں"۔ بیگم فاروقی پانی کا گلاس لیے کچن سے نکلیں اور انہیں دیتے ہوئے بولیں۔

"او..... اچھا بھی کہوں آج سناٹا کیوں ہورہا ہے گھر میں، ورنہ کسی نہ کسی کونے سے ان کے چہچہانے کی آواز گونجتی رہتی ہے"۔ حسن فاروقی نے پانی کا گلاس تھامتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں واقعی یہ تو آنگن کی چڑیاں ہیں، ایک نہ ایک دن ہمارا آنگن بھی سونا کرکے اُڑ جائیں گی"۔ بیگم نے افسردگی سے کہا۔

"اوف ہو..... بیگم! آپ تو ابھی سے افسردہ ہوگئیں، یہ بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں، آج ہمارے گھر کی، تو کل اپنے گھر کی۔ ازل سے ہی یہ دستور چلتا آیا ہے، آج ہمارے گھر کی رونق ہیں تو کل اگلے گھر جاکر اس کے آنگن کو مہکا کر گلشن کریں گی، ہر رشتے کو نبھاتی ہیں"۔ حسن فاروقی نے سمجھانے والے انداز میں اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیگم کو سمجھایا۔

''ہاں بات تو آپ کی ٹھیک ہی ہے، بھی ان کی شادی کی بھی فکر کر رہی ہوں ساتھ ساتھ، خیر سے کافی کچھ جمع کرتی آئی ہوں، پر بیٹی کو جتنا بھی دیں کم ہے، ہماری تو کل کائنات ہی یہ دونوں ہیں، اس لیے دھوم دھام سے کروں گی میں شادی''۔ بیگم فاروقی نے اپنی سوچ واضح کی۔

''بیگم! آپ بھی حد کرتی ہیں، بھی یہ سوچ کر افسردہ ہوجاتی ہیں کہ یہ بیٹیاں ہمیں چھوڑ کر چلی جائیں گی، تو بھی ان کے جہیز اور شادی کو لے کر پُر جوش ہوجاتی ہیں''۔ حسن فاروقی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو.... سب دیکھنا اور سوچنا پڑتا ہے جی، بس میری تو ایک ہی دعا ہے، خدا ہر بیٹی کے نصیب بلند اور اعلیٰ کرے آمین! خیر آپ چینج کرلیں، میں کھانا لگاؤں جب تک، یہ دونوں تو پتہ نہیں کب لوٹیں، میں ان کے ساتھ ہی کھالوں گی''۔ بیگم فاروقی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور کچن کی طرف بڑھنے لگیں۔

''ارے نہیں بھئی بیگم! ہم بھی اپنی بچیوں کے ساتھ ہی کھائیں گے، وہ آجائیں گی کچھ دیر میں، جب تک میں چینج کرلوں''۔ حسن فاروقی انہیں منع کرتے ہوئے اپنے روم کی جانب بڑھ گئے۔

حسن فاروقی اور احسان فاروقی دو ہی بھائی تھے، احسان فاروقی کے دو ہی بچے تھے، ایک بیٹا احتشام جو کہ ایمن کا ہی ہم عمر تھا اور اس سے دو سال چھوٹی اُجالا۔ بچپن میں ہی احتشام کے لیے ایمن کو مانگ لیا گیا تھا، پر یہ بات ابھی صرف بڑوں تک ہی محدود تھی، احسان فاروقی کی فیملی کافی عرصے سے بیرون ملک میں مقیم تھی، پَر پھر بھی بذریعہ نیٹ اور ٹیلی فونک رابطہ رہتا ہی تھا۔ تابندہ بھی اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی اور اپنے بھائی ذاکر کی اکلوتی بہن تھی، ماں باپ کے مرنے کے بعد بھائی ذاکر اور بھابی زرینہ نے نہ صرف اسے ماں باپ بن کر پالا اور خیال رکھا، بلکہ دھوم دھام سے اس کی شادی بھی کروائی، ذاکر اور زرینہ کی ایک ہی بیٹی تھی عطوفہ، شروع سے ہی اکلوتی بھتیجی میں تابندہ کی جان تھی، جب عطوفہ پانچ سال کی ہوئی تب تابندہ کی گود میں بھی ایک سال کی ایمن آ چکی تھی، ان ہی دنوں زرینہ تخلیق کے عمل سے گزر رہی تھی، گرتی ہوئی حالت کے پیشِ نظر ڈاکٹرز نے زرینہ کو بڑے اسپتال شفٹ کرنے کا کہا، ذاکر نے عطوفہ کو تابندہ کے گھر چھوڑا اور خود دوسرے شہر زرینہ کو لے کر روانہ ہوئے، پَر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، راستے میں ہی ان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، زرینہ تو موقع پر ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں، پَر جب تک تابندہ اور سب اسپتال پہنچے، ذاکر آخری سانسیں گن رہے تھے، اور یہ آخری سانوں کی بھی مہلت گویا خدا نے اس لیے ہی دی کہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو کسی محفوظ پناہ میں دے سکیں اور بلاشبہ وہ محفوظ پناہ تابندہ کے سوا اور کس کی ہوتی، اور یوں پانچ سالہ عطوفہ ذاکر فاروقی ہاؤس آ گئی، جہاں کے مکینوں نے نہ صرف کھلے دل سے اس کا استقبال کیا، بلکہ اسے اپنایا بھی، اور یوں وہ بہت جلد فاروقی ہاؤس کا حصہ بن گئی۔

فاروقی ہاؤس سے ذرا سا آگے گلی کے کارنر پر ''احمد سنز'' کے نام سے دو منزلہ عمارت بنی ہوئی تھی، احمد صاحب نے اپنی زندگی میں ہی اپنے دونوں بیٹوں کے لیے پورشنز بنا دیئے تھے، دونوں فیملیز میں ایکا بہت تھا، اس لیے یہاں راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔ احمد سنز کے پہلے پورشن میں مہتاب احمد اور ان کی بیگم شاہدہ اپنے بیٹے طٰحہٰ کے ساتھ رہتے تھے، جو کہ M.Com کا اسٹوڈنٹ تھا، جبکہ اوپر والے پورشن میں آفتاب احمد اور ان کی بیگم رفعت رہتے تھے، جن کے چار بچے تھے، سب سے پہلے ضرّاب جو کہ ہائر اسٹڈیز کے لیے کینیڈا گیا ہوا تھا، پھر فصیحہٰ جو کہ عطوفہ کی بیسٹ فرینڈ اور ہم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ کالج اور یونیورسٹی کی دوست بھی تھی، دونوں ہی B.Com کر کے آج کل فری تھیں۔ اس کے بعد ملیحہ جو کہ ایمن کے ساتھ ہی انٹر کی اسٹوڈنٹ تھی

اور جس کی نسبت اپنے کزن طٰحہٰ سے طے تھی، اس کے بعد سب سے چھوٹا اور گھر بھر کا لاڈلا اور احمد سنز کا چہیتا فائق جو کہ 9th کلاس کا اسٹوڈنٹ تھا۔ دونوں گھروں کے مکین شروع سے ہی قریب رہے تھے، بھی بڑوں کے ساتھ ساتھ بچوں کی بھی دوستی مثال تھی، فصیحہٰ، ملیحہٰ، عطوفہ، ایمن، طٰحہٰ اور ضرّاب ان سب کا بچپن ایک ساتھ کھیلتے کودتے گزرا تھا، گو کہ شروع شروع میں عطوفہ نئے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہو پائی تھی، پَر اتنے سب لوگوں نے مل کر اس کے ہونے والے قیمتی نقصان کی تلافی کر ہی دی تھی، اکثر جب وہ ماں باپ کو یاد کرتی ان کی باتیں سوچتے اُداس ہوجاتی اور اِردگرد کے ماحول سے بے خبر ہوجاتی تو جہاں سب مل کر اسے خوش کرنے کی کوشش کرتے وہیں ضرّاب اس کی گھنٹوں کی اس بے نیازی پر چھیڑ کر اسے گم صم مینا کہا کرتا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دیتی، اور یوں ان سب کا بچپن ہنستے کھیلتے گزر گیا تھا۔

☆............☆............☆

ایمن کالج گئی ہوئی تھی، جبکہ تابندہ بیگم کپڑے سی رہی تھیں، گھر کا کام کاج نبٹا کر عطوفہ بھی اب فارغ تھی اور جی جان سے بور ہورہی تھی، بھی وہ تابندہ بیگم (جنہیں ایمن کی طرح وہ بھی مما ہی کہتی تھی) سے اجازت لے کر وہ احمد سنز کی طرف چل دی۔

''ماشاءاللہ! آج اتنی سویرے سویرے یاد آ گئی سہیلی؟'' دروازہ رفعت آنٹی نے ہی کھولا اور سلام کا جواب دینے کے بعد بولیں۔

''وہ ایکچوئیلی آنٹی! میں نے سوچا کہ یہ میڈم تو کچھ ہی مہینوں کی مہمان ہے، تو خود جا کر اپنے درشن کروا آؤں، پھر کہاں دیدار نصیب ہوگا، میرے چاند سے مکھڑے کا''۔

''اُف.... صبح صبح آتے ہی مکھن ملائی شروع کردی آپ نے تو''۔ عطوفہ جو بولتے بولتے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی، وہیں بیٹھے فائق نے اُس کی بات کے جواب میں کہا۔

''ہاں ایکسپائری ڈیٹ قریب تھی، سوچا استعمال کر ہی لوں مکھن''۔ عطوفہ نے فائق کو منہ چڑاتے ہوئے کہا۔

''آنٹی! بور ہورہی تھی گھر میں، تو سوچا آپ کی طرف چلی آؤں اور کچھ ڈائجسٹ ہی لے لوں فصیحہٰ سے''۔ عطوفہ نے ڈائننگ ٹیبل کی ایک چیئر کو کھسکاتے ہوئے اس پر بیٹھتے ہوئے رفعت آنٹی سے کہا۔

''او.... تو یوں کہو نا بیٹا! آپ ڈائجسٹ لینے چلی آئیں''۔ بیگم رفعت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ظاہر ہے آنٹی! تھوڑا میرا بھی تو حق ہے کہ پڑھ کر ثواب کماؤں''۔ عطوفہ نے بھی ان ہی کے انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اُف.... بے تابی تو دیکھو، ثواب کمانے کی فکر میں صبح صبح ہی چلے آئے لوگ''۔ فائق نے پھر سے ٹانگ اڑائی۔

''جوکر! تمہاری صبح اب ہوئی ہے تو اس میں باقی لوگوں کا کیا قصور؟'' عطوفہ نے بدلا اُتارا۔

''سب کو میرے سونے سے پرابلم ہے، یہ نہیں پتہ ابھی تو پیپرز سے جان چھڑائی ہے میں نے، ہاں نہیں تو....!'' فائق نے منہ بسورتے ہوئے کہا اور پھر اُٹھ کر کچن سے اپنا بریک فاسٹ لینے چل دیا۔

''میڈم جی! ابھی سے ہی کھو گئیں جیجو کے خیالوں میں؟'' فصیحہٰ جو کب سے چائے کا کپ سامنے رکھے نجانے کہاں کھوئی ہوئی تھی، بھی عطوفہ نے فصیحہٰ کی طرف رُخ کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں یار! یہیں ہوں، بس بھیا کو مس کر رہی ہوں بہت، فون پر تو جلدی آنے کا کہا ہے اب دیکھو کب آتے ہیں، پانچ سال ہوگئے یار!'' فصیحہٰ نے اُداسی سے کہا۔

''او میری اُداس بلبل! اُداس مت ہو، آجائے گا تمہارا بھائی بھی، اور اس بار تو اس کے پاؤں میں بیڑیاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی پہنادوں گی"۔ اس سے پہلے کے فصیحہ کے جواب میں عطوفہ کچھ کہتی، بیگم رفعت نے ہی کچن سے جواب دیا۔

"ہائے آنٹی! آپ ہمارے دوست کو قیدی کی طرح بیڑیاں ڈال دیں گی، اُف ظلم کی انتہا....!" عطوفہ نے معصومیت سے کہا۔

"ہاہاہا.....ارے بیٹا! وہ قیدی والی بیڑیاں نہیں، بلکہ شادی کی بیڑیاں"۔ رفعت بیگم نے عطوفہ کی بات پر ہنستے ہوئے کہا۔

"ہائے امی! آپ نے یہ خفیہ سازش کب سوچ لی، ہمیں تو ہوا بھی نہ لگنے دی"۔ فصیحہ نے چونکتے ہوئے کچن کی طرف رُخ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ دھک دھک کرتے دل کو کنٹرول کرتے ہوئے عطوفہ بھی ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"یہ پلان بقول تمہارے خفیہ سازش تب سوچی جب آپ خود کسی اور کی سوچوں میں گم بلکہ لاپتہ تھیں"۔ بیگم رفعت نے بھی اُسی کے انداز میں جواب لوٹایا۔

"اچھا یار! بعد میں غوطے لگانا سوچوں میں، ابھی تو تم اسٹور روم میں گھسو، اور اُٹھا لاؤ، جو میں نے نہیں پڑھا ڈائجسٹ، وہ سب اُٹھا لاؤ"۔ عطوفہ نے فصیحہ کو کھڑا کیا اور ہاتھ پکڑتے ہوئے اسٹور روم کی جانب دھکیلتے ہوئے کہا اور خود کچن میں چل دی۔

"آنٹی! اب کتنی تیاری باقی ہے؟ جہیز تو آئی تھنک اب کمپلیٹ ہونے والا ہوگا ناں؟" عطوفہ، رفعت بیگم کے ہاتھ سے چھری پکڑتے ہوئے پاس پڑی آلو، پیاز وغیرہ کی ٹوکری اپنی طرف سرکاتے ہوئے پوچھنے لگی، رفعت بیگم نے ممنون نظروں سے اس معصوم اور سادہ دل لڑکی کی طرف دیکھا، جو جب بھی آتی چلتے پھرتے یوں منٹوں میں کوئی نہ کوئی کام سمیٹ لیتی، جیسے یہ اس کا اپنا گھر ہو۔

"ہاں بیٹا! شاپنگ تو تم سب کے ساتھ مل کر کافی ہو ہی گئی ہے، بس اب جو کچھ یاد آتا ہے وہ میں اور تمہارے انکل جا کر لے آتے ہیں، باقی رہی پیکنگ، تو شاہدہ، تابندہ اور تم سب نہ ہوتے تو اتنی جلدی کہاں ممکن ہو پاتا یہ سب"۔ رفعت بیگم نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

"سوچ رہی ہوں بیٹا! اب فصیحہ کو کچن میں بھی گھساؤں، دن کم رہ گئے ہیں، یوں تو آتی ہے اسے کوکنگ، پَر بیٹا! میں چاہتی ہوں تم کچھ اچھی اور خاص خاص ڈشز اسے سکھا دو۔ اپنے ہاتھوں کا کچھ ذائقہ اس کے ہاتھوں میں بھی منتقل کردو"۔ رفعت بیگم نے اس کے ہاتھوں کو پکڑتے ہوئے التجا کی۔

"ارے، اتنی سی بات.....نو پرابلم، کل سے میں آجاؤں گی سکھانے"۔ عطوفہ نے چٹکی بجاتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جیتی رہو بیٹا!" رفعت بیگم نے اس کے سَر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا دی۔

اور پھر اپنی بات کے مطابق دوسرے ہی دن شام میں عطوفہ فصیحہ کے کچن میں موجود تھی۔

"آئے، ہائے.....آج تو کچن میں بڑی رونق جمی ہوئی ہے"۔ ملیحہ جو ابھی سینٹر سے آئی تھی، کچن میں موجود اپنی امی، فصیحہ اور عطوفہ کی ملی جلی آوازوں کو محسوس کرتی وہیں آ گئی۔

"ہاں آج میں شیف سے کوکنگ سیکھ رہی ہوں"۔ فصیحہ نے معصوم سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"اُف.....پھر تو اللہ ہی رحم کرے"۔ ملیحہ نے تاسف سے کہا۔

"ہاں نا یار! بس مت پوچھو میرا حال"۔ فصیحہ نے جواب دیا۔

"تو کون پوچھ رہا ہے آپ کا حال، میں تو عطو آپی کا کہہ رہی ہوں کہ اللہ ان پر رحم کرے، آپ کو جو سکھا رہی ہیں وہ"۔ اس سے پہلے کہ فصیحہ اسے مارنے دوڑتی، وہ کہہ کر کچن سے بھاگ گئی جبکہ بیگم رفعت اور عطوفہ ہنسنے لگیں۔ تبھی پانی پینے کے لیے فائق کچن میں گھسا۔

"اُف.....کیا سکھا رہی ہیں آپ؟ بہت خوشبوئیں آ رہی ہیں"۔ عطوفہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"چپلی کباب سکھا رہی ہوں"۔ فرائی پین میں کباب کو پلٹتے ہوئے عطوفہ نے جواب دیا۔

"لو.....یہ بھی کوئی سیکھنے کی چیز ہے، یہ تو مجھے بھی آتے ہیں"۔ فائق نے کہا۔

"اچھا.....جوکر! تو بتاؤ پھر ریسپی؟" عطوفہ نے اس کی طرف مُڑتے ہوئے پوچھا۔

"اتنی آسان تو ہے، کباب کے لیے پہلے سارا مصالحہ مِلس کرلو، پھر چپل دے مارو"۔ فائق نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے مزے سے کہا، جبکہ عطوفہ اور فصیحہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"کچن سے نکلتے ہو یا میں ہی تمہیں چپل مار کر کباب کی شکل کا بنادوں؟" بیگم رفعت نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے فائق سے مصنوعی غصے سے کہا۔

"ارے، ارے ٹھیک ہی تو کہا، شارٹ ٹائم ریسپی ہے، شیف فائق کی، ویسے عطو آپی! آپ کے ہاتھوں میں بھی کیا کمال کا ذائقہ ہے"۔ فائق نے اچانک پینترا بدلا۔

"ہاں بس لگا لو مکھن بیٹا! مل جائیں گے تمہیں بھی کباب"۔ رفعت بیگم بھی آخر اس کی ماں تھیں، فوراً پہچانتے ہوئیں بولیں۔

"یُو آر گریٹ.....اینڈ آلسو چالاک"۔ فائق نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر کچن کو رونق بخشتے، بوتیک میں ڈریسز سلیکٹ کرتے اور بازاروں کے دھکے کھاتے پتہ ہی نہ چلا اور ڈیڑھ ماہ کا عرصہ بھی پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔

☆............☆............☆

"عطو آپی! ایمی آپی! کہاں ہیں بھئی آپ لوگ؟" فائق دروازے سے ہی ان دونوں کے نام پکارتے ہوئے چلا آیا۔

"ارے بیٹا! خیر تو ہے، اتنی صبح صبح ہماری بیٹیوں کو کیوں پکارا جا رہا ہے؟" حسن فاروقی جو بس ابھی ناشتے سے فارغ ہوئے تھے اور اب آفس جانے کی تیاری میں تھے، فائق کی پکار پر بولے۔

"ارے انکل جی! آج خیر ہی تو نہیں، میرے اکلوتے بھیا، بہنوں کے لاڈلے، امی ابّو کے ہونہار سپوت، اور احمد سنز کے کینڈین پلٹ ہر دل عزیز برخوردار ضرّاب آفتاب تشریف لا رہے ہیں آج"۔ فائق نے حسن فاروقی کو سلام کرنے کے بعد لہک لہک کر اہم خبر سنائی۔

"او.....ضرّاب بیٹا آ رہا ہے، واہ بھئی! یہ تو زبردست نیوز ہے"۔ حسن فاروقی نے بھی خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"پاپا! کون سی نیوز؟ مجھے بھی سننی ہے"۔ ایمی جو اپنے کمرے سے نکلی تھی، ادھوری بات ہی سن پائی تھی، تبھی اپنے پاپا کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ہمارے بھیا جی تشریف لا رہے ہیں"۔ فائق نے اپنی پوری بتیسی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا.....تو اس میں نیوز کیا ہے؟" ایمی نے پہلے تو نہ سمجھی کے انداز میں منہ بسورا، اور پھر جب بات سمجھ آئی تو وہ بھی خوشی سے چلّائی۔

"ہائے.....ضرّاب بھیا آ رہے ہیں.....واؤ.....!"

"لڑکی! آہستہ.....کان کے پردے پھاڑو گی کیا؟" تابندہ بیگم بھی وہیں لاؤنج میں چلی آئیں اور ایمی سے کہا، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ضرّاب کے آنے کی خوشی اسے بھی بہت ہونی تھی، آخر کو اس نے ضرّاب کو بھیا جو بنایا تھا۔

"عطو آپی! آپ نے سنا.....ضرّاب بھیا آ رہے ہیں، واؤ! اتنے سالوں بعد.....اُف.....!" عطوفہ جو چھت پر پرندوں کو باجرہ وغیرہ ڈال کر نیچے اُتر رہی تھی ایمی نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر گول گول گھماتے ہوئے یہ نیوز دی۔

"واؤ.....ویٹس گریٹ"۔ عطوفہ نے اپنے دل کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو کنٹرول کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دو پاگل ہمارے گھر میں تیسری ان کی جڑواں بہن یہاں موجود ہے، اُف.....!'' فائق نے باؤلی ہوتی ایمی کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''ویسے بیٹا! آپ یہ نیوز بتانے آئے تھے؟ چلو صبح صبح اچھی نیوز تو سنی''۔ حسین فاروقی فائق کی بات پر مسکراتے ہوئے بولے اور کوٹ پہننے لگے۔

''اوہ.....شِٹ! اچھا ہوا انکل! آپ نے یاد دلایا، نیوز تو دینے آیا ہی تھا، ساتھ ہی ایمی اور عطوفہ آپی کو امی نے بلایا ہے، وہ بھی کہنے آیا تھا پَر پاگل کے تماشے دیکھ دیکھ کر بھول گیا، چلتا ہوں آنٹی! بھیج دیجیے گا عطو آپی کو اور ساتھ میں پاگلوں کی جڑواں بہن کو بھی''۔ فائق کو اپنے آنے کی وجہ جیسے ہی یاد آئی وہ جلدی جلدی بتا کر اور ساتھ ہی ایمی کو چھیڑ گیا۔

''بدتمیز..... ٹھہرو تم!'' ایمی فوراً اس کے پیچھے لپکی، پَر وہ نو دو گیارہ ہو گیا۔

''ویسے بیگم! ہمیں تو لگتا ہے، ہماری بیٹیوں کو احمد سنز والوں نے گود ہی لے لیا ہے''۔ حسن فاروقی نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے اپنی بیگم سے کہا۔

''کیا پاپا! آپ بھی..... اِٹس نوٹ فیئر، اُڑا لیجیے مذاق''۔ عطوفہ جو ٹیبل سے بریک فاسٹ کے برتن سمیٹنے میں لگی تھی حسن فاروقی کی بات پر مصنوعی ناراضی دکھاتے ہوئے بولی۔

''اچھا، اچھا سوری بیٹا! ہم تو یوں ہی چھیڑ رہے تھے آپ دونوں کو''۔ حسن فاروقی نے پیار سے دونوں کو بانہوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''مما! ذرا دیکھیے تو پاپا ہمیں چھیڑ رہے ہیں''۔ عطوفہ نے بھی فوراً بدلہ چکایا اور مذاق میں اپنی مما کو پکارا۔

''شریر لڑکی!'' حسن فاروقی نے ہلکی سی اس کے سَر پہ چپت لگائی تو سب مسکرا دیے۔

☆..........☆..........☆

''ارے واہ بھئی، کیا خوب تیاریاں ہو رہی ہیں، لگ رہا ہے نخرے اب بھیا نہیں، فصیحہٗ آپی کی ابھی سے بارات آنے والی ہے''۔ ایمی اور عطوفہ دونوں آگے پیچھے احمد سنز میں داخل ہوئی تو اندر ہوتی تیاری اور افراتفری کو دیکھ کر ایمن نے بے ساختہ کہا۔

''شکر ہے بیٹا! تم لوگ آ گئے، اتنا کام ہے اور کچھ ہی دیر بعد فلائٹ بھی آنے والی ہے، میں اور فصیحہٗ اکیلی کیا کیا کریں، ملیحہٗ تو ایئرپورٹ جانے کا کہہ رہی ہے''۔ کچن سے آتی رفعت بیگم کی آواز پر وہ دونوں وہیں چلی آئیں، جہاں پورا کچن تقریباً بکھرا پڑا تھا۔

''نو پرابلم آنٹی! سب مل کر کر لیں گے''۔ عطوفہ نے فوراً کام پر لگنا بہتر سمجھا، ایمن بھی تھوڑا بہت اس کا ساتھ دینے لگی۔

''ہائے..... تم دونوں کب آ گئیں؟ اور تم یہاں کچن میں کیا لگی ہوئی ہو، چلو جلدی..... ہمیں ایئرپورٹ جانا ہے، میں تو تمہیں بلانے ہی آ رہی تھی''۔ ملیحہٗ جو کچن کے پاس سے گزری تو دونوں کو دیکھ کر حیران ہوئی اور ساتھ ہی ایمی سے مخاطب ہوئی، ایمن جانا تو نہیں چاہ رہی تھی پر چار و ناچار ملیحہٗ اور آنٹی کے اصرار پر راضی ہونا پڑا، اور کچھ ہی دیر بعد احمد سنز سے سب روانہ ہو گئے، ایئرپورٹ کی جانب، سوائے رفعت آنٹی، عطوفہ اور فصیحہٗ کے، کیونکہ فصیحہٗ تو عنقریب دلہن جو بننے والی تھی، سو عطوفہ نے فصیحہٗ کے نہ نہ کہنے کے باوجود ایک کونے میں بٹھا دیا اور خود رفعت بیگم کے ساتھ لگ گئی، گھر کی ڈسٹنگ اور صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر عطوفہ کچن میں چلی آئی اور سلاد وغیرہ بنانے میں رفعت بیگم کی مدد کرنے لگی اور پھر انہیں تیار ہونے زبردستی بھیج دیا یہ کہہ کر کہ۔

''باقی کام میں دیکھ لیتی ہوں، آپ جلدی سے تھوڑا تیار ہو جائیں، سب آتے ہی ہوں گے''۔ رفعت بیگم کو بھی عطوفہ کی بات معقول لگی، تب ہی وہ روم کی جانب بڑھ گئیں، جبکہ وہ کچن سمیٹنے کے بعد کچن کا فرش

وغیرہ دھو کر اپنے اور فصیحہٗ کے لیے Tang بنا کر تی وی لاؤنج میں آ گئی۔

''آج لگتا ہے واقعی میں ابھی سے اپنے گھر میں مہمان ہو گئی ہوں، سبحان اللہ! مہمانوں کی طرح Tang بھی پیش کیا جا رہا ہے''۔ فصیحہٗ نے افسردگی سے کہا۔

''بس او ئے..... دکھی آتما! زیادہ دکھ دکھانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ایموشنل ہونے کی''۔ عطوفہ نے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

''ویسے عطو! تمہارا حلیہ بہت رَف ہو گیا ہے، ایسا کرو تم میرا کوئی ڈریس ہی نکال کر چینج کر لو، سچ پہچانی نہیں جا رہی ہو تم''۔ فصیحہٗ کی نظر عطوفہ کی ڈریسنگ پر پڑی تو ہنستے ہوئے بولی۔

''کیوں بھئی..... کیا ہوا ہے میرے حُلیے کو؟ اب گھر جا کر ہی آرام سے نہا کر چینج کروں گی، آنٹی آ جائیں چینج کر کے تو میں بھی چلتی ہوں''۔ عطوفہ نے اپنے کپڑوں پر نگاہ دوڑائی، وائٹ سوٹ پر جا بجا مٹی لگی ہوئی تھی، اس نے بال بھی ٹھیک سے نہیں بنائے تھے، اس لیے بکھرے ہوئے تھے۔

''حُلیہ تو واقعی رَف ہو گیا ہے، بہت''۔ عطوفہ نے کپڑوں پر سے نظر چراتے ہوئے سوچا۔ تب ہی دروازے پر بیل بجی۔

''ہائے..... ربا! اتنی جلدی آ گئے کیا؟'' عطوفہ نے چونکتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں پاگل! اتنی جلدی آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ابھی تو اُن سب کو گئے ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا، ویسے کوئی اور ہو گا، امی تو شاید نہا رہی ہیں، تو تمہیں ہی زحمت کرنی ہو گی دروازے تک جانے کی''۔ فصیحہٗ نے عطوفہ کے اندازے کی نفی کرنے کے ساتھ ساتھ اسے دروازہ کھولنے کی پیشکش کی، کیونکہ وہ تو جا نہیں سکتی تھی، شادی میں صرف پندرہ دن جو باقی رہ گئے تھے، عطوفہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھی۔

''کٹ کھنی بندریا! اتنی دیر.....؟'' دروازہ کھولتے ہی وہ جو کوئی بھی تھا اپنا مضبوط ہاتھ اس کے سَر پر مار چکا تھا، اچھے بھلے دن میں بھی عطوفہ کو تارے نظر آنے کے ساتھ ساتھ چاند بھی نظر آنے لگ گیا تھا، اس اچانک حملے کی وجہ سے۔

''جی، کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' عطوفہ نے اپنے چکراتے سَر کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے حیرت اور غصے سے سامنے کھڑے موصوف کو گھورتے ہوئے کہا، جبکہ دوسری جانب وہ بھی حیرت اور صدمے کی ملی جلی کیفیت میں اسے تک رہا تھا۔

''اندھے ہیں کیا؟ خود ہوں گے بندر، اور یہ کیا نیا طریقہ اپنایا ہے چوروں نے، گھروں میں گھسنے کا؟'' عطوفہ نے اپنے حواسوں پر قابو لاتے ہوئے بدلا چکایا اور ساتھ ہی سامنے کھڑے موصوف جو اندر آنے کے لیے پَر تول رہے تھے کو دھکا مار کر پیچھے کیا۔

''ارے عطو! کہاں رہ گئی، دروازے پر ہی مذاکرات شروع کر دیے، یا کہیں اغواء تو نہیں ہو گئیں؟'' عطوفہ نے گیٹ سے واپس آنے میں دیر لگائی تو فصیحہٗ اسے پکارتی ہوئی وہیں چلی آئی۔

''اغواء تو خیر کیا کرتے، یہ موصوف تو مجھے زدوکوب کر کے تمہارے گھر میں ہی گھسے چلے آ رہے ہیں''۔ عطوفہ نے بلیک جینز پر شاکنگ پنک ٹی شرٹ پہنے، فرنچ کٹ کیے آنکھوں پر گلاسز چڑھائے اس شخص کو گھورا، جس کا چہرہ کچھ اجنبی مگر کچھ کچھ دیکھا بھالا سا بھی تھا۔

''ہائے بندریا.....!'' تبھی اس کی نظر سامنے سے آتی فصیحہٗ پر پڑی اور وہ جوش و خوشی سے اس کی طرف بڑھا۔

''لگتا ہے موصوف کا تعلق کسی چڑیا گھر سے رہا ہے جبھی ہر کوئی بندریا ہی دکھتی ہے''۔ آگے کی جانب بڑھتے ہوئے وہ عطوفہ کی بڑبڑاہٹ نہ صرف سن چکا تھا بلکہ مسکراتے ہوئے محظوظ بھی ہوا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ارے بھیا! آپ......واٹ آ سرپرائز''۔ فصیحہ اب مزے سے اس کے گلے لگی ہوئی تھی جبکہ گیٹ کے پاس کھڑی عطوفہ لفظ ''بھیا'' پر ایک بار پھر سے چکرانے لگی تھی۔

''سرپرائز تو مجھے ملا یہاں آ کر، چوز کا خطاب دے دیا ان محترمہ نے، اُف.....! کیسی ماسی رکھ لی یہ تم لوگوں نے؟'' ضرّاب، عطوفہ کی جانب دیکھتے ہوئے فصیحہ سے بولا۔

''ہائے ماسی....؟'' فصیحہ بے ساختہ چیخی، لفظ ماسی پر وہ بھی اپنے بھیا کی طرف دیکھتی جو غصہ اور شرارت لیے عطوفہ کو ہی دیکھ رہا تھا، تو بھی عطوفہ کی آنکھوں میں اُمڈ آنے والے آنسوؤں کو تک رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ فصیحہ کچھ کہتی، عطوفہ گیٹ کھول کر چند سیکنڈوں میں ہی یہ جا وہ جا ہو چکی تھی۔

''اُف....بھیا! وہ عطو تھی، اپنی دوست، اور پڑوسی عطوفہ.....!'' فصیحہ نے گویا ئبر پیٹتے ہوئے اسے اطلاع دی۔

''واٹ....؟'' اب چونکنے کی باری ضرّاب کی تھی۔

☆..........☆..........☆

احمد سنز کے مکین جہاں اس اچانک سرپرائز پر خوش ہوئے تھے وہیں حیران بھی، کیونکہ ضرّاب نے اپنی فلائٹ کا ٹائم لیٹ بتا کر خود پہنچ کر جہاں سب کو حیران کیا وہیں اس کا استقبال جس طرح ہوا، وہ خود بھی شرمندہ ہو گیا، فصیحہ نے پورے گھر میں یہ خبر نشر کر دی تھی، رات کے ڈنر سے فری ہو کر اب سب بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے، کیونکہ ضرّاب تو آتے ہی کچھ دیر سب سے مل کر سو گیا تھا۔

''حد ہے بھیا! تم نے ماسی میں اور میری سہیلی میں ذرا بھی فرق نہ دیکھا؟'' فصیحہ نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

''تو اب میں کیا کرتا، مجھے الہام تو ہوا نہیں تھا کہ وہ محترمہ ماسی نہیں عطوفہ ہے جو حلیے سے پوری ماسی ہی لگ رہی تھی''۔ ضرّاب نے ایک بار پھر مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''بہت غلط کیا تم نے، عطوفہ کا حلیہ بھی ہماری وجہ سے ہی خراب ہوا تھا، وہ بچی صبح سے لگی ہوئی تھی کاموں میں میرے ساتھ''۔ رفعت بیگم نے بھی افسوس سے کہا۔

''چاچی! قصور ضراب کا بھی نہیں ہے، اتنے عرصے بعد لوٹے ہیں تو یادداشت کافی حد تک کمزور ہو چکی ہو گی ناں، اگر اپنی ملیحہ بھی ماسیوں والے حلیے میں جاتی تو یہ اُسے بھی نہیں پہچانتا''۔ طلحہ نے ضرّاب کے ساتھ ساتھ ملیحہ کو بھی چھیڑا۔

''وہ میرے بھیا جانی ہیں، تمہاری طرح بھلکو نہیں ہیں لنگور!'' ملیحہ نے بھی بدلا اُتارا۔

''اُف....یہ کٹ کھنی بلی ابھی تک نہیں سدھری''۔ ضرّاب نے ملیحہ کی پونی ٹیل کھینچتے ہوئے کہا۔

''بلّیاں بھی سدھرتی ہیں کیا؟'' طلحہ نے بھی اس کا ساتھ دیا تو ملیحہ نے طلحہ کو منہ چڑایا۔

''بس کرو بچو! ویسے صبح پہلی ہی فرصت میں لے جانا صاحب زادے کو فاروقی کے ہاں اور میری بیٹی سے معافی مانگ کر ہی واپس لانا''۔ آفتاب احمد نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''لو....یہ بھی خوب کہی، میں تو بتانا ہی بھول گئی، کل ہم سب لنچ پر وہیں انوائٹ ہیں، بہت اصرار سے تابندہ نے فون پر تاکید کی ہے، تو کل وہیں جانا ہے، پھر منگواتی ہوں معافی بھی اس سے''۔ بیگم رفعت نے یاد آنے پر سب کو اطلاع دی۔

''لو جی مارے گئے، دعوت بھی کل ہی ہونی تھی، میں تو رَفو چکر ہو جاؤں گا کہیں''۔ ضرّاب نے سرگوشی کے سے انداز میں کہا پر رفعت بیگم نے سُن لیا۔

''بیٹا جی! آپ کے تو اچھے بھی چلیں گے، یہ آپ ہی کے لیے رکھی گئی ہے دعوت''۔ رفعت بیگم نے اس کا کان مروڑتے ہوئے پیار سے کہا۔

''بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ معافی مانگنے کے لیے ہی رکھی گئی ہے یہ دعوت، خاص الخاص دعوتِ معافی''۔ فائق نے بھی ٹانگ اڑائی اور لقمہ دیا۔

''اچھا ناں، مانگ لوں گا معافی گم صم مینا سے، جیسے پتہ نہیں کیا جرم کر دیا ہو میں نے''۔ ضرّاب نے منہ بسورتے ہوئے روانی میں کہا، جبکہ فصیحہ، ملیحہ، فائق اور طلحہ لفظ ''گم صم مینا'' پر اسے گھورنے لگے۔

''ہیں....کیا کہا؟ تمہیں نام یاد رہا، پر شکل یاد نہیں رہی واہ.....!'' بیگم رفعت نے بھی اسے گھورا، تو وہ خجل سا ہو کر مسکرانے لگا۔

☆..........☆..........☆

''آپی! کتنا کام باقی ہے؟ اب آپ چھوڑیں بھی، اور تیار ہو جائیں تھوڑا''۔ عطوفہ جو سلاد کے لیے سبزیاں کاٹ رہی تھی ایمن کی طرف مڑی جو کچن کے دروازے پر معصوم سی صورت بنائے کھڑی تھی۔

''ہیں....پر کیوں؟ اچھی بھلی تو ہوں میں''۔ عطوفہ نے اس کی بات سنی اَن سُنی کرتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

''ارے آپی! اچھی بھلی تو آپ کل بھی تھیں، پر لوگوں کا کیا بھروسہ، میری عزت کا سوال ہے، لوگ کیا سوچیں گے، جب سب کو پتہ لگے گا ایمی کی آپی ماسی....ہاہاہاہاہا!'' ایمن نے جلدی جلدی بات کہی پر عطوفہ کے گھورنے پر بات ادھوری چھوڑ کر ہنستے ہوئے کچن سے بھاگ نکلی۔

''اُف....حد ہو گئی، مذاق ہی بنا لیا ہے گویا میرا، فصیحہ کے گھر بھی نجانے سب کیا سوچتے ہوں گے، ویسے ایمی ٹھیک ہی کہہ گئی، تھوڑا حلیہ بہتر کر ہی لینا چاہیے مجھے اپنا''۔ عطوفہ نے خود کلامی کے انداز میں سوچا، پھر کچن پر ایک نظر دوڑائی، ٹرائفل وہ فریج میں ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ چکی تھی، بریانی بس دم پر ہی تھی، چپاتی اور نان پاپا واپسی میں لے کر آنے والے تھے، قورمہ بھی ریڈی ہی تھا، براؤنی وہ پہلے ہی بنا چکی تھی، اب بس سلاد باقی رہا تھا، جبکہ سموسے ان سب کے آنے پر فرائی کرنے تھے۔

وہ سلاد کی ٹوکری اُٹھائے صحن میں چلی آئی جہاں تخت پر تابندہ بیگم بیٹھی ہوئی تھیں، موسم آج ابر آلود سا تھا، دھوپ نام کی بھی نہ تھی، اس لیے تابندہ بیگم لاؤنج کے بجائے صحن میں رکھے تخت پر براجمان تھیں۔

''بیٹا! سب تیاری ہو گئی؟'' تابندہ بیگم نے پاس آتی عطوفہ سے پوچھا۔

''جی مما! سب ہی ریڈی ہے، بس آپ ذرا یہ سلاد بنا دیں، جب تک میں نہا کر فریش ہو جاؤں''۔ عطوفہ نے سلاد کی ٹوکری ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں بیٹا! جاؤ آپ فریش ہو جاؤ''۔ تابندہ نے محبت پاش نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اپنے روم کی جانب بڑھنے لگی۔

''آپی! اچھے سے ہونا تیار، کہیں پھر سے کوئی ماسی نہ سمجھ لے''۔ لاؤنج میں بیٹھی ایمن نے پھر سے اسے چھیڑا تو وہ پاس ہی پڑے صوفے پر رکھے کشن کی طرف جھکی اور اگلے ہی پل کشن ایمن کا منہ چوم رہا تھا۔

وہ ابھی نہا کر نکلی تھی، تب ہی باہر سے آتی آوازوں پر عطوفہ سمجھ گئی کہ مہمان آ چکے ہیں، وہ جلدی جلدی اپنے گیلے بالوں کو سلجھانے لگی، تبھی فصیحہ اور ملیحہ نے ایمی کی ہمراہی میں کمرے میں دھاوا بولا۔

''میڈم جی! کہاں رہ گئی تھیں، کب سے آئے بیٹھے ہیں ہم''۔ فصیحہ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے ہی آپی سے کہا تھا حلیہ تھوڑا ٹھیک کر لیں، خواہ مخواہ لوگوں کو غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں، اور پھر پتہ نہیں کیا سے کیا سمجھ لیتے ہیں''۔ ایمن نے معصومیت سے کہا، تو فصیحہ اور ملیحہ یک دم ہنس پڑیں۔

''ہنس لو، بدتمیزو! تم سب....اور تم کیسی دوست ہو، کل تمہاری ہی وجہ سے سب ہوا، اور اب مزے سے میرا مذاق اُڑا رہی ہو''۔ ڈارک براؤن آنکھوں میں کاجل کی دھار لگاتے ہوئے عطوفہ نے تاسف سے ان سب کو ہنستے ہوئے دیکھا اور فصیحہ سے کہا۔

''اچھا بابا، ناراض تو مت ہوں آپ، آج تو آپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میزبان ہیں ہماری"۔ ملیحہ نے اپنی ہنسی کو بریک لگاتے ہوئے خوشامدی لہجے میں کہا۔

"ویسے دلہن صاحبہ! آپ کیسے تشریف لے آئیں، آپ کا تو باہر نکلنا ممنوع تھا"۔ عطوفہ نے ملیحہ کے خوشامدی لہجے پر مسکراتے ہوئے فصیحہ سے پوچھا۔

"ہاں، باہر نکلنا ممنوع ہی ہے، پَر امی نے کہا آنٹی کا گھر تو یہ نزدیک ہی ہے اور وہاں کوئی چینگس تو ہے نہیں انکل کے سوا، اس لیے میں بھی چل پڑی، آخر کو تم نے دعوت جو دی ہے، فائدہ تو اُٹھاؤں میں"۔ فصیحہ نے تفصیل سے کہا۔

"اچھا تم لوگ بیٹھو، میں ذرا کچن میں نظر دوڑا کے آؤں"۔ عطوفہ نے کھلے بالوں کو کلپ میں جکڑتے ہوئے کہا۔

"چلو میں بھی ساتھ چلوں، دونوں مل کر دوڑائیں گے نظریں"۔ فصیحہ نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں، آپ آج میزبان کا فرض ادا کرنے دیں، چپ چاپ بیٹھی رہیں، مہمانوں کی طرح"۔ عطوفہ نے ڈپٹتے ہوئے کہا اور باہر چل دی۔

"بھئی برخوردار! کافی ہینڈسم ہو گئے ہو تم ماشاءاللہ! اپنے باپ پر تو گئے ہی نہیں"۔ حسن فاروقی نے ضرّاب کو مخاطب کیا، ساتھ ہی آفتاب احمد کی طرف دیکھا۔

"ہاں کر لو میرے ہی بیٹے کے سامنے میری بے عزتی"۔ آفتاب احمد نے مصنوعی غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔

"ویسے رفعت اب اس کے بھی پاؤں میں بیڑیاں ڈال ہی دو، تاکہ پھر نہ پہنچے لندن"۔ تابندہ بیگم نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"ارے آنٹی جی! میں بھی اب واپس جانے والا نہیں، اس لیے ضروری نہیں میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی جائیں، آپ سب جو ہیں میری بیڑیاں اور چوڑیاں"۔ ضرّاب نے شرارت سے جواب دیا تو سب ہنس دیے۔

"ویسے آنٹی! وہ ماسی نہیں نظر نہیں آ رہی؟"

اچانک ضرّاب نے اِدھر اُدھر نظر گھماتے ہوئے کہا، ہی آفتاب احمد کے گلا کھنکارنے پر اُسے احساس ہوا کیا بول چکا ہے۔

"کون سی ماسی بیٹا؟" تابندہ نے ناسمجھی کے میں ضرّاب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ آنٹی! میرا مطلب ہے آپ کے گھر ماسی ہے، آپ سارا کام اکیلی کرتی ہیں؟" ضرّاب جلدی سے بات بنائی تو رفعت بیگم اور آفتاب احمد سکون کا سانس خارج کیا۔

"نہیں بیٹا! میں اکیلی کہاں، عطوفہ ہوتی ہے نا ساتھ، ارے یہ عطوفہ کہاں رہ گئی؟ تم بھی ملے نہیں نا اُس سے؟ کچن میں ہی ہوگی میری گڑیا"۔ بیگم فاروقی نے ممتا سے لبریز لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا، سب بڑے باتوں میں مشغول ہو گئے تو ضرّاب بھی پانی کے بہانے سے اُٹھ کر کچن میں چلا آیا۔ جہاں عطوفہ سموسے فرائی کرنے کے بعد رُخ موڑے ڈائننگ ٹیبل پر برتن سیٹ کر رہی تھی۔

"اس گھر میں مہمانوں سے ملنے کا کوئی رواج نہیں ہے کیا؟" جبھی وہ اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا، وہ پلٹی تو اتنے قریب اسے کھڑا دیکھ کر پہلے تو گھبرائی پھر سنبھلتے ہوئے سلام کر کے سائیڈ میں ہو گئی۔

"نہیں، ایسی بات نہیں، ایکچوئیلی میں نے سوچا ٹیبل سیٹ کر لوں پھر ملتی ہوں سب سے، ویسے آپ کو کچھ چاہیے تھا؟" عطوفہ نے اسے اپنی ہی طرف دیکھتا دیکھ کر پوچھا اور ساتھ ہی نجانے کیسے تم کی جگہ آپ کا لفظ ہی منہ سے نکلا۔

"جی، چاہیے پر صرف تم سے ہی"۔ ضرّاب نے شرارت سے کہا۔

"جی...؟" وہ ناسمجھی کے انداز میں اسے دیکھنے لگی، پتہ نہیں لندن جا کر اس کا مزاج بدلا تھا یا عطوفہ کا دل؟ نظریں چرا گئی۔

"وہ کل کے لیے تم سے معافی مانگنی تھی، آئی سوری

بس غلط فہمی کی وجہ سے ہوا"۔ ضرّاب نے تھوڑی شرمندگی کے ساتھ اصل بات کہی۔

"ارے نہیں، اِٹس اوکے، کل میرا حلیہ ہی ایسا تھا، آپ کا قصور نہیں، کوئی اور بھی یہی سمجھتا"۔ عطوفہ نے اس کی شرمندگی کم کرنا چاہی۔

"واہ... ہمیں وہاں اکیلا چھوڑ چھاڑ کر یہاں چپکیں لگ رہی ہیں"۔ ایمن اور ملیحہ اپنے کالج اور دوستوں کی باتوں میں لگ گئی تھیں، فائق کمپیوٹر میں گیم میں لگا ہوا تھا، تبھی فصیحہ بور ہو کر روم سے باہر نکلی تو ٹیبل کے پاس ان دونوں کو موجود پا کر وہیں چلی آئی۔

"وہ میں معافی مانگ رہا تھا کل کے لیے"۔ ضرّاب نے کہا۔

"اوہو... تو مل گئی معافی؟ ویسے میری دوست ہے بہت سخی"۔ فصیحہ نے عطوفہ کے کندھوں کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے لاڈ سے کہا۔

"تمہاری دوست کا تو ہمیں بھی پتہ ہے، پَر یہ مت بھولو کہ تمہارا بھائی بھی کچھ کم نہیں، اتنے ہینڈسم بندے کو معافی تو کیا، لوگ دل دے بیٹھتے ہیں"۔ ضرّاب نے مصنوعی کالر جھاڑتے ہوئے فخر سے کہا۔

"اُف فصیحہ! لوگوں کو اتنی خوش فہمیاں ہوتی ہیں اپنے بارے میں ہائے اللہ...!" عطوفہ نے ضرّاب کی بات پر شرارت سے کہا اور ساتھ ہی کھلکھلا کر ہنس دی، تو ضرّاب یک ٹک اسے دیکھنے لگا، تبھی فصیحہ نے ٹوکا۔

"آہم... آہم...! دل... سنبھل جا ذرا!" فصیحہ کی سرگوشی ضرّاب کے کانوں کے پاس گونجی تو اس کی نگاہیں پلٹیں، پاس ہی فصیحہ کھڑی شرارت سے اسے ہی تک رہی تھی، وہ اپنا سر کھجاتا ہوا جھجل سا ہو کر ہال کی جانب بڑھ گیا، کھانا نہ صرف بہت اچھا تھا بلکہ سب نے عطوفہ کے ہاتھوں کے ذائقے کی تعریف کی، کھانے سے فارغ ہو کر چائے کا دور چلا، عطوفہ سب کو چائے دے رہی تھی جبھی چائے دیتے ہوئے ضرّاب سے اس کی نظریں ملیں جن میں اپنے لیے بہت سے رنگ دیکھ کر عطوفہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"ماسی کے ساتھ ساتھ آپ اچھی کُوک بھی ہیں، سچ واقعی بہت مزے کا تھا"۔ ضرّاب کی طرف چائے بڑھاتے ہوئے ضرّاب کی بات سرگوشی کی طرح اس کے آس پاس اُبھری۔ وہ مسکراتے ہوئے پلٹ گئی اور پھر ایک بہت اچھی پُرتکلف سی دعوت کے بعد سب نے اپنے گھر کی راہ لی۔

☆............☆............☆

آج فصیحہ کی مہندی تھی اور چونکہ کام بہت تھا اس لیے عطوفہ احمد سنز آئی ہوئی تھی، اور اب کچن سنبھالے ہوئے تھی، جبکہ ضرّاب، فائق، ملیحہ اور طلحہ گھر کی سجاوٹ اور ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو تنگ کرنے میں لگے ہوئے تھے، جبکہ بیگم رفعت اور شاہدہ پھل اور مٹھائی وغیرہ کے ٹوکرے پیک کر رہی تھیں اور پاس ہی بیٹھی فصیحہ بھی ان کی مدد کروا رہی تھی۔

"بیٹا! اب بس بھی کرو، کچھ کام میرے لیے بھی رکھ چھوڑو، کب سے لگی ہوئی ہو"۔ رفعت بیگم نے عطوفہ کو پکارا۔

"بس آنٹی! ہو گیا سب"۔ عطوفہ نے جواب دیا۔ وہ کچن سے تقریباً فری ہونے ہی والی تھی بس پھیلاوا سمیٹنے کے بعد سِنک میں برتنوں کو اِکٹھا کیے اب جلدی جلدی انہیں دھو رہی تھی۔

"لوگ خود کو مصروف رکھنے کے لیے کچن میں ہی گھسے ہوئے ہیں"۔ اپنے بالکل پیچھے ضرّاب کی آواز سن کر وہ اُچھل ہی پڑی۔ وہ اُچک کر کچن کی سلیب پر بیٹھتے ہوئے عطوفہ کو مخاطب کرنے لگا، عطوفہ نے بغیر کوئی جواب دیے اپنے کام کو جاری رکھا۔

"ارے میں نے تم سے کچھ کہا"۔ ضرّاب نے پھر سے اُسے بولنے پر اُکسایا اور اس بار کامیاب بھی ہوا۔

"کچن میں کیا لینے کے لیے آئے ہو؟" عطوفہ نے بغیر مڑے ہی پوچھا۔

"تمہیں دیکھنے"۔ ضرّاب نے شرارت سے کہا، عطوفہ اس کے غیر متوقع جواب پر تھوڑی سی پزل ہوئی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر پھر فوراً خود پر قابو پالیا۔

"دیکھ لیا ناں، تو پھر اب جاؤ"۔ عطوفہ نے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے کہاں دیکھا؟ تم جو رخ موڑے کھڑی ہو، ذرا درشن تو کرادو اپنے، ہم بے تاب دل و آنکھیں لیے راہوں میں کھڑے ہیں"۔ لہجے میں مصنوعی التجا و بے چارگی بھرتے ہوئے ضرّاب نے کہا۔

"اُف...! کیوں ہانکتے ہو اتنی فضول تم؟" وہ پلیٹ کو سنک میں پٹختے ہوئے مڑی۔

"ہائے.... یہ غصہ، یہ تیور، یہ نشیلی آنکھیں لے ڈوبیں گی ہمیں"۔ ضرّاب دل پر ہاتھ رکھے آہ بھرتے ہوئے بولا۔ عطوفہ پاس رکھا کفگیر اُٹھانے کو بڑھی، جب ہی وہ اُچھل کر سلیب سے نیچے اُترا۔

"ہائے.... بس، بس ہوگئے درشن ماسی کے"۔ جاتے جاتے بھی وہ اسے چھیڑنا نہیں بھولا تو وہ بھی مسکرادی۔ وہ سب بچپن ہی سے آپس میں یوں بے تکلف رہے تھے، بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ بس تھوڑی سی سنجیدگی آگئی تھی، پر عطوفہ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ پانچ سال لندن میں گزارنے کے باوجود ضرّاب ویسا ہی تھا، بے تکلف، ہنس مکھ اور شرارتی۔ اس لیے تھوڑی بہت جو سنجیدگی اور اجنبیت و تکلف کی دیوار تھی وہ بھی گر گئی تھی۔

"آنٹی! کچن کا تو سب کام مکمل ہوگیا، کوئی اور کام ہے کیا؟" عطوفہ کچن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے باہر آئی اور رفعت بیگم سے پوچھا۔ رفعت بیگم جو ضرّاب کو پھولوں کے ہار اور گجرے وغیرہ لانے کا بتا رہی تھیں، اس کی بات پر مسکراتے ہوئے بولیں۔

"نہیں چندا! بس اور کوئی کام نہیں، اتنا تو کام کرلیا تم نے Thanks"۔

"کیا امی! آپ بھی ماسی کو Thanks کیوں بول رہی ہیں؟ یہ تو اس کا فرض تھا کام کرنا، ہے ناں جی؟" ضرّاب نے شرارت سے عطوفہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں میری بیٹی کو تنگ کرتے ہو بدتمیز! سدھر جاؤ"۔ بیگم رفعت نے اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"اچھا ناں امی! سوری آئندہ سے نہیں کہوں گا اسے ماسی، کیونکہ یہ تو ہے ہی ماسی"۔ ضرّاب کہہ کر تیزی سے دروازے کی طرف بھاگا تھا، تو شاہدہ اور رفعت بیگم بھی مسکرادیں۔

☆.........☆.........☆

مہندی، ڈھولکی اور پھر نکاح یکے بعد دیگرے سب فنکشنز بخیر و عافیت کے ساتھ اختتام پذیر ہوئے تھے، فاروقی ہاؤس کے مکینوں نے یوں شرکت کی گویا ان کے گھر کی ہی شادی ہو، ہر کام میں سب پیش پیش رہے، آج شہر کے مشہور میرج ہال میں فصیحہ اور صمد کے ریسپشن کی تقریب منعقد کی گئی تھی، چونکہ ہال ان کے گھر سے کافی دور تھا اس لیے ضرّاب اور طلحہ نے کار سنبھالی ہوئی تھی۔ حسن فاروق، تابندہ، آفتاب احمد، رفعت، مہتاب احمد اور ان کی بیگم شاہدہ پہلے ہی ہال پہنچ چکے تھے، فائق بھی ان ہی کے ساتھ پہلی شفٹ میں ہی ہال پہنچ گیا تھا، کاریں چونکہ دو تھیں اور لوگ کم اس لیے طلحہ کی کار میں ملیحہ جبکہ ایمن اور عطوفہ ضرّاب کی کار میں موجود تھیں۔ ایمن نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے سے منع کیا چنانچہ عطوفہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی، مشترکہ پلاننگ کر کے اس فنکشن کے حساب سے تینوں نے ساڑھیاں پہنی تھیں، ایمن اور ملیحہ نے ایک جیسی یعنی لائٹ پرپل کلر کی ساڑھی پہنی تھی جس پر گولڈن سے دبکے کا کام ہوا تھا، جبکہ عطوفہ نے بلیک کلر کی ساڑھی زیب تن کی تھی جس پر سلور ستاروں اور دبکے کا کام جھلملا رہا تھا۔ ضرّاب کی نظریں اُسے آج خود پر بہت محسوس ہو رہی تھیں، سگنل پر جب گاڑی رُکی تو گجرے والے کو دیکھ کر ایمن نے گجرے لینے کی فرمائش کی۔ ضرّاب کے ایک اشارے پر گجرے والا دوڑا چلا آیا۔ ایمن نے اپنے اور ملیحہ کے

لیے گجرے لیے جبکہ عطوفہ نے منع کردیا۔

"صاحب! اپنی بیگم کے لیے بھی لے لو گجرے، بہت سوہنے لگیں گے ان پر"۔ اچانک گجرے والے نے ضرّاب کے برابر بیٹھی عطوفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، تو جہاں عطوفہ چونکی وہیں ایمن اور ضرّاب مسکرادیے۔

"بھئی یہ بیگم صاحبہ کو گجرے نہیں پسند"۔ ضرّاب نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"تو صاحب کنگن لے لو، اپنے ہاتھوں سے پہنادو بیگم صاحبہ کے ہاتھوں میں، بڑی سوہنی لگیں گی کلائیاں، بالکل آپ دونوں کی سوہنی جوڑی کی طرح"۔ ایمن اس بات پر کھلکھلا کر ہنس دی، جبکہ عطوفہ شرم و حیا سے سرخ ہوگئی، ضرّاب نے اس کے اتنے اصرار پر کنگن لے ہی ڈالے۔

"آپ پہنیں گی بیگم صاحبہ! یا میں پہنادوں؟ تاکہ آپ کی کلائیاں بھی سوہنی لگیں"۔ ضرّاب نے کنگن اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شرارت سے کہا، تو عطوفہ نے جھٹ سے کنگن اس کے ہاتھوں سے لے کر اپنے ہاتھوں میں ڈال لیے مبادا کہیں سچ میں ہی وہ پہنا نہ دے۔ ضرّاب اس کی اس حرکت پر مسکرادیا۔ ریسپشن بہت اچھے ہال میں رکھا تھا، ڈنر بھی بہت پُرتکلف تھا، بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس صمد اور اس کے ساتھ شاکنگ پنک اور گولڈن کنٹراسٹ کا لہنگا پہنے سجی سنوری ہنستی مسکراتی فصیحہ ان دونوں کی جوڑی بلاشبہ بہت اچھی لگ رہی تھی، بھی فوٹو سیشن کا سلسلہ شروع ہوا تو صمد کچھ تصویریں بنوا کر اسٹیج سے اُتر گیا اور اپنے دوستوں سے باتوں میں مشغول ہوگیا، عطوفہ نے موقع ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسٹیج پر پہنچ کر فصیحہ کی بغل میں بیٹھ گئی۔

"so کیسی رہی پھر؟" عطوفہ نے معنی خیزی سے آہستہ سے کہا۔

"کیا کیسی رہی؟" فصیحہ نے انجان بننے کا تاثر دیا۔

"میری ساڑھی"۔ عطوفہ نے جل کر کہا تو فصیحہ بے ساختہ مسکرادی۔ جبھی ضرّاب بھی اوپر چلا آیا اور عطوفہ کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کس بات پر اتنا مسکرایا جارہا ہے گرلز!"

"یہ بعد میں بتاؤں گی، پہلے تو یہ بتائیں کہ آپ یہاں کیوں بیٹھ گئے؟" عطوفہ نے اسے اپنے برابر بیٹھتے دیکھ کر گھورتے ہوئے کہا۔

"ارے کیوں ٹیکس لگا ہے کیا؟ میں تو نہیں جارہا اُٹھ کر کہیں بھی، یہیں بیٹھوں گا"۔ ضرّاب نے ڈھٹائی سے کہا تو اسے اُٹھنا ہی مناسب لگا۔ تب ہی ایک ضعیف عمر رسیدہ سی امّاں بی بیگم رفعت کا ہاتھ تھامے اسٹیج پر چڑھیں تو ناچار اسے فی الحال بیٹھنا ہی ٹھیک لگا، لیکن اگلے ہی پل ہونے والا سین سب کو چونکا گیا۔

"ماشاءاللہ، بڑی ہی پیاری جوڑی ہے، اللہ نظرِ بد سے بچائے دونوں بچوں کو، سدا سہاگن رہو بیٹا!" بڑی بی نے فصیحہ کے بجائے عطوفہ اور ضرّاب کی بلائیں لیتے ہوئے دعا دی، جہاں سب چونکے اور سب کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ دوڑی، وہیں عطوفہ حیا کے رنگ سے لال ہوگئی، شرم و حیا کے رنگ اس کے چہرے پر دوڑنے لگے۔

"پر دلہن تو یہ ہیں، جو زیوروں سے لدی پھدی بیٹھی ہیں"۔ پاس کھڑے فائق نے ہنستے ہوئے انہیں اطلاع دی اور فصیحہ کی طرف اشارہ کیا۔

"اماں بی! میری بیٹی تو یہ رہی، داماد اپنے دوستوں سے باتوں میں مصروف ہیں اور یہ میرا بیٹا ہے جبکہ یہ ہمارے پڑوسیوں کی لڑکی"۔ رفعت نے جلدی جلدی تعارف کروایا۔

"ہائے.. ابھی سوچوں دلہن ہے تو بڑی سوہنی، پر پتہ نہیں زیور کیوں نہیں پہنے، معاف کرنا بیٹا! عمر کا تقاضہ ہے، نظر ذرا کمزور ہوگئی ہے میری"۔ امّاں جی نے اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی کمزور نظر کا رونا رویا اور سلامی دے کر رفعت کا ہاتھ تھامے خراماں خراماں چل دیں جبکہ شرمائی گھبرائی عطوفہ سے نظریں اُٹھانا اور کھڑا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہونا بے حال ہوگیا۔

''واہ، واہ.....! مفت میں ہی کیا دعا دے گئیں''۔ فصیحہ نے مسکراتے ہوئے چھیڑا۔

''آج کا دن تو عجیب عجیب انکشافات کا ہی ٹھہرا، سب ہماری جوڑی ہی بنانے پر تُلے ہیں''۔ ضرّاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا جبکہ آخری لائن خاص عطوفہ کے قریب ہوکر کہی، تو عطوفہ پزل سی ہوکر جلدی سے اسٹیج سے نیچے اُترنے لگی اور تب ہی جلدی کے چکر میں اس کی ساڑھی کا پلّو اسٹیج کی سیڑھیوں پر رکھے گلدان میں اٹکا اور قریب تھا کہ وہ گرتی اس سے پہلے دو مضبوط ہاتھوں نے بڑھ کر اسے تھام لیا۔

''لگتا ہے سب کی دعائیں تو ابھی سے رنگ لانے لگی ہیں، ابھی سے بن گئی جوڑی تو ہماری''۔ ضرّاب کی مدھر سی سرگوشی اس کے کان کے پاس گونجی تو عطوفہ فوراً سنبھل کر ٹھیک سے کھڑی ہوئی اور اگلے ہی پل اسٹیج سے نیچے اُتر گئی۔

☆..........☆..........☆

''جی جی، کیا کہہ کر ان کو بلاؤ گی، دولہا بن کر جو وہ آئیں گے''۔

''اُف.... پلیز چپ کرو ناں، کیوں صبح سے بے سُرے راگ الاپ رہی ہو؟'' عطوفہ نے ایمی کو جو کب سے اُسے چھیڑ رہی تھی، چپ کروانے کی ناکام سی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''کیا ہے نا اپیا! بھی بھی دعائیں واقعی یوں ہی قبول ہوجاتی ہیں، اب ہم تو صرف فصیحہ آپی کو ہی گھر سے بھگا کر چین سے بیٹھ رہے تھے، اب ہمیں کیا معلوم کہ آپ کی ان کے ساتھ دوستی ہی اتنی پکی ہے کہ فوراً ان کے پیچھے ان کے سونے گھر کو آباد کرنے چل دیں گی''۔ ایمن نے کانوں میں جھمکے ڈالتے ہوئے پھر سے عطوفہ کو چھیڑا۔ ایمی ٹھیک ہی کہہ رہی تھی واقعی سب اتنی جلدی طے ہورہا تھا کہ وہ خود حیران تھی احمد سنز کے مکین تو عطوفہ کی سیرت وصورت اخلاق کے دیوانے ہی تھے اور جب ضرّاب نے اپنی شریکِ سفر کے لیے عطوفہ ہی کا نام لیا گویا سونے پر سہاگا ہوگیا، حسن فاروقی اور تابندہ کی نظر میں بھی یہ رشتہ ہر لحاظ سے موزوں تھا کیونکہ ضرّاب نہ صرف بچپن سے دیکھا بھالا لڑکا تھا بلکہ سلجھا اور سمجھدار بھی تھا، اس لیے دونوں طرف سے ہی فوراً ہاں ہوگئی تھی اور اب منگنی کے جھنجھٹ میں پڑنے کے بجائے عنقریب ڈائریکٹ نکاح کا ہی پروگرام رکھا گیا تھا، جبکہ رخصتی کچھ ماہ بعد کی۔ اسی سلسلے میں آج سب ڈیٹ فکس کرنے آنے والے تھے۔

''لے جائیں گے، لے جائیں گے، ارے دل والے دلہنیا لے جائیں گے.....!'' تبھی ملیحہ بھی گنگناتے ہوئے بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوئی۔

''لو جی آگئے آپ کے چہیتے سسرالی، اب تو بتادو جی، جی کیا کہہ کر ان کو بلاؤ گی، دولہا بن کے جو وہ آئیں گے''۔ ایمن نے اسے پھر سے چڑایا اور بھاگنے لگی تو عطوفہ نے اپنی چوڑیاں جنہیں وہ پہن رہی تھی سائیڈ پر رکھیں اور پاس پڑی چپل اُٹھا کر بھاگتی ایمن کے تعاقب میں اُچھالی، مگر شومئی قسمت کے وہ چپل روم کے اندر آتے ضرّاب کے کندھوں سے لگ کر خیریت دریافت کرگئی تو ایمن کھلکھلا کر باہر کی طرف بڑھ گئی، جہاں تابندہ بیگم، رفعت بیگم، شاہدہ اور ملیحہ وغیرہ براجمان تھے۔

''لگتا ہے، عنقریب مستقبل میں بھی ہم پر ایسے ہی تاک تاک کر جارحانہ حملے ہوں گے''۔ ضرّاب نے مصنوعی آہ بھرتے ہوئے اپنے کندھے کو سہلاتے ہوئے کہا۔

''آئی ایم سوری، وہ میں ایمن کو..... آپ کو زیادہ تو نہیں لگی؟'' عطوفہ اچانک ہی شرمندگی اور تشویش بھرے لہجے میں اس کی شرارتی آنکھوں کو نظرانداز کیے اس کے پاس آتے ہوئے بولی اور ساتھ ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنے کے لیے آگے بڑھایا، ضرّاب ذرا نیچے جھکا اور غیرارادی طور پر ہی عطوفہ کا ہاتھ ضرّاب کی آنکھوں سے مس ہوگیا، ضرّاب اب آنکھوں پر ہاتھ رکھے مصنوعی سرد آہیں بھرنے لگا۔

''اُف... آہ..... بہت زور سے لگ گئی''۔ ضرّاب نے درد و تکلیف میں ڈوبی آواز نکالی۔

''او..... آپ یہاں بیٹھیے میں دیکھتی ہوں ذرا''۔ ہاتھ پکڑ کر پاس رکھی چیئر پر ضرّاب کو بٹھاتے ہوئے کہا اور خود اس کی سرخ پڑتی آنکھوں پر پھونک مارنے لگی۔

''اوف ہو..... درد یہاں نہیں''۔ ضرّاب نے اچانک سے کہا۔

''ارے تو کہاں ہے پھر؟'' عطوفہ نے ناسمجھی اور حیرانگی کے عالم میں پوچھا۔

''یہاں پر''۔ ضرّاب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دل پر رکھ دیا، دھک دھک کرتے دل کی دھڑکنیں عطوفہ کو صاف محسوس ہورہی تھیں۔

''پتہ ہے عطو! بچپن سے ہی میرے اس دل میں تم بسی ہو، یہی وجہ تھی میں ہمیشہ تمہیں چھیڑتا آیا تاکہ تمہارے آس پاس رہوں، لندن جاکر بھی میں تمہیں نہیں بھولا تھا، ہاں مگر اتنے سالوں کی بات تھی اس لیے ذہن سے تھوڑا عکس دھندلا گیا تھا، پَر دل بچپن اور تمہاری یادوں کے نشان نہیں بھلا پایا تھا، جانے سے پہلے ہی میں نے سوچا کہ تمہیں اپنی محبت کا، وفا کا یقین دلا کر جاؤں تاکہ جب لوٹوں تو تمہیں اپنا منتظر پاؤں، مگر پھر سوچا پہلے کچھ بن جاؤں، اپنے پاؤں پر کھڑا ہوجاؤں، پھر ہی تمہیں بتاؤں گا، تبھی یہ بات دل میں ہی دبا کر چلا گیا، پر میں جانتا تھا میرا پیار سچا ہوا تو تم صرف میری ہو، اور میری رہو گی، اور دیکھو واقعی خدا نے میرے نصیب میں تمہیں ہی بنایا''۔ آنکھوں سے جھلکتا پیار اور یہ مدھر سے لہجے میں اعتراف عطوفہ کے چہرے پر بھی حیا اور پیار کے رنگ سجا گیا۔

''پر اب مجھے ڈر لگتا ہے یار!'' اچانک ضرّاب نے سنجیدگی سے کہا۔

''کس چیز سے؟'' وہ جو پور پور اس کے پیار کے اعتراف کی بارش میں بھیگ رہی تھی، چونکتے ہوئے پوچھ بیٹھی۔

''اس بات سے کہ مستقبل میں تم نجانے میرے ساتھ کیا سلوک کرو گی؟ چور سمجھ کر بھی گریبان پکڑو گی، یا بھی چپل مار کر استقبال کرو گی، ہائے.....! مظلوم شوہر''۔ ضرّاب نے لہجے میں بے چارگی لاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

''بہت بدتمیز ہیں آپ''۔ عطوفہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا اور جانے لگی۔

''تم خوش ہو ناں اس رشتے سے؟ بولے تو ہماری جوڑی سے، کیونکہ تم نے اب تک مجھ سے اعتراف نہیں کیا، کوئی اُمید کا جگنو نہیں تھمایا''۔ ضرّاب نے جاتی ہوئی عطوفہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ سیدھی اس کے چوڑے سینے میں سما گئی۔ تب ہی وہ اس سے چاہت کا اعتبار مانگنے لگا۔

''جی میں خوش ہوں اور میں کیا اعتراف کروں، اب جب میں پوری کی پوری آپ ہی کی ہونے والی ہوں، کیونکہ آپ ہیں تو میں ہوں، آپ اگر چاند ہیں تو میں اس چاند کی چاندنی، آپ گیت ہیں تو میں اس گیت کی راگنی، آپ سورج ہیں تو میں اس کی روشنی، آپ دل ہو تو میں اس کی دھڑکن اور مختصر بس یہی کہ میں دھرتی ہوں اور آپ میرے سائباں''۔ منفرد اور پیار بھرا اقرار وہ بھی عطوفہ کی آواز میں اسے بے خود سا کرنے لگا، تو اُس نے اُسے خود میں بھینچ لیا۔

''سوچ رہا ہوں نکاح کے ساتھ ہی رخصتی کروالوں کہ اب اور انتظار نہیں ہوتا''۔ ضرّاب نے مدہوشی کے خمار میں کہا تو وہ شرما گئی۔

شام دم بہ دم گہری ہوتی گئی تھی، ٹمٹماتی، جھلملاتی روشنیاں فضا میں اُڑتے سینکڑوں جگنوؤں کی مانند جل بجھ رہی تھیں، آسمان کی وسعتوں میں سیاہ بادل کے ٹکڑے اٹکھیلیاں کررہے تھے اور ایسے میں دھرتی اور سائباں کا ملن انوکھا بھی تھا اور مضبوط بھی۔

☆..........☆..........☆

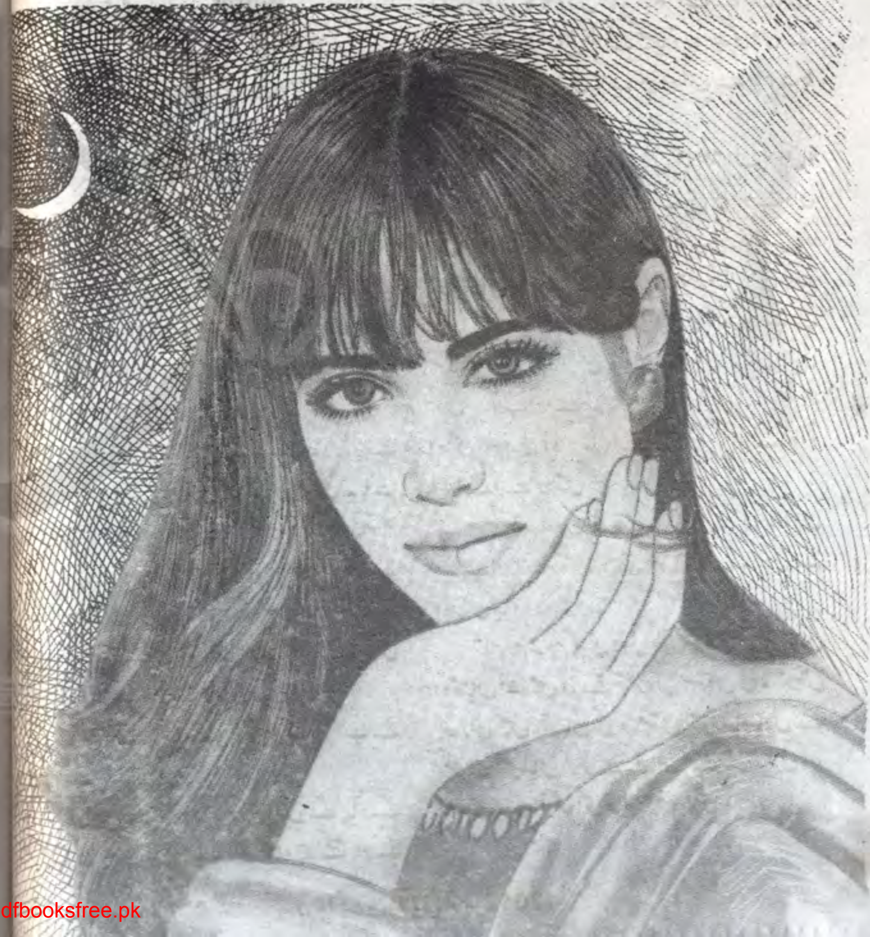
Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ثمرین اسلام الدین

افسانہ

لے سا ہو تو سامنے آئے

''آئے ہائے مالن! میں نہ کہتی تھی میری بہو میسنی ہے، گھنی اندر ہی اندر اپنا کام کررہی ہے، مجھے مارنے کا، اب یہ دیکھ میرے بستر سے یہ تعویذ نکلا ہے، اب تُو ہی بتا، مجھے کون مار سکتا ہے؟ میرے تین ہی تو بیٹے ہیں، تینوں اللہ میاں کی



گائے ہیں، مگر میری بہو..... یہ شروع دن سے ہی میرے پیچھے پڑی ہے، منہ پہ کچھ نہیں کہتی، میں سچ کہتی ہوں کہ یہ میری جان کی دشمن ہے''۔ خالہ آتے ہی جو اپنی بہو کی بُرائی کرنا اسٹارٹ ہوئیں چپ ہی نہ ہوئیں۔

''خالہ! آپ کی بہو تو بہت سیدھی ہے، کیوں اس بے چاری کے پیچھے پڑی ہیں، وہ کیوں مارے گی، لگتا ہے یہ بھی آپ کے بیٹوں کا کام ہے''۔ عندلیب چائے لے کر آتے ہوئے بولی۔

''اور اماں! آپ کچھ تو خیال کرلیا کریں، اکٹھے کیا بیٹھتی ہیں، غیبت شروع کردیتی ہیں، کیوں گناہ کماتی ہیں، کچھ اللہ کا ہی نام لے لیا کریں''۔ کپ رکھتے ہوئے اس نے بے زاری سے کہا۔

''ہیں، ہیں..... لڑکی! کیا بکواس کررہی ہے، ہم کیوں کریں گے غیبت؟ اب کیا مل بیٹھ کر ایک دوسرے کے دکھ سکھ بھی نہیں سن سکتے کیا؟'' خالہ کا پارا ہائی ہوگیا تھا۔

''تُو چپ ہو، اپنا بلڈ پریشر مت بڑھا، اس کو تو عادت ہے، بغیر سوچے سمجھے بولنے کی''۔ عندلیب کی ماں نے بیٹی کو گھورتے ہوئے جانے کا کہا اور اُن کو تسلی دینے لگیں۔

''تیرا کام تو میں اپنے بابا سے یوں کروادوں گی، ابھی کل جمعرات ہے، بابا اپنے آستانے میں بیٹھیں گے، تم بھی



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلنا، ہر کام پکا کرتے ہیں"۔ مالن خالہ (عندلیب کی ماں) نے رازداری سے خالہ کی طرف جھکتے ہوئے کہا اور بھی آہستہ آواز میں جانے کیا کیا کہنے لگی تھیں، دور کھڑی عندلیب نے بس یہی سنا تھا، اور سر جھٹک کر اپنا کام کرنے لگی۔

☆..........☆..........☆

"عشرت! ذرا بات سُن یار!" دروازے سے نکلتے عشرت کو پاس ہی کھمبے سے ٹیک لگا کر کھڑے حماد نے بلایا تھا، تو وہ منہ بناتا پاس چلا آیا۔

"کیا ہے؟" اس نے بےزاری سے پوچھا۔

"یار! یہ ہمیں دیکھ کر تیرے اور تیری بہن کے چہرے کے زاویے بگڑ کیوں جاتے ہیں؟" انس اس کو بیزار دیکھ کر بولا تھا۔

"ارے یار! پہلے کام کی بات تو پوچھنے دو"۔ حماد نے ٹوکا تھا۔

"ہاں تو یہ بتا، عشرت خالہ جس بابا کے پاس جاتی ہیں، واقعی وہ سب مسئلے حل کر دیتے ہیں؟" حماد نے اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر قریب کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، ہاں کرامت بابا ہر مرض کی دوا ہیں، ہر کام یوں چٹکی بجاتے ہی کر دیتے ہیں"۔ عشرت کی بےزاری ختم ہوئی تھی۔

"اچھا... واہ بھئی! یہ بتا کہ "وہ محبوب آپ کے قدموں میں" ڈال سکتے ہیں؟" انس نے بھی دوسری طرف سے اس کو گھیرتے ہوئے سامنے عندلیب پر نظر جماتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، ہاں... سب کام کر سکتے ہیں"۔

"عشرت! باہر گرے کپڑے کیا گلی نے پکڑ لیے جو ابھی تک تم آئے نہیں؟" عندلیب نے اس کو دیکھ کر اوپر سے ہی کہا تھا۔

"آ رہا ہوں بس!" وہ اپنے آپ کو چھڑاتے ہوئے بولا۔

"ابھی اس کو پتہ چل جاتا کہ محبوب کون ہے، تو اس کی غیرت جاگ جاتی"۔ حماد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں وہ تو ہے، مگر لڑکیوں والی"۔ انس نے اس کے نام کا مذاق بنایا تھا۔

"مگر یار! یہ بابا کی وبا محلے میں کچھ زیادہ ہی پھیلتی نہیں جا رہی؟" انس نے کہا تھا۔

"ہاں یار! کچھ کرنا پڑے گا، چل گھر چل کر دیکھتے ہیں"۔

"یار... ہم کہیں بھابی کے لئے مسئلہ تو کھڑا نہیں کر رہے؟" انس نے فکرمندی سے کہا۔

"نہیں نا، سب صحیح ہو جائے گا، ویسے نیب کو گئے زیادہ دن نہیں ہو گئے؟ ابھی تک اس کا رول پورا نہیں ہوا ڈرامے میں؟"

"یار! نیب کی قسمت کتنی اچھی ہے، اُسے ڈرامے میں چانس مل گیا"۔ اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے حماد نے کہا۔

"شاباش ہے بیٹا! سارا دن بس مٹر گشتی ہی کرتے رہا کرو، یہ نہ ہوا کہ دو گھڑی چچی کے پاس چکر لگا آؤ، کہ بھائی (نیب) گھر نہیں، کیا پتہ چچی کو کوئی کام ہو"۔ ماں نے منہ میں پان رکھتے ہوئے ان کو کہا۔

"صبح سے بچہ کتنی بار بلانے آ چکا ہے، مگر گھر ہو تو بولوں نا میں"۔

"بس اماں! ابھی جاتا ہوں، آپ بےفکر رہیں"۔ حماد نے اُلٹے قدموں سے لوٹتے ہوئے کہا تو انس بھی ساتھ جانے لگا۔

"تُو تو رُک، تُو کیوں آ رہا ہے؟" حماد نے کہا۔

"کیا یار... ہمیں بھول گیا؟" انس نے شرارتی انداز میں کہا۔

"اچھا اپنے معاملے کو پھر بچا لینا مجھ سے"۔ در پردہ دھمکی دی تھی، انس سیدھا ہو گیا اور راستہ صاف کر دیا۔

☆..........☆..........☆

"جی چچی! اماں نے بتایا کہ آپ نے بلایا تھا"۔ حماد نے سعادت مندی سے پوچھا۔

"ہاں بیٹا! ٹی وی خراب ہو گیا ہے، تمہیں تو پتہ ہے، رابعہ کو کتنا شوق ہے، میچ دیکھنے کا، وہی بے چین ہے کہ ٹھیک کروا لوں، اب حمزہ میں ہمت تو ہے نہیں اُسے اُٹھا کر تمہاری دوکان تک لے جانے کی اور نیب نجانے کب تک آئے؟ تو سوچا تمہیں بلوا لوں، یا تو یہ یہیں صحیح کر لو یا پھر دوکان لے جاؤ"۔

"اچھا ابھی چیک کر لیتا ہوں، نیب نہیں تو کیا ہوا، میں بھی تو آپ کا بیٹا ہوں (ہونے والا داماد بھی تو بیٹا ہوتا ہے)"۔ سرشاری سے سوچنے لگا۔ حماد ٹی وی اُٹھا کر صحن میں لے کر آ گیا۔

"رابعہ! حماد کے لئے چائے بنا لو، اور حمزہ! جاؤ بھائی کے بیٹھنے کے لئے کچن سے پیڑھ اُٹھا کر لاؤ اونچا والا"۔ چچی نے حمزہ سے کہا جبکہ حماد ٹی وی کھول کر چیک کرنے لگا۔ حمزہ لوہے کا پیڑہ اُٹھا کر لے آیا تو حماد نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"چچی جان! اب تو اس ٹی وی سے جان چھڑا لیجئے، قسطوں پر اُٹھا لیں ٹی وی"۔ حماد نے ٹی وی کو دیکھا تھا اور شاید ٹی وی کو یہ بات پسند نہیں آئی، اس نے حمزہ کو تار لگانے کا کہا، جیسے ہی تار سوئچ میں لگا کر بٹن آن کیا، حماد کی چیخیں بلند ہوئیں تو حمزہ نے گھبرا کر تار نکال دیا، چچی اور رابعہ نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا بھائی؟" حمزہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"کرنٹ لگ گیا"۔ حماد نے سہمی آواز میں کہا۔

"ارے میرا بچہ!" چچی نے اس کو اُٹھا کر تخت پر بٹھایا تو پیڑے پر نظر پڑی۔

"حمزہ! یہ پیڑا کیوں لائے لوہے کا؟ اور دیکھو تو تار اس سے ٹچ ہو رہا ہے، لکڑی کا کہا تھا"۔ چچی نے حمزہ کو ڈانٹا۔

"چچی! آج میں بال بال بچا ہوں، اگر یہ ارتھ کے بجائے کرنٹ کا تار ہوتا، تو میں تو اوپر چلا جاتا"۔ نادیدہ خوف کے زیر اثر اس نے کہا۔

"چچی جان! بدلوا لیجئے ان تاکل چیزوں کو، نہیں تو جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے"۔ ٹی وی واپس پیک کر کے وہ ساتھ لے کر دروازے سے باہر نکل آیا، جبکہ چچی آواز دیتی رہ گئیں۔

☆..........☆..........☆

"سنا ہے اسے محبت بھی دعائیں دیتی ہے
جو دل یہ چوٹ کھائے مگر گلہ نہ کرے"

انس نے اس کی حالتِ زار پر چوٹ کی تھی۔

"اچھا زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں، ہو جاتا ہے اکثر، بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ"۔ حماد نے بے نیازی سے کہا، اس سے پہلے ان کی بحث ہوتی فون کی بیل بجنے لگی۔

"ابے یار نیب! کیسا ہے تُو؟ قسم سے دل نہیں لگ رہا، کیا... آج آ رہا ہے، اچھا ویری گڈ یار! ویسے ایک آئیڈیا... وہ تُو نے بابا کے گیٹ اپ کے سامان کے بارے میں بتایا تھا، وہ ملے گا بلکہ ایسا کر ابھی تُو کسی کو بھی کچھ مت بتا، بس ایک کام کرنا ہے وہ کر، اور جو میں کہتا ہوں وہ کر، سب کی بھلائی کی بات ہے یار! ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں تجھے لینے، پھر بات کرتے ہیں"۔ حماد نے فون بند کیا۔

"ہوں... تو کچھ سوچ لیا ہے اس بابا کے بارے میں؟" انس نے پوچھا۔

"ہاں اور اس کرامت بابا کو تو ہمارے جلالی بابا ہی سدھار سکتے ہیں، اب جلد ہی ان بابا کی اصلیت کھل جائے گی، تاکہ سب سدھر جائیں، ذرا سے کام کے لئے باباؤں کو یاد نہ کریں"۔

☆..........☆..........☆

"اماں! میں یہاں کیسے؟" عشرت نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

"ہم لائے ہیں تمہیں اُٹھا کر"۔ کورس میں آواز آئی تو سب نے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا تھا، جبکہ مالن خالہ نثار ہو رہی تھیں، حماد اور انس نے بڑی معصوم سی شکلیں بنا کے ان کے سامنے کی تھیں۔

"بیٹا! تم بے ہوش کیسے ہو گئے تھے؟" مالن خالہ نے عشرت سے فکرمند ہو کر پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اماں! رات جب میں آ رہا تھا، میں نے چڑیل کی آواز سنی اور دیکھا سفید چادر میں''۔

''ہائے..... میں مر گئی، سچی میرے لعل!'' مالن خالہ خوف سے آنکھیں باہر کو نکال کر بولیں۔

''ہاں اماں! اور وہ چڑیل کہہ رہی تھی، میں تجھے لے جاؤں گی، چھوڑوں گی نہیں''۔ عشرت نے روہانسے لہجے میں کہا۔

''خالہ! کئی دن سے محلے میں عجیب وغریب واقعات رونما ہو رہے ہیں، کبھی کسی کے دروازے کے پاس خون کے چھینٹے ملتے ہیں، کبھی کالے بکرے کی سری، اور تو اور میں نے بھی آپ کے گھر کے آس پاس آوازیں سنی تھیں، کیا آپ بابا کو بلوا کر یہاں حفاظتی حصار نہیں بندھوا سکتیں؟'' انس نے معصومانہ انداز میں بابا کا ذکر کیا، اور خالہ کو بھی یاد دلایا۔

''ویسے تو وہ بابا کہیں جاتے نہیں، مگر میرے بچے کے لیے میں بابا کو ضرور یہاں لاؤں گی''۔ خالہ پُر یقین لہجے میں بولیں تو حماد کو اطمینان نصیب ہوا۔

☆............☆............☆

شام کا وقت تھا، بابا کرامت آخر تشریف لے ہی آئے، ہاتھ میں تسبیح، کالی سفید داڑھی، کالا چوغہ، گلے میں مالائیں۔

''بابا! اِدھر سے آواز آئی تھی''۔ عشرت نے اسٹریٹ لائٹ کے پول کے پاس جہاں ان کے گھر کا پچھلا حصہ بھی تھا، اشارہ کیا۔

''ارے نادان، کچھ نہیں ہے اِدھر، وہم ہے تیرا''۔ بابا کچھ گرج کے بولے۔

''اچھا بابا! کچھ قول وقرار کروا کر اسے یہاں سے بھگا دیجئے، پورے محلے میں خوف و ہراس پھیلا ہے''۔ حماد کی ماں نے لجاجت سے کہا۔

''بابا نے اپنے بندوں کو کچھ اشارہ کیا، وہ پول کے پاس جا کر دیکھنے لگے، کہ آناً فاناً ان دونوں پر دو پتھر پڑے، تھوڑے ہی وقفے سے دوبارہ پتھر لگے، وہ تو جا کر بابا کی اوٹ میں کھڑے ہوگئے، جبکہ بابا کی آنکھیں تھوڑی کھل گئیں۔ بابا تیز آواز ہو کر بولے۔

''کون ہو، کیا چاہتے ہو، بتاؤ..... نہیں تو جلا کر بھسم کر دوں گا''۔ بابا کے کہتے ہی نسوانی بھیانک آواز رونے لگی۔

''قاتل ہو تم سب، نہیں چھوڑوں گی''۔ آواز اتنی خوفناک سسکتی ہوئی تھی کہ بابا کے حواس جانے لگے، مگر بابا دیکھنے کے لیے تھوڑا آگے بڑھے تھے کہ ان پر بھی پتھروں کی برسات ہوئی، تو ان کی حالت غیر ہوگئی، اور سب وہاں سے بھاگ گئے۔

پول اسٹریٹ لائٹ کی سامنے والی چھت پر تین ہستیاں لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔

''یار! یہ بابا تو چلے گئے، اب اس معاملے کو نپٹانے کے لئے اور اپنے محلے کی سیدھی سادھی عورتوں کے ذہنوں کو روشن کرنے کے لئے ابھی اپنے پلان کو پھیلانے کا آغاز کرنا ہوگا''۔ حماد نے منیب اور انس کو اپنے پلان سے آگاہ کیا تھا، جس کا خاص حصہ منیب تھا۔

☆............☆............☆

''بابا! ہماری مدد کرو، اس بھتنی سے میرے بیٹے کی جان چھڑا دو، اس کا تو باہر نکلنا بند ہوگیا ہے''۔ مالن خالہ بہت ہی رنجیدہ لہجے میں بولی تھیں۔

''ہوں..... اِدھر آ بچہ!'' بابا نے عشرت کو بلایا۔ بال پکڑ کر پہلے اس کے چہرے پر پھونک ماری اور ناک میں منہ پر کالے لوبان کی دھونی دی اور مور کے پنکھ کی بنی جھاڑن سے اس کا بھوت بھگایا تھا۔

''جا بچہ! آج رات کو آرام سے سو، ہم یہیں ہیں، آج ہم چڑیل سے دو دو ہاتھ کریں گے''۔ اتنے میں حماد کی چچی بھی وہیں چلی آئیں۔ بابا ان کو دیکھ کر پیچھے ہوگئے۔

''بچہ! ہم کہاں رہیں گے، ٹھکانہ بتاؤ، ہماری عبادت کا وقت ہو رہا ہے''۔ وہ پیچھے کھڑے حماد سے مخاطب تھے۔

''اماں! کچھ دنوں تک بابا ہمارے ساتھ رہیں گے، بیٹھک میں، صحیح ہے نا، کیوں کہ اس کا دروازہ باہر سے نکلے گا ناں، ورنہ بابا کسی کے گھر نہیں رہتے''۔ حماد نے کہا تھا۔

''ہاں میرے لعل! کیوں نہیں، کھانا میری طرف سے ہوگا بابا کا، اور جو چڑھاوا ہوگا بابا کو دینے کے لئے بتا دینا''۔ مالن خالہ نے خود ہی اجازت دے دی، تو اماں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

''یار! اماں کو ذرا سا بھی شک ہو جاتا تو چپل سے ہی میری کھنچائی ہو جاتی، اماں کو پتہ تو نہیں ہے ناں میں آ گیا ہوں؟'' منیب نے فکرمندی سے پوچھا۔

''نہیں ہے پتہ، کہہ دیا ہے عید سے کچھ دن پہلے آؤ گے، ابھی تو عید میں کافی دن ہیں''۔ انس نے کہا تھا۔

☆............☆............☆

''کتنے دن اور لگیں گے اس بھتنی کو بھگانے میں؟'' جیسے ہی صبح کے وقت وہ ناشتہ لینے آیا، اماں پیچھے پڑ گئیں۔

''اماں! بابا کی کوشش کا ہی ثمر ہے کہ اب آوازیں آنا کم ہوگئی ہیں، نہیں تو کیا کچھ نہیں ہوا ہمارے محلے میں، رات کو آنا جانا بند ہوگیا تھا سب کا''۔ انس نے انٹری مار کر صورتِ حال سنبھال لی تھی۔

''خالہ! لگتا ہے یہ بابا بھی ان دونوں کی طرح کھاؤ پیو پیٹو ہیں، دیکھا نہیں کیسے توند باہر آ رہی ہے اس بابے کی؟ قسم سے خالہ! مجھے تو یہ ان دونوں کا ہی ڈھونگ لگ رہا ہے''۔ عندلیب نے کچن سے نکلتے ہوئے کہا تھا۔

''اللہ سمجھے تمہیں عندلیب بی بی! تم کیسے ہم معصوم بچوں پر ایسے واہیات الزامات لگا سکتی ہو، اللہ کی مار پڑے گی تم پر''۔ انس بڑے بوڑھوں کی طرح کوسنے لگا تو حماد کو ہنسی آ گئی۔

''جاؤ، جاؤ نکھٹوؤں کی ٹولی کے سردار!''

''اگر ہم نکھٹو ہیں تو تم منگتے ہو''۔ انس نے اس کے ہاتھ میں پیاز دیکھ کر کہا۔

''لو خالہ! رکھ لو پیاز، اماں کو کہہ دوں گی کہ خود لے آؤ جا کر''۔ عندلیب کہہ کر چلی گئی۔

''پڑ گئی ٹھنڈ..... چلی گئی وہ خالی ہاتھ، ایک دوسرے سے لینا دینا چلتا رہتا ہے، میں بھی اکثر لیتی ہوں ان سے، اب جاؤ جا کر دے کر آؤ''۔ اماں نے غصے سے کہا تو انس پیاز لے کر چلا گیا۔

☆............☆............☆

''اماں! ویسے یہ عندلیب کیسی ہے آپ کی نظر میں؟'' حماد نے پوچھا، آج وہ رشتے کی حامی بھروانے آیا تھا۔

''کیوں..... تجھے کیا کام؟ خبردار! جو کچھ اُلٹا سوچا تو، تجھے پتہ ہے اللہ بخشے تیرے ابا مرحوم اور چچا مرحوم نے تیرا رشتہ رابعہ سے طے کر دیا تھا''۔ اماں نے غضبناک ہو کر کہا۔

''اماں! کیا بات کرتی ہو، میرے لیے تو وہ میری بہن جیسی ہے، میں تو انس کے لیے کہہ رہا ہوں''۔ حماد بوکھلا گیا۔

''اماں! آپ بات تو کریں رشتے کی مالن خالہ سے''۔

''بات کروں تاکہ ساری عمر وہ مجھے کوستی رہے گی، کس منہ سے بات کروں؟ عندلیب سے تمہاری نہیں بنتی، اس کے بھائی سے نہیں بنتی، کام کون سا ڈھنگ کا کرتے ہو، فیل تو ہوگئے، ڈنگر کی طرح بے مہار پھرتے رہتے ہو''۔ اماں طیش میں آ کر خوبی نہیں خوبیاں گنوانے لگیں۔

''اماں! یہ آپ نے کیا کہہ دیا؟'' انس نے دہائی دی۔

''اماں! ہماری اپنی دوکان ہے، فریج، ٹی وی، ایئر کنڈیشن، اے سی، نجانے کیا کیا تو ہم ٹھیک کر لیتے ہیں، انجینئر ہیں، لوگ تو ہماری منتیں کرتے ہیں، دنیا کی مائیں تو اپنے کالے کلوٹے بچوں کو چاند سورج کہتی ہیں، اور تم اماں! ہمیں شہزادوں کو کیسے بُرا بھلا کہہ سکتی ہو؟ اور یہ فیل کا کیا طعنہ مارا، ایک پیپر ہی تو ہے، وہ دے لوں گا، پھر تو B.Com ہو جائے گا ناں، واہ واہ اماں! واہ.... دل توڑ دیا''۔ انس دروازے کی اوٹ سے نکلتا جو شروع ہوا تو سب کہہ کر ہی باہر گیا تھا۔ حماد اور بھابی ہنسنے لگے، جبکہ اماں دم سادھے اس کی فراٹے بھرتی زبان دیکھ رہی تھیں۔

''جا کر کام کر اپنا''۔ اماں نے پہلے بھابی کو گھر کا تھا۔

''اماں! صحیح تو کہہ رہا ہے، چھوٹا ہے گھر بھر کا، شادی کے بعد سدھر جائے گا''۔ حماد نے کہا۔

''اچھا کرتی ہوں بات''۔ اماں نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔

''نہیں اماں! وعدہ کریں پہلے''۔ حماد نے پاؤں پکڑ لیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے، شاید کسی نے کاجل کا ٹوکرا مانگ لیا تھا"۔ انس نے گیلری میں عندلیب کو دیکھ کر اس کی رنگت پر چوٹ کی، تو کپڑے پھیلاتی عندلیب نے ناگواری سے اسے گھورا، پھر سارے کپڑے پھیلانے کے بعد بالٹی میں بچا پانی ان پر ڈال دیا، جس سے گائے بدک گئی اور انس کو ایک ٹکر ماری، حماد، انس نے چیخ ماری، عندلیب فوراً اندر چلی گئی، انس دور گرا تھا، اس کے بازو پر خراش آئی تھی۔

"دیکھا بھیا! مرکھنی بیل کو؟" حماد نے اُٹھایا تو اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"بیٹا! زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟" مالن خالہ باہر آئی تھیں، گلی میں مجمع لگ گیا۔ حماد سب کو تسلی دیتا اس کو لے کر اندر آ گیا۔

☆......☆......☆

لال پھریا والی کوئی گھر میرے بھی لاؤ
میں کنوارہ کب تک بیٹھوں بینڈ میرا بجواؤ
میری شادی کرواؤ....!

منیب نے دہائی گانے کی شکل میں دی۔ آج عید تھی اور شام میں چچی نے دعوت پر بلوایا تھا، بھی نوجوان پارٹی وہاں جمع تھی۔

"اچھی دوستی نبھائی، پتھر میں نے کھایا، سب کی باتیں سنیں، کوسنے کھائے، مگر مجھے کیا ملا؟" منیب دہائی دینے لگا۔

"مجھے بھی تو دھونی لگائی، جھاڑو سے پیٹا، بے ہوش کیا ڈرا کر"۔ عشرت چیخا تھا، جبکہ انس، حماد ایسے بیٹھے تھے جیسے کہیں کے مہاراجہ ہوں۔

"اپنی غلطی کو سدھارنے کے لیے ہی تو کل ہم پارٹی دے رہے ہیں، ان پیسوں سے جو محلے والوں نے بابا کو دیئے تھے"۔ حماد نے شرارتی لہجے میں کہا تو منیب کا خون کھول گیا۔

"کول ڈاؤن یار منیب! ہم تینوں ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں اور ویسے بھی زمانے بھر میں ہم جیسا کوئی ہو نہیں سکتا، یہ سیمپل اونلی ون ہیں، اگر یقین نہیں تو ہم سا سامنے تو آئے"۔ انس نے ایکشن سے کہا۔ عشرت اور منیب انس کو مارنے لگے، جبکہ حماد، رابعہ کو ڈھونڈنے لگا، تو وہ اس کو کچن میں ملی، رابعہ ڈشز میں سالن نکال رہی تھی۔

"تم ہمیشہ سنجیدہ کیوں رہتی ہو؟ آج تو عید کا دن ہے، ہنسنے پر ٹیکس نہیں لگتا"۔ حماد نے بات بڑھائی تھی۔

"اور آپ ہمیشہ غیر سنجیدہ کیوں نظر آتے ہیں؟ ہنسی مذاق زندگی کا شیوہ تو نہیں"۔ حماد آیا تو ناراضی ظاہر کرنے کے لیے تھا، مگر الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی مثال ہو گئی تھی۔

"تم ابھی تک ناراض ہو، دیکھو وجہ بتا دی تھی ناں کہ کیوں ہم نے یہ سب کیا"۔ مہرون شرٹ، بلیک پینٹ میں ملبوس اس کے جواب کا منتظر تھا۔

"میں نے کب کچھ کہا ہے آپ سے؟" رابعہ نے اپنے آپ کو مصروف ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"تو کب کہو گی؟" حماد نے معنی خیزی سے پوچھا تھا، آنکھوں میں کچھ کہنے کے تصورات تھے۔

"میں نے چاہا کہ تجھے عید پہ کچھ نذر کروں
جس میں جذبوں کے کنول کلیوں کے نذرانے ہوں
جس میں شامل ہو میرے قلب کی دھڑکن دھڑکن"

حماد نے گھمبیر لہجے میں شعر پڑھا، تو سنجیدہ سی رابعہ کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی، اور چہرے پر قوس قزح کے رنگ اُتر آئے، حماد نے آگے بڑھ کر کچھ کہنا چاہا۔

"رابعہ! کھانا گرم ہو گیا؟ نکال لیا تو دسترخوان لگا لو، سب بھوک کی دہائی دے رہے ہیں"۔ تبھی چچی وہیں چلی آئیں۔

"حماد بیٹا! تم..... کچھ چاہیے تھا کیا؟" چچی نے حیرانگی سے پوچھا۔

"وہ چچی! پانی پینے آیا تھا"۔ حماد نے فریج کے دروازے کو پکڑا، تو چیخ نکل گئی۔ رابعہ کہتی رہ گئی کہ فریج کو دیکھ کر کھولو کرنٹ آتا ہے، مگر کیا فائدہ؟ کرنٹ تو لگ چکا تھا۔

"چچی! خدا کے لیے، بدل لیں ان پرانی چیزوں کو، لگتا ہے میرے پیچھے پڑی ہیں"۔ حماد باہر نکل گیا اور اس کے پیچھے رابعہ کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

☆......☆......☆

"ارے باؤلا ہوا ہے کیا؟ چھوڑ.... گرائے گا کیا، ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے تو کوئی سنبھالے گا بھی نہیں"۔ اماں ہانپنے لگیں۔

"نہیں اماں! وعدہ کریں پہلے"۔ حماد نے پاؤں نہیں چھوڑے۔

"ارے ہاں باؤلے! کرتی ہوں میں"۔ اماں نے دہائی دی تو اس نے پاؤں چھوڑے۔

☆......☆......☆

"بس بھئی، میں تھک گیا ہوں اب اور نہیں کر سکتا"۔ وہ اس کا گیٹ اپ چینج کر رہے تھے کہ منیب نے دہائی دی۔

"یار! اماں کو ملے کتنے دن ہو گئے، گھر بھی نہیں گیا، عید آنے والی ہے، قربانی کا جانور بھی لانا ہے، بس بہت ہو گیا اب"۔

"کیا ہو گیا تجھے؟ دیکھ تو کتنے مزے ہیں اس میں، کیا کچھ نہیں مل رہا، کھانا، پیسے اور کیا چاہیے تجھے؟" انس نے اس کو بہلایا۔

"تمہیں پتہ ہے، اماں مجھے کتنا پیار کرتی ہیں، اور میں ان داڑھی مونچھوں سے تنگ آ گیا ہوں، ابکائی آتی ہے مجھے ان سے"۔ منیب کہہ رہا تھا کہ دروازہ بجنے لگا، آنے والا عشرت تھا۔

"بابا! آپ کے لیے یہ کھیر لایا ہوں، اماں نے بھیجی ہے، ساتھ میں پوری بھی"۔ حماد نے آگے بڑھ کر ٹرے لے لی۔

"جاؤ اب"۔ انس نے کہا۔

"بابا! آخر بھتنی کب تک چلی جائے گی؟" عشرت نے پوچھا۔

"بس آخری ہی دن چل رہے ہیں"۔ انس سے پہلے حماد نے کہا تھا۔ اُس کے جاتے ہی تینوں کھیر پر ٹوٹ پڑے، کہ آہٹ ہوئی سامنے رابعہ کھڑی تھی، تینوں کے منہ میں جاتے نوالے رُک گئے تھے، جیسے وہ آئی تھی واپس باہر نکل گئی۔

"یار! سنبھال.... وہ پہچان گئی ہے"۔ منیب چیخا تھا، کیوں کہ اس کی داڑھی اور مونچھیں اُتر چکی تھیں اور وہ دروازہ بند کرنا بھی بھول گئے تھے، وہ کیا کرتے، تھوڑی دیر میں وہ سب کو لے کر واپس آئی تھی۔ چچی نے آگے بڑھ کر منیب کو تھپڑ مارا تھا۔

"پلیز چچی! اس میں غلطی اس کی نہیں ہے، میں آپ کو سب بات بتاتا ہوں، وہ بابا جب محلے کے پاس آ کر رہنے لگے، تو ہمیں پہلے دن سے ان پر شک تھا، مگر ہمارے محلے کی زیادہ تر خواتین اپنی مراد پوری کروانے کے چکر میں ان کے پاس جانے لگیں، اور اس ڈھونگی بابا کی وجہ سے اماں، بھابی پر شک کرنے لگیں، تو ہمیں یہ کام کرنا پڑا، پہلے ہم نے سوچا اس بابا کا پردہ فاش کر دیں، مگر اس سے آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا"۔ حماد نے سب کی طرف دیکھا۔

"اس لیے ہم نے پہلے پول پر موبائل چھپایا، اس میں بھیانک آواز ڈاؤن لوڈ کروائی تھی، جس سے عشرت اور وہ بابا ڈرے، بابا تو یہاں سے رفو چکر ہو گئے، مگر آپ سب دوسرے بابا کو دیکھ کر پھر سے اپنا عقیدہ مضبوط کر کے بیٹھ گئیں، آپ کا ذہن کھولنے کے لیے ہم نے یہ کیا تھا، تاکہ آپ ہر کسی پر اعتبار کرنے نہ لگ جائیں، عشرت کو ہم نے اس لیے ڈرایا کہ پورے محلے میں مالن خالہ ہی اس بابا کو یہاں لا سکتی تھیں، وہ پتھر بھی ہم نے پھینکے تھے، اپنی چھت سے"۔ حماد نے کہا کیوں کہ پول کے سامنے ان کا گھر تھا۔

"اور اماں! آپ بھی تو کاغذ کے ٹکڑے کو لے کر بھابی پر شک کرنے لگی تھیں، جبکہ بھابی تو کبھی آپ سے کچھ نہیں کہہ سکتی ہیں"۔ انس نے کہا، پھر کچھ شرمندہ ہوئے کچھ ان کو بُرا کہنے لگے تھے، مگر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

☆......☆......☆

بکرا عید میں کچھ دن ہی رہ گئے تھے، محلے میں جانور ہی جانور نظر آنے لگے، حماد، منیب اور عشرت کے گھر والوں نے حصہ ملا کر گائے منگوائی تھی۔

"سانولی سی اِک لڑکی، زباں ہے اس کی بجلی، دیکھے جس کو گھور کر وہ..... کہیں وہ جل ہی نہ جائے"۔ انس بیل کو چارہ کھلاتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔

"حماد بھائی! مجھے لگتا ہے جب اللہ تعالیٰ عقل بانٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نائلہ طارق

قسط آخری

سلسلے وار ناول

سانس سرائے اور سکوت

"تم نے کہا تھا تم مجھ سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتے ہو"۔ وہ لرزتی آواز میں بولی تھی۔

"یہ سچ ہے، میں صرف اپنے آپ سے ناراض ہوں"۔ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ مدھم سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔



"میں تم سے وہ سب کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی، میں نے جو کچھ کہا اس کے لیے تم مجھے معاف کر دو"۔ لرزتی آواز میں بولتے ہوئے اس کی آنکھیں پانیوں سے بھرنے لگی تھیں۔

"معافی تو مجھے تم سے مانگنی ہے، میری وجہ سے اب تک تمہیں کیا کچھ نہیں برداشت کرنا پڑا ہے، کبھی سوچنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ میں آخر کیوں اپنی وجہ سے تمہاری زندگی کو مشکل بنا رہا ہوں، مجھے کوئی حق نہیں تھا تم پر زندگی تنگ کرنے کا، مگر مجھے احساس ہو چکا ہے کہ واقعی میں ایک بہت خود غرض انسان ہوں، ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا، کم از کم مجھے اپنی حیثیت تو یاد رکھنی چاہیے تھی، تمہارے لیے میرے جیسا انسان نہیں ہونا چاہیے تھا، ایسا انسان جو.....!" چہرہ دوسری جانب پھیرے وہ مدھم مگر دزدیدہ لہجے میں بولتے ہوئے رُکا تھا۔

"تم اس سب کی مستحق نہیں تھیں، تمہیں واقعی مجھ سے دور ہی ہو جانا چاہیے، قریب رہ کر تمہیں ملا بھی کیا ہے، سوائے تکلیف اور اذیت کے، تم نے مجھے کیا کچھ نہیں دیا ہے، مگر بدلے میں، میں اب تک تمہیں کیا دے سکا ہوں؟"

"ایسا مت کہو، تم نہیں جانتے تم نے مجھے کیا دیا ہے"۔ آنکھوں سے گرتے گرم قطروں کے ساتھ وہ لرزتی آواز میں



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ی تھی۔

"میں خود پر آئی ہر مشکل، ہر مصیبت کا مقابلہ کر سکتی ہوں، مگر میری وجہ سے تم پر کوئی آنچ آئے، یہ میں برداشت نہیں
ر سکتی، میری وجہ سے انہیں تم پر ہاتھ اُٹھانا پڑا تھا، میری وجہ سے تم سے ان کی محبت میں کمی آ جائے، میں یہ بھی برداشت
یں کر سکتی، اس لیے میں نے سوچا تھا کہ میں خود ہی تم سے دور ہو جاؤں، اسی طرح سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا"۔

"تم نے یہ کیسے سوچ لیا تھا کہ تم مجھ سے دور ہو جاؤ گی، تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا؟" اس کی بھیگی آنکھوں میں
یکھتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

"ہاں، شاید سب کچھ ٹھیک ہو بھی گیا ہے، بس اتنا ہوا ہے کہ میری زندگی میں ایک بار پھر تاریکی پھیل گئی ہے، مگر اس
ے کیا فرق پڑتا ہے، باقی سب کچھ تو ٹھیک ہو گیا ہے، یہ کافی ہونا چاہیے"۔ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ اسی دزدیدہ لہجے
ں بولا تھا، گھٹی گھٹی سسکیوں کو روکتے ہوئے وہ پیشانی اس کے بازو سے لگائے ساکت بیٹھی تھی۔

"میں جانتا ہوں میرے پاس کچھ نہیں، مگر محبت ہے، جس کی گہرائی کا اندازہ شاید میں بھی نہیں لگا سکتا ہوں، مگر
ے پاس وہ لفظ بھی نہیں تھے کہ جن کا سہارا لے کر اس محبت کا کوئی یقین میں تمہیں دے سکتا"۔

"تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، مجھ پر سے تمہارا اعتبار ختم ہو سکتا ہے، مگر مجھے اپنے آپ سے بڑھ کر تم پر یقین
، اور ہمیشہ رہے گا"۔ بھیگے چہرے کے ساتھ وہ یکدم ہی بول اُٹھی تھی اور اگلے ہی پل اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی،
وہ سرعت سے اُٹھ کر اس کے مقابل آتے ہوئے راستہ روک چکا تھا۔

"دوبارہ یہ سوچنا بھی مت کہ تم پر سے کبھی میرا اعتبار ختم ہو سکتا ہے، تم نہیں جان سکتیں تم میرے لیے کیا ہو"۔ اس کی
آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ گہرے لہجے میں بولا تھا، جبکہ رُکی ہوئی سانسوں کے ساتھ وہ ساکت نظروں سے ان
وں سے پھوٹتی اُلوہی چمک کو دیکھ رہی تھی۔

"تم جانتی ہو اس وقت میرا دل چاہ رہا ہے کہ کسی پہاڑ کی اونچائی سے گر کر اپنے وجود کا نام و نشان مٹا ڈالوں، کیونکہ
وقت تم میری وجہ سے رو رہی ہو"۔ اس کی پلکوں پر اٹکے آنسو دھیرے سے سمیٹتے ہوئے وہ بولا تھا۔

"اس شہر میں اگر تمہیں کوئی پہاڑ مل جاتا ہے تو فوراً سے پیشتر یہ نیک کام کر لینا"۔ خفگی کے ساتھ بولتی وہ سیڑھیاں
نے لگی تھی۔

"دل رکھنے کے لیے ہی اس نیک کام کو انجام دینے سے روک لیتیں"۔ پیچھے سے اُبھرتی اس کی ناراض آواز پر وہ
اختہ مسکرائی تھی مگر پلٹ کر اسے نہیں دیکھا تھا۔

☆..........☆..........☆

ایک طائرانہ نگاہ اس نے چہار سمت دوڑائی تھی، ہر سمت روشنیاں ہی روشنیاں تھیں، زمین سے لے کر آسمان کی
ں تک ایک جشن کا سا سماں بندھا ہوا تھا، مبہوت کر دینے والی آتش بازی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، دھیرے
ے قدم آگے بڑھاتے ہوئے اس نے اشتیاق بھری نظروں سے اس جانب دیکھا تھا جہاں گھر کی سب ہی خواتین
ں اور گراؤنڈ کی طویل باؤنڈری پر بجے دیے روشن کر رہی تھیں۔ یہ وسیع خطہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا، لہراتے آنچل،
ں کو خیرہ کر دینے والا چراغاں، خوش گپیوں میں مگن چہلیں کرتے ہنستے مسکراتے چہروں کو بغور دیکھتی بہت مطمئن اور
ذہن و دل کے ساتھ ٹہلنے والے انداز میں آگے بڑھتے ہوئے یکدم ہی اس کے قدموں کی رفتار سست پڑنے لگی
راؤنڈ میں اس وقت گھر کے سب ہی بچے موجود تھے، اور وہ ان سب کے درمیان ہی اسے نظر آ رہا تھا، زندگی سے
سکراہٹ کے ساتھ روشنیاں بکھیرتی پھلجھڑیاں ان کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے، انہیں ساتھ ساتھ ہدایت بھی

کرتا جا رہا تھا۔ پھلجھڑیوں کے شراروں سے پھوٹتی روشنیوں میں جگمگاتے اس کے چہرے پر کچھ اور بھی تھا، ایک پل کے
لیے سانسوں کو روک دینے والا، وہ کوئی نور ہو سکتا تھا، سر تا پا نور ہی نور، یا شاید نور ان آنکھوں میں ہو سکتا تھا جو بہت دور
کہیں سے اس پر مرکوز تھیں، جن سے انجان وہ مگن تھا۔ اس کے قدموں کی رفتار کم ہوتے ہوتے بالکل ساکت ہو گئی تھی،
یکدم ہی اردگرد سے سب کچھ غائب ہونے لگا تھا، رونق، چراغاں، قہقہے، ہنستی کھلکھلاتی آوازیں، اسے کچھ سنائی نہیں
دے رہا تھا، ہر سمت بس اب ایک مہیب گہرا سناٹا تھا، اور پھر بہت آہستہ آہستہ اس خاموش ہولناک سناٹے میں کچھ مدھم
آوازیں اُبھرنے لگی تھیں، کسی کی رُکتی ہوئی سانسوں کے زیر و بم، دل کو چیر دینے والی رونے کی آوازیں، بے بس، عرش
تک جا کر ٹکرانے والی آہ و زاریاں، اذیت سے بلند ہوتی کبھی مدھم ہوتی کرب ناک کراہیں، اس کے اردگرد بکھر رہی
تھیں، گونج رہی تھیں، اور بس وہ ایک ہی منظر، بہت سارے معصوم چہروں کے درمیان اس وقت اس کے چہرے پر زندگی
مسکرا رہی تھی، تکلیفوں اور اذیتوں کے صبر آزما امتحان و آزمائش کے بعد ڈھل کر نکھرتی مسکراتی زندگی کتنی پُر سکون اور
سحر انگیز ہو جاتی ہے، وہ اپنی نظریں اس جانب سے ہٹا نہیں سکتی تھی، جانے کتنے ہی پل وہ ساکت کھڑی رہی تھی، سر
اُٹھا کر اس نے ایک نظر کھلے آسمان پر ڈالی تھی، جہاں پورا چاند جگمگا رہا تھا، لاتعداد ستارے سیاہ آسمان کی چادر پر ٹکے
ہوئے ٹمٹما رہے تھے، زمین پر اس وقت جتنی روشنی تھی اس سے کہیں زیادہ اوپر آسمان پر پھیلی ہوئی تھی، یک بیک ہی
موتیوں سے سجا آسمان کا تھال اس کی آنکھوں میں دھندلانے لگا تھا۔

"اگر اسے مجھ تک پہنچنا ہی تھا تو اتنی اذیتوں سے گزر کر ہی کیوں؟" اس کے دل میں ہُوک سی اٹھی تھی، پلکیں جھپکتے
ہوئے اس نے نمی کو اندر اُتارنے کی کوشش کی تھی اور ایک بار پھر نظریں اس منظر پر جما دی تھیں۔

"کاش تم بھی ان کی جماعت میں سے ہوتے، جو انسان نہیں بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے تھے، اور جن پر "قوم
لوطؑ" کے مرد انڈے چلے آئے تھے، انہیں اپنے خلافِ فطرت فعل کا شکار بنانے، وہ قوم جس نے جنس پرستی اور بے راہ
روی اختیار کر لی تھی، جن کے نفس نے انہیں اتنا اندھا کر دیا تھا، مگر ان کے ناپاک ارادے مٹی میں مل گئے، وہ فرشتے تو
اللہ کا عذاب اس غلیظ بیماری میں مبتلا قوم پر نازل ہونے کی خبر لے کر آئے تھے، اور پھر کیا ہوا؟ جو ہوا اس کی گواہی مقدس
کتاب میں موجود ہے، اس قوم کی بستیاں اُلٹ دی گئیں، اللہ کا قہر ان پر نازل ہوا، آسمان سے گرنے والے پتھروں میں
ان کے اندر باہر کی غلاظتیں دفن ہو گئیں، مٹ گئی صفحۂ ہستی سے وہ قوم جس نے ایسے غلیظ فعل کا ارتکاب روا رکھ کر ثبوت دیا
تھا کہ وہ انسانیت کے مقام سے ہی گر چکے تھے، بہت پستیوں میں، اللہ نے اس قوم کو قیامت تک کے لیے عبرت کا نشان
بنا ڈالا، مگر اب ایک بار پھر اس غلیظ بیماری اور بے راہ روی کے آثار جنم لے چکے ہیں، اور اُبھرتے ہی جا رہے ہیں، تم کوئی
آسمان سے اترے فرشتے تو نہیں تھے جو اس غلیظ فعل کے ارتکاب کرنے والے شیطانوں کی شیطانیت کے شر سے محفوظ
رہتے؟ تم فرشتے ہو سکتے ہو مگر آسمان کے نہیں، اس زمین کے، شاید اسی لیے تم اس شیطانیت کا شکار ہو گئے، کیا ایک بار
پھر آسمان سے پتھروں کی بارش ہو گی؟ اس نافرمان قوم کی طرح، کیا پھر اس دور کے انسان نما شیطانوں کو آسمان کی
اونچائی سے نیچے گرایا جائے گا، یہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس گناہ کے مرتکب ہونے والوں کا کیا انجام ہو گا؟ کسی کی آبرو کو
پیروں تلے روندنے والے اگلا سانس کس طرح لے سکتے ہیں، آبرو کو عورت یا مرد کے پلڑے میں نہیں رکھا جا سکتا، ک
آبرو تو بس آبرو ہوتی ہے، ہر انسان کی آبرو بے مول ہوتی ہے، انمول ہوتی ہے۔

"اے میرے پروردگار! ہر باعصمت عورت کی عصمت کو بُری نظر سے بھی بچائے رکھ، اور مردوں کی بھی۔ تیری عط
کردہ ایک یہی چیز تو انسان اپنے ساتھ لاتا ہے، اور اپنے ساتھ ہی لے جاتا ہے، باقی سب تو فنا ہو جانے والا ہے"۔
گونجنے والے پٹاخوں کے ساتھ بلند ہوتے شور کی آوازوں پر وہ یکدم ہی چونک کر واپس اس ماحول میں آئی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاں زندگی جاگ رہی تھی، ایک گہرا سانس لے کر اس نے بوجھل ہوتے دل کو سنبھالا تھا، اور پھر اپنے اردگرد نظر ڈالتے ہوئے وہ اس جانب بڑھنا چاہتی تھی جہاں وہ سب لڑکیاں اب تک دیئے روشن کرنے میں مصروف تھیں، دو قدم ہی وہ اس جانب بڑھی، مگر پھر بلند پکارتی آواز پر رُک کر پہلے دور گراؤنڈ کی سمت نظر ڈالی تھی، اور اس کے بعد گردن موڑ کر اپنے پیچھے دیکھا تھا، جہاں کافی فاصلے پر شان اپنے چند کزنز کے ہمراہ کھڑا تھا، شیث کے پکارنے پر وہ بھی اس جانب متوجہ ہوا تھا، مگر پھر ایک نظر سارہ پر ڈالنے کے بعد دوبارہ اپنے کزنز کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، جبکہ سارہ نے حیرت سے شان کو دیکھا تھا، جس نے اپنے نام کی پکار سننے کے باوجود کوئی رسپانس شیث کو نہیں دیا تھا، حیرانگی کے ساتھ اس نے ایک بار پھر گردن موڑ کر شیث کی جانب دیکھا تھا جواب پھر مزید بلند آواز میں شان کو ہی پکار رہا تھا، اس سے پہلے کہ وہ شان کو اپنی طرف متوجہ کرتی، دوبارہ بلند ہوتی پکار پر شان لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی طرف آنے لگا تھا۔

''تمہیں ان کی آواز سنائی نہیں دے رہی کیا؟'' قریب آتے ہی وہ جھلائے انداز میں سارہ سے بولا تھا، جبکہ وہ مزید حیران ہوئی تھی۔

''کم سنتے ہو کیا؟ وہ تمہیں آوازیں لگا رہا ہے اور تم سن کر بھی ان سنی کر رہے ہو، جاؤ اب اس کے تو حلق میں خراشیں پڑ گئی ہوں گی''۔ وہ خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''محترمہ! مجھے سنائی دے رہا ہے کہ وہ مجھے پکار رہے ہیں، مگر تمہیں تو لگتا ہے کہ دکھائی بھی نہیں دے رہا، ان کی آواز سن رہی ہو بس، ذرا ان کے اشارے اور لپسنگ پر تو غور کر لو''۔ وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔

''کیا بول رہے ہو؟'' سارہ کو سمجھ نہیں آئی تھی اس کی بات۔

''احمق خاتون! اگر تمہارے پیچھے اس وقت میری جگہ بڑے بھائی کے علاوہ کوئی بھی بندہ موجود ہوتا تو وہ اسے بھی آواز لگا کر تمہیں اپنی طرف متوجہ کرتے، اب اتنا لاؤڈ اسپیکر کھول کر سارہ، سارہ تو پکار نہیں سکتے ورنہ بڑے بھیا تم سے پہلے ان کے سر پر پہنچ جائیں گے''۔ شان نے جس طرح سر پیٹتے ہوئے تفصیل بتائی تھی وہ بے ساختہ ہنستے ہوئے گراؤنڈ کی سمت پلٹی تھی، جہاں اب وہ کچھ خشمگیں انداز میں سر جھٹکتے ہوئے زیر لب کچھ کہتا آگے بڑھ چکا تھا۔

''اب یہ لپسنگ بھی سمجھ آئی ہے تو بتا دو، میرے تو کچھ پلے نہیں پڑا''۔ اس پر سے نظر ہٹاتے ہوئے وہ شان سے پوچھ رہی تھی۔

''یہ والی گستاخانہ لپسنگ میں تمہیں نہیں سمجھا سکتا، کیونکہ یہ خاص میرے لیے تھی، اس لیے تم بے فکر رہو''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

''مگر پھر بھی میں جاننا چاہتی ہوں، وہ کیا بڑبڑاتا ہوا گیا ہے؟'' وہ بضد تھی جاننے کے لیے۔

''ذاتیات پر حملہ کر دیا ہے انہوں نے، کیوں پوچھ کر مزید شرمندہ کر رہی ہو مجھے؟ چلی جاؤ''۔ وہ جس طرح بولتے ہوئے گیا تھا سارہ بے ساختہ ہنستے ہوئے اس کی جانب بڑھ گئی تھی، جو اسے مین گیٹ کی سمت جاتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ادھ کھلے آہنی گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے سارہ نے حیرت سے اس کی پشت کو دیکھا تھا، جو ٹہلتے ہوئے آگے جا رہا تھا۔

اس پر سے نظر ہٹا کر سارہ نے بائیں جانب ڈالی تھی، ایک طویل خاموش سڑک دھند میں لپٹی دور تک جاتی دکھائی دے رہی تھی، شانے سے پھسلتی شال درست کرتے ہوئے وہ دائیں جانب اس کی سمت ہی قدم بڑھا رہی تھی، مانوس قدموں کی چاپ پر وہ رُک کر اسے ہی دیکھ رہا تھا، جو مہرون شال، چہرے اور جسم کے گرد لپیٹے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتی قریب آ گئی تھی۔

''نیا سال مبارک ہو''۔

''تمہیں بھی یہ سال بہت مبارک ہو، اور ہو گا انشاء اللہ!'' جواباً وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی اور پھر اس کے ہمراہ ہی قدم آگے بڑھا دیئے تھے، چند لمحوں تک کی خاموشی کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

''تو..... میں اور سورج دونوں ایک جیسے ہیں، دونوں آگ میں جھلساتے ہیں؟'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا، جواباً ایک جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ سارہ نے اس کے چہرے سے نظر ہٹائی تھی۔

''خوش نصیب ہو کہ اس دنیا میں ایک لڑکی تو ہے، جو تمہاری شان میں قصیدے لکھتی ہے، ورنہ تم نے تو کبھی بھولے سے بھی میری کسی چیز کی تعریف نہیں کی ہے آج تک''۔ وہ شکایتی لہجے میں بولی تھی۔

''مگر میں کس چیز کی تعریف کروں؟'' وہ بنا سوچے سمجھے ہی بول گیا تھا جس پر وہ یکدم ہی رُک گئی تھی۔

''یعنی میرے پاس ایسا کچھ ہے ہی نہیں، جس کی تعریف بھی تم کر سکتے؟'' وہ شدید ناراضی سے پوچھ رہی تھی، جبکہ وہ گڑبڑا ہی گیا تھا، دوسری جانب وہ اسی ناراضی سے اسے دیکھتے ہوئے آگے قدم بڑھا گئی تھی۔

''پتا نہیں وہ کون سے مرد ہوتے ہیں، جو اپنی من چاہی عورت کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں؟'' سامنے دیکھتے ہوئے وہ مزید ناراضی کا اظہار کر رہی تھی۔

''اب یہ شکایت کر کے تم زیادتی کر رہی ہو، چند لمحوں تک خاموشی سے تمہیں دیکھتا رہوں تو بھی تم ناراض ہوتی ہو، اگر تمہاری تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانا شروع کر دوں تو مجھے یہ خوف ہوتا ہے کہ آسمان پر میری جگہ کہاں ہو گی، کیونکہ زمین پر تو مجھے تم رہنے نہیں دو گی''۔ اس کے خفگی سے کہنے پر سارہ نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی۔ سڑک پر پھیلے سکوت کو توڑتی اس کی خوبصورت ہنسی کی کھنکھناہٹیں سماعتوں پر خوشگوار تاثر چھوڑ رہی تھیں۔

''کتنی خوبصورت لگ رہی ہے ناں یہ رات؟'' اردگرد نظریں دوڑاتے ہوئے وہ بولی تھی۔

''تاریکی ہے، مگر روشنی بھی ہے، خاموشی بھی ہے اور آوازیں بھی اور.....!''

''اور میں بھی ہوں اور تم بھی ہو''۔ اس کے درمیان میں دھیرے سے کہنے پر سارہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا مگر خاموش رہی تھی۔

''سنا ہے تمہاری شادی ہونے والی ہے، پھر کیا تم مجھے بھول جاؤ گی؟'' وہ پوچھ رہا تھا جس پر سارہ نے ایک نظر اس کے سنجیدہ چہرے پر ڈالی تھی۔

''دیکھو! اگر میرا شوہر بہت اچھی نیچر کا ثابت ہوا، تو بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ورنہ دوسری صورت میں معذرت''۔ وہ ہلکی سی نخوت کے ساتھ صاف گوئی سے بولی تھی۔

''میں بھی تم سے کچھ ایسی ہی معذرت کرنے والا تھا''۔ اس کے فوراً ہی خشمگیں لہجے میں کہنے پر وہ مسکرائی تھی۔

''ویسے مجھے پتا ہے، تمہاری بیوی ہرگز بھی تمہیں کہیں اور دیکھنے نہیں دے گی''۔ وہ مسکراہٹ دبائے بولی تھی۔

''اور مجھے بھی یہ یقین ہے کہ تمہارا ہسبینڈ اپنے علاوہ تمہیں اور کسی کی طرف دیکھنے بھی نہیں دے گا''۔ وہ پُریقین انداز میں بولا تھا۔

''ہاں مجھے معلوم ہے کہ میرا ہسبینڈ بہت ہی کوئی بددماغ قسم کی چیز ہو گا''۔ سارہ نے فوراً ہی تصدیق کر ڈالی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' شیث نے چونکتے ہوئے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہی مطلب ہے جو تم سمجھ رہے ہو"۔ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ ہنسی تھی۔
"بتاؤں گا تمہیں کہ تمہارا اسپینڈ کتنا بد دماغ ہے، صبر کر جاؤ"۔ آنکھیں سکیڑ کر اسے گھورتے ہوئے وہ دھمکا رہا تھا جبکہ وہ مزید کھل کر ہنسی تھی۔
"اور کتنا چلنا ہے، اب واپس چلیں؟" سامنے سڑک پر نظر دوڑاتے ہوئے وہ بولی تھی۔
"کیوں، تمہیں کوئی خوف محسوس ہو رہا ہے؟" قدم روکتے ہوئے وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔
"نہیں، تم ساتھ ہو تو مجھے کسی چیز سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت ہی نہیں ہے، تمہارے ساتھ اگر میں ساری رات بھی اس سڑک پر چلتی رہوں، تو یہی چاہوں گی کہ کبھی نہ یہ رات ختم ہو اور نہ ہی اس سڑک کا اختتام ہو"۔ مستحکم لہجے میں بولتے ہوئے سارہ نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔
"اتنا بھروسا ہے تمہیں مجھ پر؟" اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔
"ہاں، اتنا کہ تمہاری سوچ کی حد بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی"۔ اس کے قطعی لہجے پر وہ چند لمحوں تک اس کی آنکھوں سے چھلکتی سچائی کو دیکھتا رہا تھا اور پھر ایک گہرا سانس آزاد کرتے ہوئے اس کے چہرے سے نظر ہٹالی تھی۔
"تم جانتی ہو، یہ سڑکیں مجھے بہت اٹریکٹ کرتی ہیں"۔ واپسی کے لئے پلٹتے ہوئے وہ بولا تھا۔
"شاید اس لیے کہ اسی سڑک سے میں نے دوسرا جنم لیا تھا، رات کے اسی پہر مجھے کسی خاموش سنسان سڑک پر چلنا بہت اچھا لگتا ہے، مجھے اس سے ایک اُنس، ایک اپنائیت سی محسوس ہوتی ہے، میں اس کی سانسیں سن سکتا ہوں، کیا تم یقین کر سکتی ہو، یہ سڑک سانس لیتی ہے؟" اس کے مدھم مگر عجیب سے لہجے پر وہ دنگ نظروں سے بس اسے دیکھ رہی تھی۔
"میں جانتا ہوں کہ یہ ایک ناقابلِ یقین بات ہو سکتی ہے، مگر میرے لیے یہ چیز حیرت انگیز نہیں ہے، اس وقت بھی میں چل رہا ہوں تو مجھے لگ رہا ہے کہ میرے پیروں کے نیچے یہ کولتار کی سڑک سانس لے رہی ہے، مجھ سے یہ اپنے عجیب سے رشتے کا احساس دلا رہی ہے، اس سڑک نے شاید پہلی بار کسی انسان کے زخموں سے چُور وجود کو اپنی آغوش میں لیا ہوگا، اور وہ وجود میرا تھا"۔ دور تک جاتی دھند میں لپٹی سڑک کو دیکھتے ہوئے وہ اس سے مخاطب تھا، جو بغور اس کے سنجیدہ چہرے کے تاثرات کو دیکھ رہی تھی۔
"پتا ہے، اس سڑک نے مجھے بہت کچھ دیا ہے، نئی زندگی، نئی روح، نیا آسمان، اپنی ذات کی پہچان اور بھی بہت کچھ، اور اسی بہت کچھ میں سب سے زیادہ اہم اور قیمتی مجھے اس سڑک سے جو ملا ہے، وہ تم ہو"۔ سامنے سے نظر ہٹا کر وہ اب سارہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔
"ہاں یہی تو سچ ہے، یہ سڑک ہی مجھے تم تک لے گئی تھی، اور پھر تمہاری محبت تک، اسی سڑک نے مجھے تمہارے لمس سے، تمہاری قربت سے روشناس کروایا تھا، میرے بے یار و مددگار وجود کو اپنی آغوش سے تمہاری بانہوں میں منتقل کر دیا تھا، میں آج بھی اس سڑک کے وسط میں رُک کر آنکھیں بند کرتا ہوں، تو یہ مجھے وہیں ان ہی لمحات میں لے جاتی ہے، بند آنکھوں سے میں تمہارے لمس کو، تمہاری خوشبو کو پہچان سکتا ہوں، اپنی ماں کے بعد میں نے اس رات پہلی بار کسی عورت کے وجود کو اپنے انتہائی قریب محسوس کیا تھا، اتنا وقت گزرنے کے بعد میں اب بھی اپنے وجود کے ہر اس حصے پر تمہارا لمس محسوس کر سکتا ہوں، جہاں تم نے کسی مسیحا کی طرح اپنا ہاتھ رکھا تھا، میرے کان کی لو اس وقت بھی تمہاری سانسوں کی حدت کو محسوس کر رہی ہے جیسے اس رات محسوس کی تھی، میں آج تک اس پانی کا ذائقہ نہیں بھول سکا ہوں، جو اس رات میں نے تمہارے ہاتھوں سے پیا تھا، میں اس کیفیت کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا، جو اس رات تمہاری گود میں سر رکھے میں محسوس کر رہا تھا، دوبارہ تم سے ملنے تک میں ان سب ہی احساسات کے ساتھ تم سے ملاقات کا منتظر رہا تھا، باوجود اس

کے کہ اس وقت میں تم سے ہی نہیں بلکہ اپنے آپ سے بھی نظر ملانے کے قابل نہیں تھا، کیا تم یقین کرو گی، میں نے اب تک تمہاری وہ شال سنبھال کر رکھی ہوئی ہے؟" یکدم ہی کہتے ہوئے اس نے سارہ کی جانب دیکھا تھا، جس کی آنکھوں میں شدید حیرانگی اسے دکھائی دے رہی تھی۔
"میں ابھی تمہیں یہ بات نہیں بتانا چاہتا تھا مگر....!" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولتے ہوئے وہ رُکا تھا جبکہ اس کے رُکنے پر وہ خود بھی رُک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"ایک بات پوچھوں تم سے؟" وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا، دوسری جانب وہ بس ان ہی خاموش سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"میں تمہارے قریب آیا تھا یا تم میرے قریب آئی تھیں؟" اس کے گہرے لہجے سے زیادہ اس کے گہرے سوال پر وہ بس ایک پل کو اُلجھی تھی مگر پھر ہلکا سا مسکرائی تھی۔
"نہ تم میرے قریب آئے تھے، نہ میں تمہارے قریب آئی تھی، بلکہ وہ جو اوپر آسمانوں پر موجود ہے ناں وہ ہمیں ایک دوسرے کے قریب لایا تھا، ہمیشہ کے لئے"۔ اس کے مستحکم، پُریقین لہجے پر شیث نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں مگر پھر دوبارہ اسے دیکھا تھا۔
"تم نے کبھی مجھ سے نہ کوئی سوال کیا نہ کچھ پوچھا ہے، کیا آج بھی کوئی سوال نہیں کرو گی؟ جبکہ میں خود یہ چاہتا ہوں کہ تم کوئی سوال کرو"۔ وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔
"اس سفر کے بارے میں تم سے کیا سوال کروں شیث! جس سفر میں ہر پل میں تمہارے ساتھ، تمہارے قریب رہی ہوں"۔ اس کے سنجیدہ لہجے میں کچھ تھا، جو وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔
"میں بس اتنا جانتی ہوں کہ جس انسان کے ساتھ میں اپنی زندگی کا ایک نیا سفر شروع کرنے جا رہی ہوں، وہ مجھ سے کئی گنا بہتر اور اچھا انسان ہے، میری خواہش کے مطابق، یہ کافی سے بھی بڑھ کر ہے میرے لیے"۔ وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اٹل لہجے میں بولی تھی۔
"تم نے یہ سب کچھ پہلی بار مجھ سے شیئر کیا ہے مگر آخری بار بھی..... کیونکہ جو اٹل ہے وہ ہے، اسے دوہرانے کی ضرورت نہیں ہوتی، تمہارا اس سڑک سے جو تعلق ہے، وہ مجھ سے بھی ہے، کیونکہ صرف یہ سڑک ہی نہیں اسی سڑک پر میں اور تم بھی سانس لے رہے ہیں، مگر میں اس سڑک پر رُک کر بار بار پیچھے نہیں دیکھنا چاہتی، تمہارے ساتھ اس سڑک پر چلتے رہنا چاہتی ہوں، آگے بڑھنا چاہتی ہوں"۔ اس کے مدھم لہجے پر وہ بس ساکت نظروں سے اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ یکدم ہی اُبھرتی ہلکی آوازوں پر سارہ نے چونک کر آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی تھی، جہاں خوش رنگ جھلملاتے ستارے بکھر کر ایک دائرے کی شکل میں آسمان پر پھیلتے جا رہے تھے۔ سانس روکے وہ اس کے آسمان کی جانب تھوڑا اوپر ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا، جس کی نظریں جھلمل کرتے آسمان پر ہی مرکوز تھیں، سرخ، سنہری، بنفشی پھوٹتے ستاروں کی چمک ان کے بدلتے رنگ اس کے رخساروں پر بھی اترتے جا رہے تھے، ان ستاروں کا عکس اس کی سیاہ آنکھوں کی پتلیوں میں ٹھہرنے لگا تھا۔

تیری صورت میری آنکھوں کا سرمایہ ہے
تیرے چہرے سے نگاہوں کو ہٹاؤں کیسے؟

آسمان پر پھوٹتے بکھرتے ستاروں سے نظر ہٹا کر سارہ نے اسے دیکھا تھا، جو مبہوت کھڑا اسی کی جانب متوجہ تھا۔
"یہ آسمان آج کتنا خوبصورت لگ رہا ہے"۔ کچھ سحر انگیز کیفیت میں وہ جھلملاتے چہرے کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں، بہت، بہت زیادہ، اتنا کہ آج پہلی بار مجھے اپنا ضبط ٹوٹتا محسوس ہو رہا ہے"۔ گہری نظریں اس کے چہرے پر جمائے وہ مدھم لہجے میں بولا تھا، دوسری جانب ایک جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ دباتے ہوئے سارہ نے اس سے نظر چرا کر قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ ایک پل کو رُک کر شیث نے مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا اور پھر خود بھی آگے اس کی جانب بڑھ گیا تھا، دوسری جانب سارہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا، جو اس کے ہمقدم چلتے ہوئے دھیرے سے اس کے پہلو میں گرے ہاتھ کو اپنے مضبوط پُر حدّت ہاتھ کی گرفت میں لے چکا تھا۔

"آج تو کم از کم تم نے مایوس نہیں کیا، میرے بولے بغیر ہی یہ کام کر دیا ہے"۔ شرارتی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولتے ہوئے سارہ نے اس کے ہاتھ میں موجود اپنے ہاتھ کی سمت اشارہ کیا تھا، جواباً شیث نے ایک بے ساختہ جھینپی ہوئی مگر دلکش مسکراہٹ کے ساتھ بس اس کے کھلکھلاتے چہرے کو دیکھا تھا۔ طویل سیاہ چمکتی سڑک کے بولتے سکوت میں کھلکھلاتی مدھم سرگوشیاں رقص کرتی جا رہی تھیں، جبکہ آسمان پر پھیلتے ستاروں کی خیرہ کن جھلملاہٹیں اس حدّ نظر تک جاتی سڑک کو مزید روشن کرتی جا رہی تھیں، دسمبر کی آخری سرد راتوں میں سڑک ہمیشہ بھیگی ہوئی تھوڑا ہی ہوتی ہے۔

☆..........☆..........☆

نئے سال کی شروعات کے ساتھ وہ عاطف اور زینب کو ایک بندھن میں باندھنے کی مہم مزید تیز کر چکی تھی، بالآخر آج گھر کے چند بڑے جن میں سدرہ اور شمس بھی شامل تھے زینب کی طرف باقاعدہ معاملات طے کرنے گئے ہوئے تھے۔ کچن میں وہ شیری اور ہنی کے ساتھ سوئیٹ ڈش بنانے کی تیاری کر رہی تھی، جب موموکی تیز تیز آوازوں پر اسے کچن سے نکلنا پڑا تھا، حیرانی سے وہ لاؤنج کا منظر دیکھ رہی تھی جہاں موموا خبار کا رول بنا کر پے در پے شان پر برسا رہی تھی۔

"تم جانتی ہو، اس معصوم میسنے نے کیا گل کھلایا ہے؟ جس کے سامنے زبان نہیں کھلتی تھی اسے بڑے دھڑلے سے شادی کا پیغام دے چکا ہے"۔ کچا چبا جانے والی نظروں سے شان کو گھورتی وہ بتا رہی تھی۔

"ہاں، مجھے معلوم ہے، عاطف کی اکیڈمی کی لفٹ کافی کراماتی ہے"۔ شان کو دیکھتی وہ بے ساختہ ہنسی تھی، یہ ابھی کل ہی کی تو بات تھی، شان اکیڈمی کی لفٹ میں اپنی تایازاد رومیصہ کے ساتھ پھنس گیا تھا، جانے لفٹ میں کیا خرابی ہو گئی تھی کہ ایک گھنٹے تک وہ دونوں لفٹ میں بند رہے تھے اور اس چیز کا پورا پورا فائدہ شان اُٹھا چکا تھا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ موموا اور رومیصہ ایک دوسرے کی دشمن ہیں، ان دونوں کی جھڑپیں معمول کی بات تھی، جب سے رومیصہ نے عاطف کی اکیڈمی میں پڑھانا شروع کیا تھا، تب سے مومو مزید اس سے خار کھانے لگی تھی، کیونکہ اکثر وہ شان یا شاہ رُخ کے ساتھ ہی اکیڈمی آتی جاتی تھی، موموکا آگ پر لوٹ جانا حیران کن نہیں تھا۔

"جب تمہیں سب خبر ہو گئی ہے تو یہ بھی سن لو، میں نے سیریسلی اسے پرپوز کیا ہے، میں اُسی سے شادی کروں گا، تم میری خاطر اسے برداشت نہیں کر سکتیں؟" شان لڑنے والے انداز میں بولا تھا۔

"لاڈلا ہو رہا ہے قطعی اکلوتی اولاد، بڑے جتن سے پالا ہے جو برداشت کرلوں اس نخریلی ناگن کو"۔ مومو تلملا اُٹھی تھی۔

"نہ کرو برداشت، اسے اسی گھر میں آنا ہے، دیکھتا ہوں تم کتنی دیواریں کھڑی کرتی ہو"۔ شان کے چیلنج کرنے والے انداز پر سارہ نے سرعت سے مومو کو اس کی جانب بڑھنے سے روکا تھا۔

"بعد میں میرا تیا پانچہ کر دینا، پہلے وہ خوشخبری تو سن لو جو میں تم دونوں کے لیے لایا ہوں"۔

"یقیناً زینب کی طرف سے سب آ گئے ہیں، جلدی بتاؤ کیا خوشخبری ہے؟" سارہ بے تابی سے بولی تھی۔

"خوشخبری ذرا دل تھام کر سنو"۔

"نیزہ گردن کے آر پار کروں گی، تب کچھ پھوٹو گے؟" مومو بھنائی تھی۔

"تمہارے بھیا تمہارے ہی راستے میں آ گئے ہیں، ان کا نکاح پہلے ہو گا"۔ خشمگیں نظروں سے شان نے مومو کو دیکھا تھا۔

"کیا مطلب؟" سارہ اُلجھی تھی۔

"مطلب یہ کہ آپ دونوں کی متوقع شادی، غیر معینہ مدّت تک کے لیے آگے دھکیل دی گئی ہے، اور یہ سب تمہاری کاوشوں کا نتیجہ ہے"۔ سارہ کو جتاتے ہوئے وہ مزید دھماکے کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"اب دیکھو گی تم چھوٹے بھائی کے جلوے اور بھنائے ہوئے گھومیں گے شاہی صاحب!" استہزائیہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھتا شان وہاں سے گیا تھا۔

"اب کیا ہو گا؟ شیث تو مجھ پر ہی بھڑکے گا"۔ سارہ کا چہرہ فق تھا۔

"میں تو اپنے بھائی کی خوشی میں خوش ہوں"۔ مومو سب کچھ بھلائے چہکی تھی۔

☆..........☆..........☆

لاؤنج میں ہی وہ سوئی جاگی کیفیت میں تھی جب کسی نے اس کے سر کے نیچے سے کشن کھینچ لیا تھا، ہڑبڑا کر اُٹھتی وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی جو اب جارحانہ قدموں کے ساتھ واپس جا رہا تھا۔ سیڑھیوں کے اسٹیپس پر بیٹھتا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، جو شرمندہ چہرے کے ساتھ قریب آ گئی تھی۔

"میری نیند اُڑا کر سو رہی ہو سکون سے، عاطف، زینب، عاطف، زینب، ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی اور اب میں بھگت رہا ہوں"۔

"مجھے کیا معلوم تھا کہ ان کے نکاح کی وجہ سے ہماری شادی آگے بڑھ جائے گی"۔ وہ منمنائی تھی۔

"اس عاطف کو تو میں کسی صورت نہیں بخشوں گا، کب تک چھپے گا"۔ وہ بگڑا تھا۔

"ایسا تو مت کہو، زینب کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینے کے لیے انہوں نے عجلت کی ہے، انہیں بھی یہ پتہ نہیں ہو گا کہ گھر کے بڑے یہ فیصلہ کریں گے، گھر میں دو شادیاں ہیں اور ان سے پہلے نکاح کی تقریب، تیاریوں کے لیے کچھ دن کا گیپ تو چاہیئے ہو گا"۔

"مجھے کچھ مت سمجھاؤ، ساری رکاوٹیں، سارے مسائل میرے ہی راستے میں آ جاتے ہیں"۔ وہ زچ ہو کر بولا تھا۔

"شیث! اتنے ان سیکیور کیوں نظر آ رہے ہو؟ کوئی اندیشہ ہے دل میں؟" سارہ نے بغور اسے دیکھا تھا۔

"ایک عرصے سے بنتے بگڑتے حالات میرا سانس لیتے ہوئے وہم سے ستانے لگے ہیں اور پھر کل کس نے دیکھی ہے؟" اس کے لہجے میں تھکن تھی۔

"مگر ہمارے پاس آنے والے کل کے لیے اچھی اُمیدیں تو ہیں، حالات کیسے ہی کیوں نہ رہے ہوں، ہم آج بھی ساتھ ہیں، خود کو پریشان مت کرو، عاطف کے سامنے کسی ناگواری کا اظہار مت کرنا، تمہیں اپنی خوشی سے پہلے ان کی خوشی عزیز ہونی چاہیئے، ویسے بھی دوست کا حق پہلے ہوتا ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی، شیث بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

☆..........☆..........☆

وسیع سبزہ زار روشنیوں سے جگمگا رہا تھا، دونوں خاندانوں کی طرف سے خاص خاص لوگ ہی مدعو تھے، لہٰذا سبزے پر بکھری رونقیں پُر سکون تھیں، تقریب میں جب اس کی پھپھو اپنے بیٹوں اور بہوؤں کے ہمراہ شرکت کے لیے پہنچیں تو اس کے قدم ہی زمین پر ٹکنے کے لیے تیار نہیں تھے، اچانک ریسپشن پر اُبھرتے شور پر سب اپنے کیمرے اور موبائل کیمرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آن کیے اس جانب بھاگے تھے، ڈھول کی کان پھاڑ دینے والی آوازوں پر وہ سب جانے رقص کی کون سی فارم میں مہذب لباس میں ملبوس اتنا جوش و ولولہ دکھا رہے تھے، رقص میں مگن شاہ رخ پر واری صدقے ہوتی موموکو وہیں چھوڑ کر وہ اس کی تلاش میں کچھ آگے بڑھی تھی، جسے آج سارا دن دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملی تھی، اس کا چہرہ دور سے ہی شیث کو دیکھتے ہوئے کھل اُٹھا تھا۔ بلیک اور سلور امتزاج کی اسٹائلش سی شیروانی زیب تن کیے وہ سارہ کی طرف متوجہ تھا اور دنگ ہی رہ گیا تھا، پہلی بار اس نے سارہ کو اتنی سج دھج کے ساتھ دیکھا تھا، اس کے دلکش روپ کو آنکھوں میں اُتارتا وہ بے اختیار اس کی جانب بڑھا تھا، مگر سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ سارہ فوراً ہی پلٹ کر اس کی نگاہوں کی حد سے دور بھاگی تھی۔ پھولوں کے کنگن موموکے لیے ہاتھ میں پکڑے وہ حیرت سے ان دونوں کو دیکھتی قریب آئی تھی، جو ایک دوسرے کو کچا نگلنے کے لیے تیار کھڑے نظر آرہے تھے۔

"ہماری شادی آگے بڑھ گئی، تمہارے بھائی کی وجہ سے مگر کوئی دکھ نہیں ہے تمہیں؟" شاہ رخ کلس کر بولا تھا۔

"اور تم جو ابھی ڈھول کی تھاپ پر بنے ہوئے تھے قطعی البیلی ناگن"۔ موموغرائی تھی۔

"دل پر پتھر رکھا ہوا ہے"۔ شاہ رخ جس طرح بولا تھا، سارہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"غصہ بعد میں کر لینا، پہلے اپنے ہاتھوں سے موموکو یہ کنگن پہنادو"۔ سارہ نے کنگن شاہ رخ کو تھمائے تھے جبکہ مومو نے فوراً ہاتھ پشت پر کر لئے تھے۔

"پہن لو ورنہ سارہ کو ہی پہنا دوں گا، ویسے بھی میرا دھیان تو پہلے ہی تم پر سے ہٹ چکا ہے"۔

"کیا بول رہے ہو؟" سارہ نے اسے گھر کا تھا اور فوراً موموکا ہاتھ پکڑ کے سامنے کیا تھا۔

"تمہارے بھائی جو میرے ساتھ کر رہے ہیں، گن گن کر سارے بدلے تم سے لوں گا"۔ کنگن اسے پہناتے ہوئے بھی وہ باز نہیں آیا تھا۔

"سارہ!" سدرہ کی پکار پر وہ ان کی سمت گئی تھی۔

"تم سیدھی سامنے والے روم میں جاؤ، میں آرہی ہوں"۔ وہ بہت عجلت میں بولی تھیں۔

"کیا کام ہے، یہیں بتا دیں، دوسرے روم میں زینب کا فوٹو سیشن ہو رہا ہے، مجھے وہاں جانا ہے"۔ وہ کوفت سے بولی تھی۔

"تم سے جو کہا ہے وہ کرو، فوراً روم میں جاؤ میں آتی ہوں"۔ سدرہ کے گھر کنے پر ناچار وہ موموکے ہمراہ روم کی طرف گئی تھی، روم کے ٹھنڈے پُرسکون ماحول میں موموتو آرام سے صوفے پر نیم دراز ہو گئی تھی، جبکہ وہ دیوار گیر آئینے میں اپنا تنقیدی جائزہ لینے میں مصروف ہو گئی تھی، تب ہی کھلتے دروازے نے اسے چونکا دیا تھا، جبکہ مومو سرعت سے صوفے سے اُٹھی تھی۔ شمس کو بڑے تایا اور ان کے ساتھ ہی آتے ایک اور باریش بزرگ کو پہچانتے ہوئے سارہ کو کچھ گھبراہٹ ہوئی تھی۔

"زینب اس روم میں نہیں ہے"۔ بولتے ہوئے سارہ کی آواز حلق میں پھنس گئی تھی، جب شمس کے تایا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا، روم کے اندر جانے کس کس کی آمد ہو رہی تھی، غائب دماغی کے ساتھ اس نے شمس کو دیکھا تھا جو اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھا چکے تھے، دنگ نظروں سے وہ سدرہ کو دیکھ رہی تھی جو ایک جھلملاتا سرخ دوپٹہ اس کے سر پر ڈال رہی تھیں۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے، وہ سمجھنے سے قاصر تھی، ایک ایک کا چہرہ تکتے ہوئے اس کا وجود گلیشیئر بننے لگا تھا، گھمبیر سنجیدہ ماحول میں اُبھرتی آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

"یہ سب عاطف کی خواہش پر ہو رہا ہے، تم بعد میں اس کی خبر لے سکتی ہو، گھبراؤ نہیں بالکل"۔ اس کے لرزتے

ٹھنڈے پڑتے وجود کے گرد اپنا حصار تنگ کرتے ہوئے شمس نے ڈھارس دی تھی۔

باہر نصب فل اسکرین ایک جھماکے سے روشن ہوتی سب کو متوجہ کر گئی تھی، جہاں نکاح کی ساری کارروائی نشر ہو رہی تھی، سارہ کی طرح گھر کے باقی لوگوں کے لیے بھی یہ ایک حیران کن سرپرائز تھا، ایک کے بعد ایک سب روم کی طرف بھاگے تھے۔

روم کھچا کھچ بھر چکا تھا، شمس کیا بول رہے تھے، اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا، وہ بار بار پلکیں جھپکتی اس خواب سے نکلنا چاہتی تھی، اس کے کانوں میں سدرہ کی مدھم سسکیاں پہنچ رہی تھیں، دھیرے دھیرے اس کا سن ہوتا دماغ بیدار ہونے لگا تھا، دل و دماغ اس رونما ہونے والی صورت حال کو قبول کر رہے تھے، مگر اس کے وجود کی لرزش بڑھتی جا رہی تھی، بھاری پلکوں کو حرکت دے کر اس نے سامنے آتے نکاح نامے کو دیکھا تھا، آنے والے اس نئے موڑ پر، گزری زندگی کا ایک ایک پل کسی فلم کی طرح اس کی نظروں کے سامنے سے گزر رہا تھا، اس کی سانسیں بے تحاشہ پھولتی جا رہی تھیں، ایک غبار، طوفان کی صورت وجود میں گردش کرتا جا رہا تھا، اس کے کانپتے ہاتھ میں قلم آچکا تھا، شمس کا مہربان حصار اپنے گرد محسوس کرتے ہوئے وہ سدرہ کی بڑھتی سسکیاں سن رہی تھی، اسے بتایا جا رہا تھا کہ کہاں دستخط کرنے ہیں، مگر اس سے یہ کام نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس کا ہاتھ اس شدت سے کانپ رہا تھا کہ بالآخر شمس کو اس کا ہاتھ تھامے رکھنا پڑا تھا، کیمروں کی تیز فلیش لائٹس میں اس نے سائن کرنے شروع کر دیئے تھے، آنسوؤں کا ریلہ اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا تھا، ارد گرد کا ہوش نہیں رہا تھا، شمس کے سینے میں چہرہ چھپائے وہ سارے بند توڑ گئی تھی۔

"یہاں ابھی تک رونے دھونے کا سیشن چل رہا ہے"۔ روم میں داخل ہوتے شان نے حیرت سے سارہ اور سدرہ کو دیکھا تھا۔

"دونوں بہنوں سے ہم بھائیوں کی خوشیاں برداشت نہیں ہوتیں"۔

"بتاؤں ابھی تمہیں؟" آنسو صاف کرتے ہوئے سدرہ نے شان کو گھر کا تھا۔

"فوٹوگرافر آرہا ہے، چھوٹے بھائی کو بہت مشکل سے راضی کیا ہے یہاں آنے کے لیے"۔ شان اطلاع دیتا ہوا گیا تھا، شیث کے پہنچنے تک مومو نے اپنی کزنز کے ساتھ مل کر اس کے حلیے کو بہتر کیا تھا جو وہ رو رو کر بگاڑ چکی تھی، نہ صرف یہ بلکہ اس کا سرخ دوپٹہ بھی سر پر بہت خوبصورتی سے سیٹ کر دیا تھا۔ شیث اگر تنہا فوٹو سیشن کے لیے آتا تو وہ اتنی زیادہ نروس نہ ہوتی مگر اس کے پیچھے اس کے سارے کزنز کا جلوس بھی چلا آیا تھا، وہ تو نظر تک نہیں اُٹھا سکی تھی مگر شیث نے ایک ہی نگاہ میں اس کے انوکھے پُرفسوں روپ کو آنکھوں سے دل میں اُتار لیا تھا، اپنے کزنز کے فقروں اور بار بار مداخلت پر جہاں شیث خود بھی بوکھلا گیا تھا، وہیں فوٹوگرافر کے تیور بھی اس ڈسٹربنس پر بگڑنے لگے تھے، لہٰذا سارہ کے ساتھ صرف دو تصویریں بنوا کر وہ روم سے نکلا تو پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ شرم و حیا ایسی غالب تھی کہ سب کے اصرار پر بھی وہ روم سے نکلنے کے لیے تیار نہ تھی، مومو تب کر شمس کو لے آئی تھی۔ ان کی ڈانٹ سن کر وہ روم سے نکل تو آئی تھی، مگر اپنی پھپھو کی فیملی کے درمیان ہی چھپی بیٹھی رہی تھی، دور سے ہی وہ دیکھ سکتی تھی اس خوبصورت منظر کو جس میں زینب بالکل مغلیہ شہزادی ہی لگ رہی تھی، جبکہ عاطف کی وجاہت بھی قابلِ دید تھی، وہ دونوں ایک ساتھ بہت جچ رہے تھے، یقیناً وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے۔

☆..........☆..........☆

سر اُٹھا کر اس نے نفاست سے سجے کمرے میں نظر دوڑائی تھی، کتنی بار وہ اس کمرے سے گزر کر اسٹڈی تک گئی تھی، مگر اس وقت تو یہاں سب کچھ اجنبی سا لگ رہا تھا، یہاں تک کہ اپنا وجود بھی، جھلسا وجود، دل میں خوشی کی اک رمق تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں جاگی تھی، صرف ہمدردی اور ترس کے بل بوتے پر یہاں تک پہنچنا کوئی قابلِ فخر چیز نہیں تھا، ہمدردی کی خاطر ایک جھلسی لڑکی کو اپنی زندگی، اپنے گھر اور کمرے تک لاکر شاید وہ جنت حاصل کرنا چاہتا تھا، اس کا دل مزید بوجھل ہونے لگا تھا، مخصوص آہٹ نے اس کے وجود کو برف کی طرح سرد اور منجمد کردیا تھا، یہ شخص اس کی شدید آرزو تھا، محبت کا آسمان تھا مگر وہ خود تو زمین میں دھنسی ہوئی تھی، اپنی زخم خوردہ روح کے ساتھ اب وہ کس طرح اس کی طرف مائل ہو سکے گی، جس کی موجودگی سے لاتعلق بھی نہیں رہا جاسکتا تھا۔

''بہت پریشان کیا ہے تم نے زینب! کوئی عورت کسی اچھے خاصے مرد کی نیند، سکون، چین بھی اُڑا سکتی ہے، یہ سب مجھے افسانوی باتیں لگتی تھیں، مگر تم نے جس طرح میری زندگی اجیرن کی ہے، اس کے بعد اندازہ ہوا کہ کچھ تو حقیقت ہوتی ہے جو افسانہ بنتا ہے''۔ پتہ نہیں وہ شکوہ کررہا تھا یا ناراضی کا اظہار، زینب سر جھکائے ساکت تھی۔

''کتنی بار میں نے سارہ کے ذریعے یہ درخواست تم تک پہنچائی کہ ایک بار مجھ سے بات کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ، مگر..... شاید تمہاری نظروں میں، میں بھی قابلِ اعتبار نہیں تھا، میں جانتا ہوں کہ میری اس عجلت کی وجہ سے تمہارے دل میں میرے لیے شکایتیں مزید بڑھ گئی ہیں، کم از کم مجھے یہ سکون تو ہوگا کہ اب میں شکایتیں خود تمہارے چہرے پر پڑھ سکوں گا''۔ سنجیدہ نظروں سے عاطف نے اس کی جھکی پلکوں کو دیکھا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ ترس اور ہمدردی میں کوئی انسان اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کرسکتا ہے؟'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا جو بت کی طرح بے حس و حرکت تھی۔

''تم یہ کہتی ہو کہ تم میرے قابل نہیں ہو اور میں یہ کہتا ہوں کہ میں تمہارے لائق نہیں ہوں، پہلے میرے انکار یا احتراز کی وجہ بھی یہی تھی، جب تم نے مجھے میری ہر کمی کے ساتھ اپنے دل میں جگہ دی تھی، تو پھر تمہیں یہ کہنے کا بھی حق نہیں کہ تم کس قابل ہو یا کس قابل نہیں، سختیاں ہر انسان پر آتی ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان خود ترسی میں مبتلا ہو جائے، کسی پر بھروسہ نہ رکھے، اپنی ذات پر سے بھی اعتبار ختم کردے''۔ عاطف کے نرم لہجے پر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

''میں جانتا ہوں اس میں تمہارا قصور نہیں ہے''۔ نرمی سے عاطف نے اس کے آنسو پوروں میں سمیٹے تھے۔

''میں تمہیں سکھاؤں گا کہ اعتبار کیسے کیا جاتا ہے، میں تمہیں بتاؤں گا کہ اپنی ذات کا کھویا اعتبار کیسے واپس حاصل کیا جاتا ہے، ویسے تم میری کافی نااہل اسٹوڈنٹ رہی ہو مگر مجبوری ہے، ذمہ داری تو نبھانی پڑے گی، تمہارا درجہ بھی تو بڑھ چکا ہے''۔ مسکراتے لہجے میں وہ بولا تھا، جھکی نظروں سے زینب نے مخملیں کیس میں جگمگاتی رِنگ کو دیکھا تھا۔

''تمہارے سامنے اس تحفے کی کوئی اہمیت نہیں، مگر میرے نزدیک یہ رِنگ بہت قیمتی ہو جائے گی، جب یہ تمہارے ہاتھ میں ہوگی''۔ عاطف کی گہری نظریں اس کے چہرے سے پھسلتیں اس کے مہندی سے سجے ہاتھوں پر آٹھہری تھیں، ایک پل کو رُک کر عاطف نے حیرت سے اسے دیکھا تھا جو اپنا ہاتھ پیچھے سرکاتی دوپٹے کے اندر لے گئی تھی۔

''تم چاہتی ہو کہ تمہارے دوسرے ہاتھ میں یہ رِنگ پہناؤں؟'' اس کی گھبراہٹ بھانپ لینے کے باوجود وہ پوچھ رہا تھا اور بے ساختہ اس وقت مسکرایا تھا، جب وہ دوسرا ہاتھ بھی دوپٹے میں چھپا گئی تھی، اس کے خوف میں مبتلا وہ کس طرح خود کو اس سے چھپانے کی کوشش کررہی تھی، اس کے گریز سے لطف اندوز ہوتے ہوئے عاطف نے اس کا ہاتھ دھیرے سے تھام لیا تھا، جس کی سانس رُک گئی تھی، وہ رِنگ اس کی انگلی میں پہنا چکا تھا مگر ہاتھ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

''آج میں تمہیں بتاؤں گا کہ مجھے واقعی تم سے کوئی محبت نہیں ہے''۔ اس کے مدھم پُرتپش لہجے میں کیا کچھ نہیں تھا، زینب کی دھڑکنیں رُکی تھیں، جسم کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا تھا۔

☆............☆............☆

''دیکھا تم نے، تمہارے بھائی نے میرے بھائی سے کس طرح گٹھ جوڑ کرکے ہمیں مکھی کی طرح نکال پھینکا ہے، آخر ہماری شادی بھی تو ان کے ساتھ ہی ہونی تھی''۔ بُری طرح تلملاتی وہ شاہ رخ سے مخاطب تھی۔

''اب میرے کان بھرنے کا ہوش آیا ہے تمہیں؟'' شاہ رخ نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''قطعی بے بی بوائے بننے کی ضرورت نہیں ہے، ابھی فلائٹ پکڑ کے دنیا میں نہیں آئے تم''۔ وہ غرائی تھی اور چونک کر قریب رُکتی گاڑی کو دیکھا تھا۔

''کل نکاح ہوا ہے، اور آج بالکل ہی دیدہ ہوائی ہو کر لے جارہے ہیں ساتھ مہارانی کو سیر سپاٹوں کے لیے''۔ مومو نے جل بھن کر شیث کو دیکھا تھا، جو دل جلا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ سے اُترا تھا۔

''چھوٹے بھائی! تم نے میری پشت پر خنجر گھونپا ہے''۔ شاہ رخ للکار اُٹھا تھا۔

''سینے میں بھی گھونپ دوں؟'' شیث نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

''اب اس کی طرف نظر اُٹھا کر بھی دیکھا تو بہت ماروں گا''۔

''اوہو....! آئے بڑے مارنے والے، یہ کیوں دیکھنے لگا اس چڑیل کو؟'' مومو بھنا کر بولی تھی۔

''یہ لقب نہ دو اسے، میری تو صبح اسے دیکھے بغیر نہیں ہوتی''۔ خفت سے بولتا شاہ رخ کرنٹ کھا کر فوراً اس سے دور بھاگا تھا جو چیل کی طرح اس پر جھپٹی تھی۔ ایک بار پھر شیث نے اسے دیکھا تھا جو مستقل ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی جانے کہاں گم تھی۔

''کل سے اب تک میں ہواؤں میں اُڑ رہا ہوں، تمہارے علاوہ کچھ ذہن میں نہیں، اور ایک تم ہو کہ.....!'' ناراضی سے شیث نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''تم جانتے ہو کہ میری خوشی کس چیز نے غارت کر رکھی ہے''۔ وہ مضطرب لہجے میں بولی تھی۔

''میں جانتا ہوں کہ تم نے آج رضی کو ہمارے گھر میں عاطف اور شان کے ساتھ دیکھا ہے، یہ کوئی نئی بات میرے لیے نہیں ہے، وہ عاطف کو شادی کی مبارکباد دینے آیا تھا، اس کے تو بھائی سے بھی بہت اچھے تعلقات ہیں''۔ وہ زچ ہو کر بولا تھا۔

''وہ شخص دنیا بھر میں تمہارے خلاف زہر اُگلتا پھر رہا ہے اور تمہارے ہی گھر میں تمہارے ہی بھائیوں سے ہاتھ ملا کر بڑی ڈھٹائی سے سب کو دھوکہ دے رہا ہے، تم سب کے سامنے اس کی حقیقت فاش کیوں نہیں کرتے؟ تمہاری خاموشی سے فائدہ اٹھا کر وہ مزید تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے''۔ وہ پریشان ہو کر بولی تھی۔

''آخر وہ کب تک اور کہاں تک میرے ساتھ غلط کرسکتا ہے؟ میں اس کا پردہ اس وقت تک رکھوں گا جب تک مجھ میں اسٹیمنا باقی ہے، اس کے نزدیک کسی کی عزتِ نفس کی اہمیت نہ ہو، مگر میرے نزدیک اہمیت ہے، میں اسے سدھرنے کے مواقع دینا چاہتا ہوں''۔

''پتہ نہیں تم کس مٹی سے بنے ہو؟'' وہ جھلائی تھی۔

''اور یہ بتاؤ، آخر کس طرح تم نے عاطف کو بلیک میل کیا کہ وہ اپنے نکاح سے پہلے ہمارا نکاح کروانے کے لیے ڈٹ گئے؟'' اچانک یاد آنے پر سارہ نے اسے دیکھا تھا، جو پُراسراری مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''یہ تم مجھے کہاں لے جارہے ہو؟ لینڈ لارڈ کو اگر تمہارے ساتھ میری گمشدگی کا پتہ چل گیا تو کیا سوچیں گے؟'' وہ بگڑی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اتنی بڑی تبدیلی کے بعد اگر اس وقت تم تھوڑی سی شرم وحیا کا دامن پکڑ کر خاموش رہو تو کیا یہ بہتر نہیں؟" شیث کے خشمگیں لہجے پر وہ زبان دانتوں تلے دبائے شرمندہ ہوگئی تھی۔ لفٹ سے باہر آتے ہوئے اس نے حیرت سے طویل روشن کاریڈور کو دیکھا تھا۔

"کیا ہم یہاں کسی سے ملنے آئے ہیں؟" اس کے تیز قدموں کا ساتھ دیتی وہ پوچھ رہی تھی مگر جواب ندارد۔ اپارٹمنٹ کا لاک کھول کر شیث نے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا تھا، مگر وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھتی فوراً پیچھے ہٹ گئی تھی، ناچار شیث کو خود ہی اس کا ہاتھ تھام کر اندر لے جانا پڑا تھا۔

"یہ تو بالکل خالی ہے، یہاں کون....؟" حیرت سے درودیوار کا جائزہ لیتی وہ رُکی تھی۔

"شیث! تمہیں اپارٹمنٹ پسند ہیں، یہ تمہارا ہے؟" وہ حیرت وخوشی سے اُچھل پڑی تھی۔

"میرا نہیں، یہ صرف تمہارا ہے"۔ مسکراتی نظروں سے شیث نے اس کے جگمگاتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"سچ....؟ میں ابھی سب دیکھوں گی"۔ بے تابی سے بولتی وہ اس سے پہلے کہ دور جاتی، شیث نے اسے روکا تھا۔

"ابھی تم پہلے وہ دیکھو جس کے لیے خاص طور پر میں تمہیں لایا ہوں"۔ اس کا ہاتھ تھام کر شیث سامنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ لائٹس آن کرتے ہوئے شیث نے اسے دیکھا تھا جو دنگ تھی، روشنیوں سے جگمگاتے کمرے میں عمدہ قسم کا بیڈروم سیٹ لشکارے مارتا آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا، اتنی خوبصورتی سے سب کچھ ڈیکوریٹ تھا، جیسا کہ اس نے سوچ رکھا تھا، پردوں سے لے کر کارپٹ تک ہر چیز کا کلر کومبینیشن ایسا تھا کہ وہ پلک نہیں جھپک سکی تھی۔

"یہ گھر تمہارا ہے، لیکن یہ بیڈروم ہمارا ہے، میری محنت کا اتنا صلہ تو دینا ہوگا"۔ شیث کے مطالبے پر وہ اس کی جانب پلٹی تھی جو دنگ رہ گیا تھا۔

"سارہ! کیا ہوا ہے، رو کیوں رہی ہو تم؟" اس کے سوال پر بھی وہ بس نہ رُکتے آنسو صاف کرتی رہی تھی۔

"میری زندگی کا خوبصورت منظر بن جائے، اگر اس وقت تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی آ جائے"۔ شیث نے دھیرے سے اس کا بھیگا چہرہ ہاتھوں میں بھرا تھا۔

"پتہ نہیں، اچانک اتنا سب کچھ مل گیا ہے، ڈر سا لگ رہا ہے، اگر یہ خواب ہے تو کہیں ٹوٹ نہ جائے؟" وہ بھرائے لہجے میں بولی تھی۔

"ہر خوف، ہر اندیشے کو جھٹک دو، اب ہم ایک مضبوط رشتے میں بندھ چکے ہیں، میں تمہارے چہرے پر صرف مسکراہٹ دیکھنا چاہتا ہوں، تمہارے مسکرانے سے ہی تو میری زندگی مسکراتی ہے"۔ مدھم لہجے میں بولتے ہوئے شیث نے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا، مگر اگلے ہی پل اس کی چیخ پر کرنٹ کھاتا پیچھے ہوا تھا۔

"میں تمہارا خون پی جاؤں گی"۔ سرخ چہرے کے ساتھ غراتی وہ دو قدم اس کی جانب بڑھی تھی جو چار قدم مزید دور ہوا تھا۔

"ذرا کچن دیکھ لوں پھر آ کر تمہیں دیکھتی ہوں"۔ غصیلی نظروں سے اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھتی وہ دروازے کی سمت بڑھی تھی، مگر پھر یکدم رُکی تھی۔

"بات سنو، شادی کے بعد ہم یہاں شفٹ ہو جائیں گے، سب سے الگ.....!"

"یہ سوچ کر مرنا نہیں ہے مجھے، ذبح کرواؤ گی کیا مجھے بھائی کے ہاتھوں"۔ وہ خفت سے ہی بولا تھا۔

"اب تو میں یہیں رہوں گی"۔ مسکراہٹ چھپائے وہ ہٹ دھرمی سے بولی تھی جبکہ شیث پریشان ہوا تھا۔

"سارہ! رحم کرو گی مجھ پر یا نہیں؟"

"تم تو کہہ رہے ہو یہ میرا گھر ہے، میں دلہن بن کر آؤں گی تو اس بیڈروم میں، بس کہہ دیا میں نے"۔ فیصلہ سناتی وہ کمرے سے نکلی تھی، جبکہ شیث بھک سے اُڑتا اس کے پیچھے گیا تھا۔

"تمہارے لینڈ لارڈ میرے چودہ طبق روشن کر ڈالیں گے، ہم مستقل یہاں نہیں رہ سکتے، مگر ہمیشہ ویک اینڈ یہاں گزاریں گے"۔

"پھر اس بیڈروم پر اتنی محنت کیوں کی تم نے؟" وہ جھلائی تھی۔

"اس لیے کہ میں اپنے کمرے کی کوئی چیز اِدھر سے اُدھر بھی نہیں کرنے دوں گا اور تمہیں وہاں ایسے ہی گزارا کرنا پڑے گا، مگر یہاں تمہاری حکومت ہے جو چاہے کرو، مجھے کوئی اعتراض نہیں"۔ وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس کے خاموشی سے گھورتے رہنے پر وہ دھیرے سے ہنسا تھا، جبکہ وہ ناگواری سے سر جھٹکتی کچن کی تلاش میں نکل گئی تھی۔

☆............☆............☆

عاشر کی اچانک آمد اسے غنیمت لگی تھی کہ وہ خود بھی اپنی پھپھو کی طرف جانا چاہتی تھی، اپنی کزنز کو منانے کے لیے، جو اس کے اچانک نکاح اور بے خبر رکھے جانے پر ناراض ہو چکی تھیں، عاشر کے ساتھ جاتے ہوئے اس نے ایک چیز جو محسوس کی، وہ تھی عاشر کی غیر معمولی سنجیدگی۔ اس وقت وہ اپنی کزنز کے درمیان موجود تھی، جب عاشر نے اسے بلا بھیجا تھا، لان میں وہ تنہا ہی تھے، سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتی وہ سامنے چیئر پر بیٹھی تھی۔

"میں نے اس لیے تمہیں یہاں بلایا ہے کہ فی الحال میں سب کے سامنے اپنی زبان نہیں کھولنا چاہتا تھا"۔ عاشر کے لہجے نے اسے بری طرح چونکایا تھا۔

"جب تم نے مجھ سے اپنے اور شیث کے تعلق کا ذکر کیا تھا، تو میں بہت مطمئن تھا، ہم سب تمہیں عزیز رکھتے ہیں تو چاہتے تھے کہ تمہاری ذمہ داری ایسے انسان پر ڈالیں جو ہر طرح سے تمہارے قابل ہو، بلکہ تم سے زیادہ قابل اور بہتر ہو، شیث میں ہمیں ہر قابلیت اور خوبی نظر آئی تھی، اس لیے جب سدرہ نے تمہارے لیے ہم سب سے شیث کے بارے میں رائے مانگی، تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا، اور نہ ہی اچانک نکاح کرنے پر ہم نے کوئی اعتراض اُٹھایا، وہ ایک ویل ایجوکیٹڈ، ویل آف فیملی سے ہے، یہ بھی اطمینان تھا کہ سدرہ تمہارے قریب ہوگی، سب کچھ اچھا نظر آ رہا تھا، مگر یہ سب تصویر کا ایک رُخ ہے، لیکن اگر تصویر کے دوسرے رُخ سے تم بھی ناواقف ہو تو میں نہیں جانتا کہ میں سدرہ کے ساتھ کس طرح پیش آؤں گا، لیکن اگر واقف ہو تو ہم سب کو کیوں ہر چیز سے انجان رکھا گیا ہے"۔ عاشر کے غصیلے لہجے پر وہ ساکت بیٹھی سن ہو چکی تھی۔

"میں اس شخص کو نہیں جانتا مگر اس نے وہ سارے کچے چٹھے کھول کر رکھ دیئے ہیں جنہیں تمہاری بہن اور اس کے شوہر نے ہم سے چھپایا، یہ میں جانتا ہوں کہ آج میں کس طرح خود پر قابو رکھ کر خاموشی سے چلا آیا، ورنہ میں آج ہی ان دونوں سے سوال کرتا کہ ہماری آنکھوں میں کیوں دھول جھونکی گئی؟ تمہاری خاموشی بتا رہی ہے سارہ! تم ہر حقیقت سے واقف ہو، تمہاری بہن نے تو پہلے ہی ہمیں ایک طرف ہٹا دیا تھا، تمہارے نزدیک بھی ہم سب کی کوئی حیثیت نہیں تھی"۔ عاشر کا لہجہ شدید مشتعل تھا۔

"ایسا مت کہیں، آپ جانتے ہیں کہ آپ سب کی اہمیت میری زندگی میں کیا ہے، اگر وہ حادثہ میرے ساتھ پیش آیا ہوتا تو کیا آپ اسے بار بار سب کے سامنے دہرانا بہتر سمجھتے؟" وہ لرزتے لہجے میں بولی تھی۔

"مجھے لفظوں میں مت اُلجھاؤ سارہ! رشتوں کی بنیاد اعتبار پر قائم ہوتی ہے، میں کسی کو اس طرح دھوکے میں نہیں رکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکتا، جس طرح مجھے اور میرے گھر والوں کو رکھا گیا ہے“۔
”آپ کو تکلیف پہنچی ہے تو جو کہنا چاہتے ہیں کہہ دیں، میں سب سنوں گی، مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے آپ کو بھی بے خبر رکھا، مگر آپ شیث کے بارے میں کچھ غلط مت سوچیں“۔ وہ بمشکل بول سکی تھی۔
”تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے، سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس انسان سے اپنی زندگی منسلک کرتے ہوئے تم نے ذرا نہیں سوچا کہ جن حالات سے وہ گزرا ہے، اس کے بعد کس طرح تمہارے ساتھ ایک نارمل زندگی گزار سکتا ہے؟ ایسے حادثات میں انسان کی پوری شخصیت بگڑ جاتی ہے، اس کے لیے ہزاروں مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں، کیا کچھ تم اس کے ساتھ فیس کرو گی اور کہاں تک؟“ عاشر نے بُری طرح بگڑ کر کہا تھا۔
”مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں تھی، سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہے وہ ایک بہتر شخصیت کا حامل، نارمل انسان ہے، میری زندگی اس کے ساتھ ہر طرح سے نارمل ہوگی“۔ پیشانی پر بل ڈالے وہ ضبط کیے بولی تھی۔
”تم سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، تمہاری عقل میں کوئی بات نہیں آئے گی، مجھے اب جو بات کرنی ہے، تمہاری بہن اور اس کے شوہر سے کرنی ہے، ان دونوں نے ہمارے اعتبار اور سادگی کا ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے، میں ہر سوال کا جواب ان دونوں سے لوں گا“۔
”آپ ان سے کوئی بات نہیں کریں گے“۔ وہ دہل اُٹھی تھی۔
”تو کیا کروں، اب بھی آنکھیں اور زبان بند رکھوں؟ کس کو میرے ہر سوال کا جواب دینا ہوگا“۔ غصیلے انداز میں بولتے وہ اُٹھ گئے تھے۔
”اس گھٹیا شخص نے جسے آپ جانتے تک نہیں، جانے کتنے زہر اُگلے ہیں آپ کے سامنے شیث کے خلاف، وہ شخص انتقامی کارروائی میں شیث کے راستے میں کانٹے اور پتھر بچھانے کی کوششوں میں ہے اور آپ اس پر یقین کر کے اسے کامیاب کر رہے ہیں، اس کی سازشوں میں، میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ آپ گھر جا کر کسی سے کوئی سوال نہیں کریں گے“۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ بولی تھی۔
”تم اپنے حکم مجھے مت سناؤ، اس گھر میں ہم نے فروخت نہیں کیا تمہیں کہ نہ زبان کھولیں نہ سر اُٹھائیں“۔ عاشر نے بھڑک کر کہا تھا۔
”میں آپ سے معافی مانگ رہی ہوں، وہاں جا کر کیوں سب کچھ بگاڑنا چاہتے ہیں؟ نکاح ہو چکا ہے میرا، اسے ختم کروا دیں گے؟“ سارہ کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔
”نکاح ہو جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم نے سارے حق گنوا دیئے، یا پھر ابھی کہہ دو کہ ہم سب مر چکے ہیں تمہارے لیے، میں ہمیشہ کے لیے زبان بند کر لوں گا“۔ عاشر کے انتہائی سخت انداز پر ساکت بیٹھی انہیں دور جاتا دیکھتی رہی تھی، دل و دماغ ماؤف ہونے لگے تھے، تب ہی سیل فون پر آتی کال ریسیو کرتے ہوئے دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے۔
”میڈم! گھر واپس آنے کا ارادہ ہے؟“
”تم ابھی آ سکتے ہو؟“ لہجے کی نمی چھپائے وہ بولی تھی۔
”تم نے کہا اور میں آ گیا، اب جلدی سے سب کو خدا حافظ کہہ کر آ جاؤ باہر، میں اندر نہیں آؤں گا“۔
”بس دو منٹ میں آتی ہوں“۔ سرعت سے وہ بھی اُٹھ گئی تھی کہ مزید یہاں رُکنا اب اس کے لیے ناممکن تھا۔

☆..........☆..........☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے چہرے کے تاثرات نے شیث کو اسی وقت چونکا دیا تھا، جب وہ فرنٹ سیٹ پر آ کر بیٹھی تھی، فوری طور پر وہ اس سے کوئی سوال نہیں کر سکا، مگر سارہ زیادہ دیر تک اس سے اپنی پریشانی نہیں چھپا سکی تھی۔
”میں تم سے کہتی رہی کہ اس شخص کا کوئی بندوبست کرو، وہ تمہارے خلاف گل افشانیاں کرتا گھوم رہا ہے اور تم صبر کے ساتھ اس کے پہنچائے گئے نقصان سہنے پر تیار ہو“۔ وہ آنسو ضبط کیے بول رہی تھی۔
”اس سے پہلے عاشر بھائی نے کبھی مجھ سے اس طرح بات نہیں کی ہے، ان کے تیور بہت خطرناک ہیں“۔
”وہ اپنی جگہ ٹھیک ہیں، غلطی واقعی ہماری طرف سے ہوئی ہے، مگر بھائی اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے“۔ شیث نے کہا تھا۔
”مجھے بہت زیادہ ڈر لگ رہا ہے، اگر عاشر بھائی نے اپنی بات پر عمل کر لیا تو.....!“
”تو کچھ نہیں ہوگا، فی الحال تم سب سے پہلے عاشر بھائی تک میرا میسج پہنچاؤ کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں، اگر تم چاہتی ہو کہ وہ بھائی تک نہ پہنچیں تو میرا ان سے براہِ راست ملنا ضروری ہے“۔ سارہ کے چہرے پر نظر آتے تذبذب پر وہ بولا تھا۔
”سب میری وجہ سے ہو رہا ہے، میری وجہ سے تمہیں کسی کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا، آج ایک شخص تمہاری ذات پر سوال اُٹھائے گا، تو کل کوئی دوسرا منہ اُٹھا کر یہ کام کرنے آ جائے گا، میں کیسے یہ سب برداشت کر سکتی ہوں“۔
”جہاں اتنا کچھ برداشت کیا ہے وہاں تھوڑی سی برداشت کا اور مظاہرہ کر لو، عاشر بھائی اپنی جگہ درست ہیں، انہیں غلط مت کہو“۔ اس کے سنجیدہ لہجے پر وہ فکرمند نظروں سے بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆..........☆..........☆

دوسرے دن تک اسے شدید بخار نے آ گھیرا تھا، دل و دماغ پر حاوی عجیب سے خوف اور پریشانی کے دباؤ کا یہی نتیجہ نکلنا تھا، عاشر سے رابطہ کرنے کی اس نے کوشش کی تھی، مگر وہ کال ریسیو نہ کرنے کا عہد لیے بیٹھے تھے۔ دوپہر تک طبیعت کچھ سنبھلی تو زینب کا ہوش آیا، موموا سے اپنے گھر ساتھ لے جانے کے لیے آ پہنچی تھی، وہاں سب کے درمیان کچھ وقت کے لیے وہ اپنی پریشانی بھول گئی تھی، شام سر پر آ رہی تھی، جب شان اسے بلانے چلا آیا تھا، مومو کے ہمراہ باہر آتے ہوئے اس نے منتظر کھڑے شان کے پریشان تاثرات کو دیکھا تھا۔
”سارہ! کچھ دیر پہلے عاشر بھائی آئے تھے“۔ شان کی اطلاع نے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچی تھی۔
”وہ بڑے بھائی سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتے تھے، ان دونوں کے درمیان کوئی بحث ہوئی ہے، آوازوں سے بس یہی اندازہ ہوا تھا کہ بات تمہارے اور چھوٹے بھائی کے بارے میں ہو رہی تھی، ابھی عاشر بھائی بہت غصے میں گئے ہیں، کیونکہ بڑے بھائی نے تکرار کے دوران خود انہیں گھر سے چلے جانے کے لیے کہا تھا“۔ شان بتا رہا تھا اور سارہ کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہوتا جا رہا تھا۔
”وہ تمہیں بلا رہے ہیں، گھبراؤ نہیں، میں پہلے ہی چھوٹے بھائی کو اطلاع دے چکا ہوں وہ بس آنے والے ہوں گے“۔
”شان! پہلے چھوٹے بھائی کو آ جانے دو، میں ابھی سارہ کو نہیں جانے دوں گی“۔ سارہ کی گنگ کیفیت نے مومو کو معاملے کی سنگینی کا احساس دلایا تھا۔
”بڑے بھائی انتظار کر رہے ہیں، اگر کچھ دیر مزید ہوئی تو وہ خود یہاں آ جائیں گے، غصے میں کچھ سوچیں گے نہ سمجھیں گے، سب کے سامنے تماشہ بن جائے گا“۔ شان بے بسی سے بولا تھا حالانکہ وہ خود نہیں چاہتا تھا کہ اس وقت

سارہ، شمس کے سامنے جائے۔

''ٹھیک ہے، پھر میں بھی چلوں گی''۔ سارہ کا یخ بستہ ہاتھ پکڑتے ہوئے مومو نے کہا تھا۔

سارہ کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے، وہ نہیں جانتی تھی کہ کس طرح وہ ان کا سامنا کر سکے گی، گزرے دنوں میں وہ ان کے نرم لب و لہجے کی اس قدر عادی ہو چکی تھی کہ اب ان کا ایک سخت جملہ بھی برداشت کرنے کی سکت اس میں نہیں تھی، اپنے بھائی پر حرف آتا دیکھ کر شمس جب عاشر جیسے شخص کو خاطر میں نہیں لائے، تو پھر ان کے سامنے وہ کیا حیثیت رکھ سکتی تھی، اسے اپنے جسم سے جان کھنچتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، اسی وقت نے اس کی جان سولی پر چڑھا رکھی تھی، جو دبے پاؤں آ چکا تھا، عاشر کی عجلت نے پانی سر سے اونچا کر دیا تھا، مگر کتنا اونچا؟ اس بارے میں وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ کون، کس جگہ موجود تھا، اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، نظر آ رہا تھا تو بس یہ کہ لاؤنج کے وسط میں کھڑے شمس شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے، جس کے چہرے سے زندگی کی رمق غائب ہوتی جا رہی تھی، ان کی جانب اپنے قدموں کو گھسیٹتے ہوئے اس کا دل کسی کھائی میں ڈوب رہا تھا، لرزتے وجود کے ساتھ وہ ان کے سامنے رُکی تھی، جن کی آنکھوں سے نکلتی چنگاریاں اس کے وجود کو بھسم کر رہی تھیں۔

''کیا کچھ بتایا ہے تم نے عاشر کو؟ کیا کہا ہے تم نے اس سے، بتاؤ مجھے؟'' ان کے بلند، کرخت لہجے پر سارہ کی آواز حلق میں گھٹ گئی تھی۔

''تم نے تو اس کا پردہ رکھنا تھا، پھر کیوں توڑا میرا یقین، کیوں توڑا میرا اعتبار، جواب دو مجھے؟'' شدید طیش میں وہ جس طرح دھاڑے تھے، در و دیوار لرز اُٹھے تھے، ساکت نظروں سے ان کے دہکتے چہرے کو دیکھتی وہ ایک دم ان کی طرف بڑھی تھی۔

''پہلے آپ مجھے جواب دیں، کیا اس کی ذات آپ کے لیے شرمندگی کا باعث ہے؟ مشقت اُٹھا کر اسے دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کے قابل بنا کر، کیوں آپ اس کے لیے دنیا کا سامنا نہیں کر سکتے؟ اس سے اتنی محبت کے باوجود کیوں وہ آپ کے لیے قابلِ فخر نہیں ہے؟'' لرزتے لہجے میں وہ پوچھ رہی تھی۔

''میں نے تم سے جو پوچھا ہے، مجھے اس کا جواب تم سے چاہیئے، تمہاری شہ پر عاشر کی اتنی ہمت ہوئی کہ وہ مجھ پر دھوکہ دہی کا الزام عائد کر رہا ہے، کس کس کے سامنے تم نے تصدیق کی ہے، مجھے بتاؤ ورنہ....!'' شدید اشتعال میں وہ اس کی طرف بڑھے تھے جو دھندلائی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''مجھے اس کے کسی سچ پر شرمندگی نہیں، میں سر اُٹھا کر اس کے لیے دنیا کا سامنا کر سکتی ہوں، ایک ہی جواب دے کر ہر سوال کرنے والے کا منہ بند کر سکتی ہوں کہ مجھے اس کے کل اور آج پر فخر ہے، میں ہر سچ کا سامنا کر سکتی ہوں، کیونکہ میں آپ کی طرح بزدل نہیں ہوں''۔

''بکواس بند کرو''۔ غصے میں بھڑکتے شمس کا ہاتھ اُٹھا تھا، جسے ایک مضبوط گرفت نے راستے میں وہیں روک لیا تھا۔

''آپ کو جو کہنا ہے، مجھ سے کہیں، مارنا چاہتے ہیں تو میں موجود ہوں یہاں، مجھے جان سے مار دیں، مگر اب دوبارہ کبھی آپ سارہ پر ہاتھ نہیں اُٹھائیں گے''۔ شیث کے لہجے اور چہرے پر چٹانوں جیسی سختی تھی۔

''تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرا ہاتھ روکنے کی؟ تم ہوتے کون ہو مجھے روکنے والے؟'' ایک جھٹکے سے اس کی گرفت اپنے ہاتھ سے ہٹاتے وہ پھر دھاڑے تھے۔

''تم جانتے ہو یہ کیا کر چکی ہے؟ اپنی تصدیق کے ٹھپے لگا چکی ہے، آج اس کے خاندان کا ایک فرد اُنگلی اُٹھا چکا ہے، کل اس کا پورا خاندان یہ کام کرے گا''۔ شدید طیش میں بولتے وہ اس کی سمت اشارہ کر رہے تھے جو پتھر کا بت بن چکی

تھی۔

''وہ سب اس کے خونی رشتے ہیں، وہ حق رکھتے ہیں ہر سچائی کو جاننے کا، میری ذات آپ کے لیے ذلت کا باعث ہے تو اپنے ہاتھوں سے میری زندگی ختم کر دیں، مگر یہ سب کر کے مجھے میری نظروں میں مت گرائیں''۔ شیث کی بلند آواز نے شمس کے اشتعال کو آسمان پر پہنچا دیا تھا۔

''تمہارے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہو چکی ہے، مگر میری ایک بات غور سے سن لو، میں اب اس لڑکی کو اپنے گھر میں ایک منٹ بھی نہیں رُکنے دوں گا، سمجھے تم؟'' غصے میں بے قابو ہوتے شمس بولے تھے۔

''آپ ایک منٹ کی بات کر رہے ہیں، میں اسے ایک سیکنڈ بھی اس گھر میں نہیں رُکنے دوں گا''۔ سرخ چہرے کے ساتھ وہ بھنچی آواز میں بولتا سارہ کی طرف بڑھا تھا۔

''اگر تم اس کے ساتھ یہ گھر چھوڑ کر گئے تو میں تمہیں اپنی زندگی سے بھی بے دخل کر دوں گا''۔ شیث کے تیوروں نے ان کے غصے کی انتہا کر ڈالی تھی۔

''یہ خبر آپ اشتہار کی صورت میں دیں تو زیادہ بہتر ہوگا اور اس میں ایک جملے کا اضافہ بھی کر دیجئے گا کہ شیث آپ کے لیے مر چکا ہے''۔ اس کے سرد لہجے پر شمس کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

''میں اس گھر سے کہیں نہیں جاؤں گی، میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی''۔ لرزتے لہجے میں بولتی وہ شیث سے دور ہوتی سرعت سے ساکت کھڑے شان کے عقب میں جا چھپی تھی۔

''تم چاہتی ہو کہ تمہیں دھکے دے کر یہاں سے نکالا جائے؟'' شدید جارحانہ انداز میں وہ سارہ کے پیچھے گیا تھا، شان اسے تو نہیں روک سکا تھا مگر سارہ کو اس سے بچانے کی کوشش ضرور کی تھی، لیکن شیث ایک ہی جھٹکے میں سارہ کو اس کی گرفت سے نکال گیا تھا، آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ چیختی وہ بالکل بھی اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار نہ تھی، سانس روکے سب یہ ناقابلِ یقین منظر دیکھ رہے تھے، مگر سدرہ کا سکتہ ٹوٹ گیا تھا، سارہ کی دلخراش پکاروں نے ان کے دل میں خنجر اُتار دیا تھا، بجلی کی سی تیزی سے وہ سارہ کی طرف گئی تھی۔

''شیث! تمہیں میری قسم ہے، تم یہاں سے نہیں جاؤ گے، وہ نہیں جانتے کہ وہ غصے میں کیا کہہ گئے ہیں، مگر تم یہ انتہائی قدم مت اُٹھاؤ''۔ بہتے آنسوؤں کے ساتھ التجا کرتے ہوئے سدرہ کی آواز بلند ہوئی تھی، جب شیث نے اپنی گرفت سے نکلنے کے لیے تڑپتی ہوئی سارہ کی گردن اپنے ایک ہی ہاتھ میں جکڑ لی تھی۔

''آپ اسے جہاں لے جانا چاہتے ہیں لے جائیں، مگر آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟'' شیث کے ارادے بھانپ کر شاہ رخ اپنی جگہ نہیں رُک سکا تھا، دنگ کھڑی مومو نے شدید خوف میں مبتلا ہو کر شمس کو دیکھا تھا، مگر وہ اپنی جگہ ساکت کھڑے تھے لیکن ان کی نظریں سارہ پر تھیں جس کے چہرے پر اذیت دور سے بھی واضح تھی، شیث کی گرفت اپنی گردن سے ہٹانے کی کوشش میں اس کی گھٹی گھٹی چیخیں مزید گھٹنے لگی تھیں۔

''میں اسے ساتھ لے کر جاؤں یا اسے مار دوں، بتائیں کیا کروں؟'' اس کے غضبناک لہجے نے سدرہ کے قدم خود بخود پیچھے ہٹا دیئے تھے، ایسا جلال انہوں نے کبھی شیث کی آنکھوں میں نہیں دیکھا تھا، سارہ کا بے جان وجود اپنے ساتھ کھینچتا وہ جا چکا تھا، موت جیسا سناٹا پورے لاؤنج میں پھیلا ہوا تھا کہ یکدم مومو کی چیخ گونجی تھی، سب سے پہلے شمس، سدرہ تک پہنچے تھے جو اپنے پیروں پر کھڑی نہ رہ سکی تھیں۔

☆............☆............☆

پارکنگ سے اپنے اپارٹمنٹ تک بھی شیث نے اس کا نہ ہاتھ چھوڑا تھا، نہ ارد گرد کی کوئی پرواہ کی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپی طاقت مجھ پر مت آزماؤ''۔ وہ حلق کے بل چیخی تھی جب شیث نے اس کا ہاتھ چھوڑا تھا۔
''تم بھی مجھے میری برداشت سے زیادہ مت آزماؤ''۔ شیث کی آواز اس سے زیادہ بلند تھی۔
''اب اس گھر سے کہیں اور جانے کی خواہش بھی زبان پر مت لانا''۔
''اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ تم زبردستی مجھے یہاں روک لوگے، میرے باپ نے کبھی مجھ پر اپنی مرضی مسلط نہیں کی تو پھر تم کون ہوتے ہو مجھ پر جبر کرنے والے؟'' وہ بھڑک اُٹھی تھی۔
''ہر مرد میں اپنے باپ کو مت ڈھونڈا کرو''۔ غصے میں وہ انتہائی نازک سچ منکشف کر گیا تھا۔
''تمہیں کوئی حق نہیں ہے میرے باپ کے بارے میں کچھ کہنے کا''۔ وہ چیخی تھی اور اگلے ہی پل بھاگتی ہوئی کمرے میں گئی تھی، چند لمحوں تک شیث رُکا تھا، مگر پھر تیز قدموں کے ساتھ کمرے میں گیا تھا، جہاں وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بیٹھی تھی۔
''کس طرح تم مجھ پر جبر کا الزام لگا سکتی ہو، یہ کام میں نے پہلے اور کتنی بار تمہارے ساتھ کیا ہے، مجھے بتاؤ؟''
''پہلے نہیں کیا مگر اب تو کر رہے ہو، جائیداد جو بن چکی ہوں تمہاری''۔ وہ چیخی تھی۔
''جتنے الزام لگانے ہیں، لگاؤ، میری شکل بھی نہ دیکھو، اپنے سائے کو بھی میری پہنچ سے دور رکھو، مگر اب اس گھر سے جانے کا خیال دل سے نکال دو، تمہیں وہاں رہ کر ذلت اُٹھانے کی عادت ہو چکی ہے، مگر میں اب اور برداشت نہیں کر سکتا، اگر آج میں یہ قدم نہ اُٹھاتا تو وہاں کل پھر یہی سب دہرایا جاتا، میری اولاد کو بھی ذلت اور حقارت سے نوازا جاتا، اسے بھی اسی طرح در بدر ہونے کا حکم دیا جاتا''۔ شدید طیش بھری نظروں سے وہ اسے دیکھتا بولا تھا۔
''تم جتنے آنسو بہانا چاہتی ہو، شوق سے بہاؤ، کیونکہ ایک بات تو طے ہے کہ تم اس گھر سے اب کہیں نہیں جاؤ گی''۔
''تو پھر لاش ہی جائے گی میری یہاں سے، ایک کوشش تو تم کر چکے ہو، کیوں رُکے ہو، کون ہے یہاں روکنے والا؟ حاصل کر لو مجھ سے چھٹکارا''۔
''اگر تم نے اپنی ضد نہیں چھوڑی تو میں ایسا ہی کروں گا، میں شمس نہیں ہوں جو ہر بار تمہارے سامنے گھٹنے ٹیک دوں گا''۔ اس کی بلند آواز نے سارہ کو ساکت کیا تھا۔
''اگر تم نے دوبارہ مجھے اس نام کا طعنہ دیا تو پھر میری زبان سے بھی بہت کچھ نکلے گا''۔ وہ غصے میں پاگل ہوئی تھی۔
''اور میں تھپٹر مار کر تمہاری زبان بند کر دوں گا''۔ شیث یقیناً ہوش و حواس کھو چکا تھا۔
''تو پھر یہ بھی یاد رکھنا کہ ہر اُٹھنے والا ہاتھ شمس کا نہیں ہوگا، جسے سارہ برداشت کر لے گی''۔ وہ بپھر کر غرائی تھی اور اگلے ہی پل اس کے پیچھے گئی تھی، جو ایک دھماکے سے دروازہ بند کرتا باہر جا چکا تھا۔
''شیث! دروازہ کھولو''۔ دروازہ پیٹتی وہ چنگھاڑی تھی۔
''تم سب کچھ بھول چکے ہو، مگر مجھے ان تمام حدود کی پاسداری کرنی ہے، جو مجھ پر لازم ہیں، میں کسی حال میں ان کا یقین نہیں ٹوٹنے دینا چاہتی جو نکاح کے وقت سے لے کر انہیں اب تک مجھ پر ہے۔ میں اس طرح تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی، ان کی رضا، ان کی اجازت میرے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے، نہیں سہہ سکتی میں بھائی کو بھائی سے الگ کر دینے کا الزام''۔ بند دروازے پر ہاتھ برساتی وہ چیختی ہی رہ گئی تھی۔

☆............☆............☆

کابک نما اس تاریک کمرے کا دروازہ ایک چرچراہٹ کے ساتھ کھلا تھا، کئی گھنٹوں بعد گھپ اندھیرے میں داخل ہوتی روشنی کی لکیر اس کی آنکھوں میں چبھتی چلی گئی تھی، وہ اس قابل نہیں تھا کہ آنے والے شخص کو تاریکی میں پہچان سکتا۔

''یہاں تمہارا وقت کیسا گزرا؟ رضی!'' مانوس سرسراتی آواز نے اس کے وجود میں سنسنی دوڑا دی تھی۔
''کسی کو تاریکی میں دھکیلنا زیادہ آسان ہوتا ہے، مگر اس تاریکی میں رہنا اتنا ہی مشکل''۔ چبھتے کاٹ دار لہجے۔ رضی کی آواز حلق میں ہی گھونٹ دی تھی۔
''تم حیران ہو گے کہ اپنے حوالے سے تمہیں ہر کارروائی کی اجازت دینے کے باوجود میں نے کیوں یہ سب کیا؟ جھلتے سوال پر رضی نے تاریکی میں اسے دیکھنے کی کوشش کی تھی۔
''کیونکہ تم اسے درمیان میں لے آئے جس پر میں تمہاری غلیظ نظر بھی نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا، تمہاری وجہ سے میں نے اسے تکلیف اُٹھاتے دیکھا ہے، تمہاری وجہ سے میں نے اس کی آنکھوں میں سب کچھ ختم ہوتے دیکھا ہے''۔ شیث کی آواز تاریکی میں گونجی تھی۔
''میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر میں سب کچھ بھول گیا تو مجھ سے زیادہ بُرا انسان تمہیں دنیا میں کہیں نہیں ملے گا، اب تمہارا وقت ختم ہو چکا ہے''۔
''مجھے یہاں سے نکالو، اللہ کے لیے مجھے معاف کر دو''۔ رضی کی کراہتی آواز تاریکی میں اُبھری تھی۔
''اپنی زبان پر یہ مقدس نام مت لاؤ، سیاہ کاریاں کرتے وقت تم نے کتنی بار اللہ کو یاد کیا تھا؟'' وہ غرایا تھا۔
''اب اس تاریک قبر میں بیٹھ کر اپنے کارنامے یاد کرو اور انتظار کرو، اس دنیا کو اپنے وجود سے پاک کرنے کا۔
''شیث! مجھے اس کی خاطر معاف کر دو، جس کی وجہ سے تمہاری برداشت ختم ہوئی ہے، جس کا میں مجرم ہوں، میں اس سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں گا، ہر اس انسان سے معافی مانگوں گا، جس کے سامنے میں نے تمہارے خلاف مغلظات نکالے تھے''۔ اس کی پکاروں نے شیث کے قدم روکے تھے۔
''تمہیں معاف کرنا اب میرے لیے آسان نہیں مگر تمہارے ماں باپ، تمہارے بھائی ان سب کے چہرے مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں تمہیں ایک آخری موقع دوں، اس کے بعد تم اپنے خاندان کے نام پر مزید کالک پھیر دیا پھر راہِ راست پر آ جاؤ، مجھے کوئی پرواہ نہیں''۔ سرد لہجے میں بول کر وہ رُکا نہیں تھا۔

☆............☆............☆

کمرے میں داخل ہوتا وہ اس کی طرف متوجہ تھا جو تکیے میں چہرہ چھپائے ہوئے تھی، اس کی گونجتی سسکیاں شیث کے اضطراب کو بڑھا گئی تھیں، یہ سچ انتہائی تکلیف دہ تھا کہ وہ اس کی وجہ سے رو رہی تھی، اس کی محبت کو جبر کا نام دے رہی تھی، اس کے حق کے لیے ہی تو وہ یہ قدم اُٹھانے پر مجبور ہوا تھا مگر وہ تھی کہ کوئی مؤقف سننے سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھی، آہٹ محسوس ہوتے ہی وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھی تھی،
''بہت فخر محسوس ہو رہا ہوگا تمہیں خود پر کہ ایک عورت کو اپنا محتاج بنا کر قید کر دیا ہے کمرے میں، جو تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی، جس پر اپنی طاقت آزمانے کا سنہری موقع ملا ہے تمہیں''۔ وہ روتے ہوئے ہی چیخ رہی تھی۔
''اس سے زیادہ شرمناک بات میرے لیے کوئی اور نہیں ہو سکتی سارہ!'' شیث کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔
''کیا میں تمہارے لیے صرف ایک مرد ہوں؟ کیا میرے لیے تم صرف ایک عورت ہو؟ میں تمہارے حق، تمہاری عزت کے لیے وہ گھر چھوڑ آیا ہوں اور تم مجھ سے بدظن ہو کر مجھے بے موت مار رہی ہو''۔ شدید تاسف کے ساتھ، شیث نے کہا تھا دوسری جانب وہ دوبارہ تکیے میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر چکی تھی، خود پر ضبط کیے وہ چند لمحوں تک اسے ٹوٹتا بکھرتا دیکھتا رہا تھا، مگر پھر تھکے تھکے انداز میں بیڈ کے قریب ہی گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا اور دھیرے سے اس کا پیر اپنی گرفت میں لیا تھا، درد کے سمندر کی شوریدہ لہروں سے اُلجھتے ہوئے ماہ و سال کی ریاضتوں کے بعد اُٹھاہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گہرائیوں سے جو محبت کے نایاب موتی سمیٹے تھے، اب ان موتیوں کو اس کی آنکھوں سے گرتے دیکھنا کسی عذاب جیسا تھا اور وہ تھی کہ دنیا کی فکر میں اپنی محبت کو بھی روند کر آبلہ پا چلتے رہنا چاہتی تھی، جلتے لب اس کے پیر پر رکھے وہ مزید اس کی کراہیں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

''کیا مانگ رہا ہوں تم سے؟ کون سے ایسے مطالبے کر رہا ہوں جو تم مجھے سانس لینے کا حق بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہو، یہ تمہارا اپنا گھر ہے مگر تم یہاں خود کو قید تصور کر رہی ہو، میرے قریب آنے کے لیے تمہیں ان کی اجازت کی ضرورت ہے، جو تمہیں ذلت دے کر میری روح کھینچ چکے ہیں، تم اب بھی انہیں ہر چیز پر فوقیت دے رہی ہو، جو تمہیں اپنے گھر سے اور مجھے اپنی زندگی سے نکال کر کسی کھائی میں پھینک چکے ہیں''۔ جلتی پیشانی اس کے پیر سے ٹکائے وہ ٹوٹے لہجے میں بول رہا تھا۔

''میں انہیں ہر چیز پر فوقیت نہ دوں تو کیا کروں؟ میں اس شخص کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کر سکتی، جس کا خون تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے، جس نے تمہارے لیے سب کچھ بھلا دیا، جس نے اپنی آغوش میں چھپا کر تمہیں زمانے کے سرد گرم سے بچایا ہے''۔ اس کا کالر مٹھی میں جکڑے وہ پھٹ پڑی تھی۔

''نفرت ہے مجھے اپنے وجود سے جو سبب بن رہا ہے تمہارے اور ان کے درمیان فاصلے بڑھانے کا، میرے لیے ہر زیادتی کو بھولنے کے لیے یہ کافی ہے کہ انہوں نے تمہارا نام میرے نام کے ساتھ جوڑ دیا ہے''۔ شدتِ گریہ سے سرخ انگارہ ہوتی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شیث سپاٹ چہرے کے ساتھ جانے کے لیے اُٹھ گیا تھا۔

''مجھے آپی سے بات کرنی ہے، کم از کم اتنا حق تو دو مجھے''۔ اس کے چیخنے پر شیث نے رُک کر اسے دیکھا تھا۔

''اگر بات حق کی ہے تو ٹھیک ہے، تم ابھی مجھے میرا حق دینے کے لیے تیار ہو جاؤ، میں تمہیں تمہارا حق دوں گا''۔ اس کے سرد لہجے پر وہ پتھرائی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی، جو اس کے چہرے سے نظر ہٹاتا کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆............☆............☆

سدرہ کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبائے اس وقت وہ روم میں تنہا تھی، سدرہ کی جو حالت تھی اس نے سب کے ہی ہاتھ پیر پھلا دیئے تھے، وہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی سدرہ سے الگ نہیں ہوئی تھی، اسے تو یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ گھر میں ایک تقریب شروع ہونے والی ہے، زینب کی والدہ کی طبیعت کی ناسازی کے باعث ملتوی ہونے والی ولیمے کی تقریب آج گھر میں ہی سادگی سے منعقد کی جا رہی تھی، کسی طرح ابھی معاملے کی سنگینی وہاں نہیں پہنچی تھی، سب کو یہ ہی پتہ تھا کہ سدرہ کو فوڈ پوائزن ہو گیا ہے اور یہ کہ وہ کچھ ہی دیر میں ہاسپٹل سے گھر آ جائیں گی، سدرہ کے بالکل سفید چہرے سے نظر ہٹا کر اس نے اندر آتے شاہ رخ کو دیکھا تھا۔

''پریشان مت ہو، بھابی اب ٹھیک ہیں''۔ شاہ رخ نے اسے تسلی دی تھی۔

''تمہیں گھر جانا چاہیئے، وہاں تمہاری غیر موجودگی سب محسوس کریں گے''۔ اس کی خاموشی پر وہ مزید بولا تھا۔

''عاطف بھائی نہیں آ رہے ہیں، میں نے انہیں سب بتا دیا ہے''۔ وہ مدھم مگر بگڑے تیوروں کے ساتھ بولی تھی۔

''چھوٹے بھائی کا فون مسلسل آف جا رہا ہے، ہم ان سے سب چھپا لیں گے تو کیا وہ خود نہیں پہنچیں گے، چھوٹے بھائی اور سارہ تک؟'' مومو کے سوالیہ لہجے پر وہ خاموش رہا تھا، ظاہر ہے، آج کی اہم تقریب میں شیث اور سارہ کی غیر موجودگی نے عاطف کو ہی نہیں سب کو ہی چونکا دیا تھا، باہر سے آتی شمس کی آواز پر وہ تیز قدموں کے ساتھ روم سے باہر نکلا تھا۔

''شیث اس حد تک کبھی نہیں جا سکتا تھا، میں مانتا ہوں اس نے گھر چھوڑ کر غلط کیا ہے، مگر آپ تو اس وقت اسے روک

سکتے تھے، آگے بڑھ کر سارہ کو ہی روک لیتے، پھر وہ کیسے آپ کی مرضی کے خلاف جا سکتا تھا؟'' نا چاہتے ہوئے بھی عاطف ان کے سامنے اپنی ناراضی کا اظہار کر گیا تھا۔

''میرے سامنے اس کی وکالت مت کرو، وہ جانتا ہے کہ اس وقت میں غصے میں کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر سارہ کے ساتھ غلط کر گیا تھا، میں مانتا ہوں میں نے سارہ کو گھر میں رکھنے سے انکار کیا تھا، مگر میں نے اسے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اسی وقت میرے گھر سے نکل جائے اور ان دونوں باتوں میں فرق ہے، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے نہیں نکالا، یہ کام شیث نے کیا ہے، وہ زبردستی سارہ کو لے گیا ہے''۔ شمس کی آواز ہلکی تھی مگر لہجے کا اشتعال ہنوز برقرار تھا۔

''اور تم مجھے یہ کہہ رہے ہو کہ مجھے روکنا چاہیئے تھا، سدرہ نے یہ کام کیا تھا اس کے بعد پہنچ گئی ہے وہ ہاسپٹل۔ سدرہ کے سامنے اس نے سارہ کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی، اس کی وجہ سے سدرہ کی یہ حالت ہوئی ہے''۔ ان کے طیش بھرے لہجے پر عاطف نے خاموش کھڑے شاہ رخ کو دیکھا تھا جبکہ شمس کاریڈور میں آتے عاشر کی طرف متوجہ ہوئے تھے، اگلے ہی پل ان کے تاثرات تن چکے تھے۔

''کیسی طبیعت ہے سدرہ کی؟ کیا ہوا ہے اسے؟'' عاشر کے چہرے کا رنگ اس وقت بالکل اُڑا ہوا تھا۔

''وہ اب بہتر ہیں، بس کچھ ہی دیر میں انہیں گھر جانے کی اجازت مل جائے گی''۔ شاہ رخ نے فوراً ہی آگے بڑھ کر کہا تھا، جبکہ عاشر کچھ کہتے کہتے رُک کر شمس کی طرف متوجہ تھے جو ان کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔

''میرا یقین کریں، میں آپ کے گھر میں کوئی دراڑ نہیں ڈالنا چاہتا تھا، میری نیت یہ بالکل نہیں تھی کہ میری وجہ سے آپ کے گھر میں بگاڑ پیدا ہو''۔ عاشر کا لہجہ پشیمان تھا۔

''میں نے بہت غلط طریقے سے آپ سے بات کی، میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں، آپ سے معذرت کرتا ہوں، مگر آپ میری غلطی کی سزا سارہ کو مت دیجیئے گا، وہ بے قصور ہے''۔

''تم نے کوئی غلطی نہیں کی ہے، معذرت تو مجھے کرنی چاہیئے، تم اپنی جگہ درست تھے، حق بجانب تھے، تمہاری ناراضی بالکل جائز تھی، تمہاری جگہ اگر میں ہوتا تو شاید میرا ردعمل بھی ویسا ہی ہوتا''۔ شمس کچھ کمزور لہجے میں بولے تھے۔

''سدرہ کو کیا ہوا ہے؟ کیا وہ میری وجہ سے.....!''

''نہیں، ایسا نہیں ہے''۔ شمس نے کہا تھا تب ہی مومو کی آواز پر متوجہ ہوتے وہ روم میں گئے تھے۔

''سدرہ! تم ٹھیک ہو؟'' پریشان نظروں سے شمس نے انہیں دیکھا تھا۔

''سارہ نہیں آئی؟'' وہ شدید نقاہت زدہ آواز میں بولی تھیں۔

''وہ اگر یہاں آئی تو تمہیں دیکھ کر بہت پریشان ہو جائے گی، تم گھر پر اس سے ملنا، مگر پہلے اپنے آپ کو سنبھالو ورنہ رات یہیں گزارنی پڑے گی''۔ شمس نے نرم لہجے میں کہا تھا۔

''وہ گھر پر کیسے ہو سکتی ہے، شیث نہ خود آئے گا نہ اسے آنے دے گا''۔ سدرہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''جب میں تم سے کہہ رہا ہوں تو یقین رکھو، میں سارہ کو گھر لے آؤں گا، شیث کیسے روک سکتا ہے مجھے؟''

''میں بھی آپ کے ساتھ اس کو لینے جاؤں گی''۔

''ہرگز نہیں، تم پہلے یہاں سے نکلنے کے لیے اپنا بی پی نارمل کرو، گھر میں سب منتظر ہیں، ہماری وجہ سے گھر کی تقریب خراب نہیں ہونی چاہیئے، ورنہ عاطف کیا سوچے گا، وہ خود سب کچھ چھوڑ کر یہاں ہاسپٹل آ گیا ہے، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، تمہیں گھر پر چھوڑ کر سارہ کو لینے جاؤں گا، مگر تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، ابھی ڈاکٹر چیک اپ کے لیے آنے والے ہیں''۔ سدرہ کا ہاتھ پکڑے وہ سمجھانے والے انداز میں بول رہے تھے جبکہ سانس روکے کھڑی مومو نے ایک گہری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پُرسکون سانس بھری تھی۔

☆............☆............☆

رات کے دس بج چکے تھے، جب وہ کھانے کی ٹرے اُٹھائے کمرے میں داخل ہوا تھا، زخمی شیرنی کی طرح وہ خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جو ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھتا اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''ہاتھ منہ دھو کر آؤ اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ''۔ شیث نے کہا تھا جواباً وہ بس لب بھینچے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جو کہا ہے وہ کرو''۔ اس کی ڈھٹائی پر شیث نے خود اس کا ہاتھ پکڑ کے اُٹھانا چاہا تھا مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹک گئی تھی۔

''ہاتھ مت لگانا مجھے''۔ وہ غرائی تھی جبکہ شیث کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔

''میں تمہارے لیے نامحرم نہیں ہوں، اغواء کر کے تمہیں یہاں نہیں لایا ہوں''۔ بمشکل ضبط کیے وہ بولا تھا، اس وقت وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ کسی طرح کھانا کھائے، اس کی طبیعت پہلے ہی ناساز تھی وہ جانتا تھا اور یہ بھی کہ اس نے پانی کا ایک گھونٹ بھی اب تک نہیں لیا تھا۔

''تم مجھے یہاں زبردستی لائے ہو، تم کھانے کی بات کر رہے ہو، میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی، اب کرو جبر، مجبور کرو نوالے نگلنے پر''۔ وہ شدید غصے میں اس پر چیخی تھی۔

''میری زندگی، میری سانسیں تک تمہارے اختیار میں ہیں، میں کیا جبر کروں گا تم پر، جبر تو میں اب تک خود پر کر رہا ہوں''۔ بلند آواز میں بولتا وہ سُلگ اُٹھا تھا۔

''تم سب کی انا، تم سب کی مرضی اور اُصولوں پر صبر کے ساتھ سر جھکا کر میں خود پر جبر کرتا رہا ہوں، گنوا دیئے میں نے اپنی زندگی کے قیمتی دن، بے شمار لمحے، سب کچھ ٹھیک رکھنے کے لیے، سب کو راضی رکھنے کے لیے بنا رہا ایک ڈمی، اشاروں کا منتظر، دنیا کی ایسی کون سی طاقت ہے جو میرے نقصان کو پورا کرے گی؟ کون دے گا ان لمحوں کا حساب جو گم ہو گئے، بھینٹ چڑھ گئے''۔ جھلتے لہجے میں وہ بولا تھا اور اگلے ہی پل جارحانہ قدموں کے ساتھ کمرے سے نکل گیا تھا، چند لمحوں تک وہ ادھ کھلے دروازے کو دیکھتی رہی تھی اور اگلے ہی پل رگوں میں اُبلتے خون کے ساتھ بیڈ سے اُٹھ گئی تھی، وال کلاک پر نظر ڈالتی وہ جن تیوروں کے ساتھ کمرے سے نکلی تھی، ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا صبر وضبط حد سے تجاوز کر چکا ہے، ہال میں ہی اسے گلاس وال کے دوسری جانب ٹیرس پر وہ موجود نظر آیا تھا۔

''مجھے آپی سے بات کرنی ہے، ان سے بات کیے بغیر نہ میں خود سکون سے بیٹھوں گی نہ تمہیں چین سے رہنے دوں گی''۔ وہ بھڑکتے لہجے میں مطالبہ کر رہی تھی۔

''جس سے بھی بات کرنی ہے صبح کر لینا، اس وقت بہتر ہے کہ اپنے کمرے میں جاؤ اور وہیں تک محدود رہو''۔ پیشانی پر بل ڈالے وہ تاکید کر رہا تھا۔

''شیث! مجھے ایسا کچھ کرنے پر مجبور مت کرو، جو میں کرنا نہیں چاہتی''۔

''تم کیا کر سکتی ہو، میں دیکھنا چاہتا ہوں، مجھے تمہاری ان دھمکیوں کی پرواہ نہیں ہے''۔ شیث کی بات ادھوری رہ گئی تھی، جب وہ یکدم پلٹ کر ٹیرس سے نکلتی اس کمرے تک گئی تھی، جہاں صرف ایک میٹرس پڑا تھا، اس کی عقابی نظریں میٹرس پر رکھے شیث کے سیل فون تک پہنچ گئی تھیں، سارہ نے اگر برق رفتاری دکھائی تھی تو پیچھے وہ بھی نہیں رہا تھا، عقب سے وہ اس کا ہاتھ گرفت میں لے چکا تھا، جس میں سیل فون موجود تھا، اس کی مزاحمت کو خاطر میں لائے بغیر وہ ایک ہی جھٹکے میں سیل اس سے لے چکا تھا، لڑکھڑا کر سنبھلتی وہ اپنی جگہ ساکت ہوئی تھی کہ شیث نے سیل فون دیوار کی طرف پھینک کر اس کے پرخچے اُڑا دیئے تھے۔

''تم نہ مجھے جینے دو گی نہ مرنے دوں گی، اگر تم اپنی ضد نہیں چھوڑ سکتی ہو تو اب میں بھی تمہارے لیے کوئی لچک نہیں رکھوں گا، سنا تم نے؟'' اس کے شعلہ بار لہجے نے سارہ کو ایک پل کے لیے سن کیا تھا اور اگلے ہی پل وہ دنگ ہوا تھا جب اس نے سارہ کو اندھا دھند کمرے سے نکلتا دیکھا تھا، پھولی سانسوں کے درمیان اس نے عجلت میں گیٹ کھول کر ایک قدم ہی باہر نکالا تھا، جب وہ ایک جھٹکے میں اسے واپس اندر کھینچتا پیچھے کر گیا تھا، چکنے فرش پر منہ کے بل گرتی وہ پھسلتی گئی تھی، اس کے حلق سے بلند ہوتیں کربناک چیخوں پر شیث سرعت سے اس تک پہنچا تھا، اس کے خون میں لت پت چہرے نے شیث کے ہوش اُڑا دیئے تھے۔

''دور رہو مجھ سے''۔ اس کے ہاتھ جھٹکتی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اگلے ہی لمحے چہرہ ہاتھوں میں چھپائے چیخ چیخ کر رونا شروع کر چکی تھی۔

''سارہ! تم میری بات سنو''۔

''نہیں سننا کچھ بھی، تم نے مجھے دھکا دیا، قبر میں مجھے پھینکا ہے، قتل کیا ہے، تم شیث نہیں ہو سکتے، کوئی اور ہو''۔ ہذیانی انداز میں اس کا گریبان جھنجھوڑتی، چلاتی وہ کچھ بھی سننے کے لیے راضی نہیں تھی۔

''ہوش میں آؤ سارہ!'' اس کا چہرہ ہاتھوں میں جکڑے وہ بلند آواز میں بولا تھا، لیکن اگر سارہ کی چیخیں بند ہوئی تھیں، تو اس کی بلند آواز پر نہیں، رُکی ہوئی سانسوں کے ساتھ اس نے سارہ کے خون آلود ہوتے نقوش کو دیکھا تھا اور پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں کھلے دروازے کی سمت۔

دہلیز پر رُکے وہ دنگ نظروں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے، ان کے عقب میں ہی موجود شان حق دق تھا، سناٹے میں گھرا وہ سارہ سے دور ہونا چاہتا تھا، جب وہ خود اس کے ہاتھوں سے اپنا چہرہ آزاد کرواتی تیر کی طرح شمس کی سمت بھاگی تھی۔

شیث کے حواس مختل اور چہرے کا رنگ سفید ہو چکا تھا، شمس کے سینے سے لگی وہ زاروقطار رو رہی تھی، اس صورتحال نے شمس کا دماغ بھی ماؤف کر ڈالا تھا، شیث نے چاہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ پورا اس میں دفن ہو جائے، اس لمحے جب شمس کی نظریں اس کے بے ترتیب کھلے گریبان سے پھسلتیں اس کے پیروں کے پاس گرے سارہ کے دوپٹے تک آئی تھیں، شان کچھ کہہ رہا تھا، جو وہ ہوش میں آتے سارہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے، اس کی ناک اور ہونٹوں سے بہتے خون نے ان کے گریبان کو بھی رنگ دیا تھا، اس کا ہاتھ پکڑے وہ کچن میں ہی لے گئے تھے جبکہ ان کے پیچھے جاتے شان نے ایک نظر اسے دیکھا تھا جو نظر ملانے کے قابل نہ رہا تھا۔

ٹھنڈے پانی کے بے دریغ استعمال کے بعد خون رُکا تھا، اس کی حالت کچھ سنبھلی تو شمس کی جان میں جان آئی تھی۔

کچن سے باہر آتے وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے جس کی نظریں ہی نہیں، سر بھی جھکا ہوا تھا، وہ اپنی جگہ ساکت وجامد تھا، اس کے قریب آ کر شمس نے نیچے پڑا دوپٹہ اُٹھایا تھا اور خاموشی سے پلٹ کر واپس کچن میں چلے گئے تھے۔ انہوں نے سدرہ سے جھوٹا وعدہ نہیں کیا تھا، عاشر کی آمد ہاسپٹل میں نہ ہوتی، براہ راست اختلاف پر بات نہ ہوتی، تب بھی وہ سارہ کو گھر واپس لے جانے کے لیے آتے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ زیادتی ان کی طرف سے ہی ہوئی ہے اور یہ بھی کہ انہوں نے جو کیا وہ غلط تھا، وہ سچ کو بدل نہیں سکتے تھے مگر جھک سکتے تھے، اور انہوں نے یہی کیا تھا، سدرہ کو گھر ڈراپ کر کے وہ سیدھا یہیں آئے تھے۔

''اسے گھر لے جاؤ، سدرہ انتظار کر رہی ہوگی، میں کچھ دیر میں آتا ہوں''۔ شمس کی ہدایت پر شان نڈھال سی سارہ کو ساتھ لیے باہر نکل گیا تھا، جبکہ شمس اس کے مقابل آ رُکے تھے جو اسی طرح نظر جھکائے ساکت تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا ہو رہا تھا یہاں؟ کیا کر رہے تھے تم اس کے ساتھ؟" جس لہجے میں انہوں نے سوال کیے تھے، شیث کو ان کی طرف دیکھنا پڑا تھا۔

"آپ جانتے ہیں کہ آپ مجھ سے کیا سوال کر رہے ہیں؟"

"اور تم جانتے ہو کہ تم کیا کر رہے تھے؟" شمس نے درمیان میں کہا تھا۔

"جو کچھ میں دیکھ چکا ہوں اس کے بعد کوئی اور سوال کرنے کی کسر چھوڑی ہے تم نے؟" وہ غصیلے لہجے میں بولے تھے۔

"بتاؤ مجھے کیا تم نے اس پر ہاتھ اُٹھایا ہے؟"

"میں اس وقت آپ کے گھر میں نہیں ہوں، عورت پر ہاتھ اُٹھانے کا رواج تو آپ کے گھر میں ہے"۔

"جتنی بکواس کرنی ہے بعد میں کرنا، میں سنوں گا، کیونکہ میں نے خود اپنے آپ کو سب کی نظروں میں گرایا ہے، میں نے تم سب کی زندگی کو درہم برہم کیا ہے، مگر ابھی مجھے یہ بتاؤ کہ کیا جواب دوں گا جا کر اس کی بہن کو؟ کیا حالت ہو رہی تھی اس کی، میں ہل گیا تھا اسے دیکھ کر"۔ وہ شدید طیش میں اسے دیکھ رہے تھے۔

"میں نے اسے کسی غلط نیت سے ہاتھ نہیں لگایا، میں صرف اسے باہر جانے سے روک رہا تھا، آپ اس سے تصدیق کر لیتے"۔ شیث کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

"روک رہے تھے، اس طرح؟" اس کے کھلے گریبان کو چٹکی میں جھٹکتے وہ غرائے تھے۔

"اس کی گردن پکڑتے ہوئے، اس کے ساتھ زبردستی کرتے ہوئے، کیسے بھول گئے تم کہ یہ جو سانسیں لے رہے ہو یہ اسی کی بدولت ہیں، اس پر چلاّتے ہوئے تم یہ کیسے بھول گئے کہ تم اس کے سامنے سر اُٹھانے کے قابل بھی نہیں ہو، کہاں اُتار کر پھینکا ہے تم نے اس کے احسانوں کا بوجھ اپنے کندھوں سے؟"

"اسے ذلت دے کر اپنے گھر سے نکالتے ہوئے جب آپ سب کچھ بھول گئے، تو میں کیوں سب یاد رکھوں؟" شیث کا لہجہ تلخ تھا۔

"اس لیے کہ تمہاری زندگی پر اس کا جتنا زیادہ حق ہے، تمہارا اپنا بھی نہیں ہے"۔ ان کے سخت لہجے پر وہ بس ان کی شعلہ بار نظروں میں دیکھ رہا تھا۔

"اور میں کچھ نہیں بھولا ہوں، مجھے یاد ہے، میں نے کیا کچھ کیا ہے، میں سب کے سامنے معافی مانگوں گا، تمہارے سامنے سارہ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گا، مگر تم میرے ساتھ واپس گھر چلو"۔ اس کی جانب دیکھے بغیر وہ بولے تھے۔

"میں یہ کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ آپ کسی کے سامنے ہاتھ جوڑیں، کسی کے سامنے آپ کا سر جھک جائے، میں آپ کے لیے کسی کے بھی پیروں میں گر سکتا ہوں، مگر آپ کو کسی انسان کے سامنے جھکتے نہیں دیکھ سکتا، میری ذات آپ کے لیے تذلیل کا باعث بنتی ہے، تو اس کی سزا بھی مجھے دیں، آپ کو بہت پہلے اپنی زندگی سے مجھے الگ کر دینا چاہیئے تھا، اگر آپ ایسا کر لیتے تو آج میں اللہ سے یہ دعا نہ کر رہا ہوتا کہ میرے ماں باپ مجھے بھی اپنے ساتھ اس دنیا سے لے جاتے، میرا بوجھ آپ کے کندھوں پر ڈال کر نہ جاتے"۔ وہ لرزتے لہجے میں بولا تھا، اس کے چہرے پر پھیلے کربناک سائے اور سرخ آنکھوں نے شمس کا دل مٹھی میں جکڑا تھا، بے اختیار وہ اسے اپنے سینے سے لگا چکے تھے، جلتے انگاروں پر جیسے چھینٹے پڑ گئے تھے۔

"تمہیں خود سے جدا میں کیسے کر سکتا ہوں، تم میرے وجود کا حصہ ہو، تمہارے بغیر میرا گھر، میری دنیا، میری خوشیاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب کچھ ادھورا ہے، بے معنی ہے، اپنی انا، اپنے اشتعال میں تمہیں اذیت پہنچا کر، سارہ کو تکلیف دے کر میں نے تم دونوں پر نہیں خود پر ظلم کیا ہے، میں نے بھائی ہونے کا حق تک ادا نہیں کیا"۔ وہ شدید اذیت سے بولے تھے۔

"ایسا مت کہیں، آپ نے ہی تو سارے حق ادا کیے ہیں، آپ کے علاوہ کون ہے جو میرے لیے اپنی اولاد کو بھی نظر انداز کر سکتا ہے؟"

"تو پھر کیوں گئے گھر چھوڑ کر؟ سارہ کو بھی ساتھ لے گئے، قبرستان بنا گئے، اس گھر کو، تم نے مجھے تھوڑا سا وقت بھی نہیں دیا"۔ نم آنکھوں سے شمس نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"آپ اس وقت میری جان لے لیتے میں اُف بھی نہیں کرتا، مگر وہاں بات حق کی تھی، میری وجہ سے سارہ کی تذلیل ہو یہ ناقابلِ برداشت تھا، میں مانتا ہوں، میں نے آپ کو دکھ دیا، آپ سے گستاخی کی، آپ کے دل کو ٹھیس پہنچائی، آپ مجھے معاف کر دیں، جو سزا دینی ہے دیں مگر مجھے معاف کر دیں ورنہ مجھے اللہ سے بھی معافی نہیں ملے گی"۔

"سارے بگاڑ میرے پیدا کردہ ہیں، اللہ تم سے ناراض نہیں ہے، آج تم نے جو کیا درست کیا اور مجھے احساس دلایا کہ میں بھی سر اٹھا کر ہر سچ کو بیان کر سکتا ہوں، تمہاری ذات، تمہارا آج اور کل میرے لیے پہلے سے زیادہ قابلِ فخر ہے، مجھے فخر ہے کہ تم میرے بھائی ہو"۔ پُر شفقت نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے شمس نے ایک بار پھر اسے گلے لگایا تھا۔

"پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس، اپنا حلیہ درست کر کے آؤ، میں انتظار کر رہا ہوں"۔ شمس کی ہدایت پر اس نے عمل نہیں کیا تھا، کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے مگر پھر نظر جھکا لی تھی۔

"کچھ کہنا ہے تمہیں؟" اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار شمس کو چونکا گئے تھے جواباً شیث نے ایک پل کو رُک کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"خاموش مت رہو، جو کہنا ہے کہہ دو"۔ شمس نے اُلجھ کر اسے دیکھا تھا۔

"آپ انکار تو نہیں کریں گے؟"

"سمجھو، میں نے تمہاری بات مان لی ہے، اب بتاؤ کیا منوانا ہے؟" ان کی یقین دہانی پر شیث نے انہیں دیکھا تھا۔

"میری طرف قدم بڑھانے کے لیے بھی اسے آپ کی اجازت کی ضرورت ہے، میں چاہتا ہوں آپ اپنی اجازت سے اسے میرے حوالے کریں، تین دن کے اندر"۔ نظر جھکائے اس نے جو مطالبہ کیا وہ شمس کو دنگ کر گیا تھا۔

"صرف تین دن، شیث! تم ٹھیک ہو؟"

"آپ پہلے ہی میری یہ بات مان چکے ہیں"۔ شیث نے یاد دلایا تھا۔

"یہ گھر واپس جانے کے لیے تمہاری شرط ہے؟" شمس نے بغور اسے دیکھا تھا جو ایک چور نگاہ ان پر ڈالتا خاموشی سے ان کے سامنے سے ہٹ گیا تھا، مبہم سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اسے دیکھ کر رہ گئے تھے۔

☆............☆............☆

شدید بے چینی کے ساتھ وہ موموکی واپسی کا انتظار کر رہی تھی، اتنا سب کچھ گھر کے اندر ہو چکا تھا اور وہ بے خبر تھی، سارہ کی غیر موجودگی نے پہلے ہی حواس گم کر رکھے تھے، مومو سے سب کچھ معلوم ہونے پر وہ اور گھبراہٹ میں مبتلا ہو گئی تھی، سارہ پر جانے کیا گزرتی رہی ہو گی اور وہ ولیمے کی تقریب میں سب کے درمیان بیٹھی رہی، جس کی وجہ سے آج وہ اس گھر میں سب کی توجہ کا مرکز ہے، اس کے لیے ہی اس گھر میں جگہ تنگ ہو گئی ہے، مومو کو گئے کافی دیر ہو چکی تھی، اس کا بڑھتا اضطراب مجبور کر رہا تھا کہ وہ ساری شرم و حیا ایک طرف رکھ کر خود باہر جائے۔ دروازے کی سمت قدم بڑھاتی وہ یکدم رُکی تھی، اندر داخل ہوتے عاطف نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"زینب! کیا ہوا ہے تمہیں؟" وہ پریشان ہوتا اس کی طرف آیا تھا، جس کی آنکھیں عاطف کو دیکھتے ہی مزید آنسوؤں سے لبالب ہوئی تھیں۔

"کسی نے کچھ کہا تم سے، مجھے بتاؤ کس بات نے تکلیف پہنچائی ہے تمہیں؟" اس کی خاموشی نے عاطف کو مزید پریشان کیا تھا۔

"کیا تم سارہ کے لیے پریشان ہو؟" عاطف کے سوال پر اس بار زینب نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"کل سے اب تک مجھے تم سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا اور میں یہ سمجھا کہ تم میرے لیے آنسو بہا رہی ہو۔" عاطف کے خشمگیں لہجے پر وہ بس سر جھکائے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"سارہ کی .. موجودگی میں تم یہاں خود کو تنہا محسوس کر رہی ہو؟" عاطف کے سوال پر بھی وہ اس کی جانب نہیں دیکھ سکی تھی۔

"اتنے مختصر وقت میں تم میرے اتنے قریب آ گئی ہو کہ میں اپنی ہر سانس کے ساتھ تمہاری سانسیں بھی محسوس کر رہا ہوں، اور تم ہو کہ مجھے محسوس کرنا ہی نہیں چاہتی ہو۔" اس کے پُرشکوہ لہجے نے زینب کا رنگ اُڑا دیا تھا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" کچھ سہمے انداز میں زینب نے الجھی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہاری یہی بات مجھے اچھی لگتی ہے، بغیر کسی لمبی چوڑی وضاحت کے تمہیں کوئی بات سمجھ ہی نہیں آتی۔" مسکراتی نظروں سے عاطف نے اس کی حیران آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"سارہ کہاں ہے؟" وہ پھنسی پھنسی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"فکر مت کرو، وہ گھر واپس آ چکی ہے، یہ اس کا گھر ہے وہ یہاں سے کہاں جائے گی؟" اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے وہ تسلی دے رہا تھا۔

"میں سارہ کے پاس چلی جاؤں؟"

"مجھے کس کے سہارے چھوڑ کر جاؤ گی؟" وہ زچ ہوا تھا۔

"بس تھوڑی دیر کے لیے۔" التجائی نظروں سے زینب نے اسے دیکھا تھا۔

"سارہ خیریت سے ہے، صبح اس سے ملنا، ابھی تم مجھ پر توجہ دو، کیا یہ بہتر نہیں؟" خشمگیں نظروں سے عاطف نے اس کے اُترے چہرے کو دیکھا تھا اور پھر کچھ چونک کر سیل فون پر آتی کال ریسیو کی تھی۔

"شیث آ گیا ہے، کب....؟" دوسری طرف سے کچھ سننے کے بعد عاطف نے کہا تھا اور پھر لائن ڈسکنیکٹ کرتے ہوئے زینب کو دیکھا تھا۔

"زینب! میں کچھ دیر میں آتا ہوں، تم چینج کر کے آرام کرو، مومو کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔" عجلت میں اسے مخاطب کرتا وہ دروازے کی سمت گیا تھا، جبکہ زینب لق دق کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆.........☆.........☆

تیز قدموں کے ساتھ برآمدے کی سمت بڑھتی وہ خونخوار نظروں سے قریب آتی بائیک کو دیکھتی برآمدے کے اسٹیپس پر ہی رُک گئی تھی۔ شان کے ساتھ رومیصہ کو دیکھ کر وہ حقیقتاً انگاروں پر لوٹ گئی تھی، جبکہ رومیصہ بڑے اطمینان سے شاپر ہاتھ میں پکڑے اس کی طرف آئی تھی۔

"تین دن کے الٹی میٹم نے سب کو گھن چکر بنا دیا ہے، بھابی نے اتنی لمبی لسٹ شان کو تھما دی تھی، اب میں اس کے ساتھ نہیں جاتی تو کون جاتا؟ تم تو مصروف تھیں۔" رومیصہ بڑی نخوت سے بولی تھی۔

"میں مصروف تھی اور تم آ گئیں نمبر بڑھانے، سارے ڈرامے سمجھ آ رہے ہیں۔" مومو نے دانت پیس کر اسے دیکھا تھا۔

"مجھے کوئی ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں تو جو کام کرتی ہوں ڈنکے کی چوٹ پر کرتی ہوں۔" رومیصہ سر جھٹک کر بولتی گھر کے اندر چلی گئی تھی جبکہ مومو مکمل کر شان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"بالکل مر گئے، فریفتہ ہو گئے اس پنک پینتھرنی پر، میری اس چڑیل سے کبھی نہیں بن سکتی، یہ اگر گھر میں آئی تو تم بھائیوں کے گریبان آپس میں پکڑوا دوں گی۔"

"جتنے واویلے کرنے ہیں کر لو، جس شخص کی طرف اشارہ کرو گی، میں خود اس کا گریبان پکڑوں گا مگر میری شادی رومیصہ سے ہی ہو گی، اگر میری شادی اس سے نہیں ہوئی تو میں تمہیں بھی کسی کا نہیں ہونے دوں گا۔" شان بے طرح جذباتی ہوا تھا۔

"تیرے منہ میں خاک، پہلے ہی میں ہوا میں لٹکی ہوئی ہوں، ریٹائر ہو جائے گا میرے ہاتھوں آج۔" اس کا کالر جھپٹ کر مومو نے کرارا ہاتھ بھی برسایا تھا۔

"اس کو چھوڑ دوں گا، تو کس سے شادی کروں گا، گھر سے اکیڈمی تک میں اس کے ساتھ بدنام ہو چکا ہوں، کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا، کون دے گا مجھے اپنی بیٹی؟"

"تو کس نے کہا تھا اپنے ہی گھر کی لڑکی کے پیچھے لفٹ میں گھسنے کے لیے؟" مومو نے ایک اور ہاتھ برسایا تھا۔

"رومیصہ کو اپنی بہن بنا لو، میں لڑکی ڈھونڈ کر دوں گی۔"

"پھر تو دولوں گا۔" وہ فوراً بولا تھا اور اگلے ہی پل ہنستے ہوئے اس سے دور ہوا تھا جو دانت پیستی اسے گھور رہی تھی۔

"میں کسی قیمت پر اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔" وہ پیر پٹختا قریب آیا تھا۔

"باز آ جا، بالکل اب برداشت نہیں کروں گی، یہ خون آشام بلا اس گھر میں جس دن آئی، اسی دن بلوا ڈال دوں گی، فرق کرنا مشکل ہو جائے گا، دنگل ہو رہا ہے یا گھمسان کا رن پڑا ہے۔"

"اگر تم نے میرے راستے میں آنے کی کوشش کی تو میں بھی ایک ہفتے کا الٹی میٹم دے کر بھوک ہڑتال پر چلا جاؤں گا، پھر جس طرح عاطف بھائی نے واصف بھائی کو اوور ٹیک کیا ہے، میں بھی یہی کروں گا، چھوٹے بھائی تو ریس سے ہی نکل گئے ہیں۔" شان استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھتا گھر میں دوڑا تھا۔

"اور تم اس دنیا سے نکلو گے۔" مومو کی بیٹری فل چارج ہو گئی تھی۔ عجلت میں وہ دروازے کی سمت بڑھ رہا تھا، جب ایک جھٹکے سے دروازہ کھلتا اس کے چہرے سے ٹکرایا تھا، لڑکھڑا کر پیچھے ہٹتا وہ کراہ اُٹھا تھا۔

"بھئی میں تو واری صدقے ہو گئی، قطعی مرمٹی سورج مکھی کے کارناموں پر، اچانک نکاح بھی پڑھوا لیا اور اب پورے گھر میں ریڈ الرٹ کروا دیا، دنیا جائے جہنم میں، بھیا انہوں نے اپنی گوٹ وقت سے پہلے نکال لی۔" ناک سہلاتے ہوئے شاہ رخ حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا جو پُرجوش انداز میں قصیدے پڑھ رہی تھی۔

"اور سب چھوڑو اسے دیکھو، وہ جو ابھی ابھی اُگا ہے زمین سے، زمانے بھر میں اپنی محبت کے ڈنکے بجاتا پھر رہا ہے، رومیصہ نے اسی ڈنکے پر اسے بجا بجا کر قیمہ بنانا ہے کیکر کا، یار! میں تو فین ہو گئی تمہارے بھائیوں کی، دلیری تو ختم ہے ان پر۔" بڑی گرمجوشی سے مبارکباد دینے والے انداز میں مومو نے اس کا ہاتھ پکڑ کے ہلایا تھا جسے یہی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ خوشی کا اظہار کر رہی ہے یا مخمل میں لپیٹ لپیٹ کر مار رہی ہے۔

"ایک منٹ، ایک منٹ۔" درمیان میں اسے روکتے ہوئے شاہ رخ نے بڑے آرام سے اس کے چہرے پر آتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تراشیدہ لٹ پیچھے سرکائی تھی۔
"ہیئر اسٹائل اچھا ہے، میرا فیورٹ"۔ وہ اس پر نثار ہوا تھا جو خونخوار نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔
"میرے بھائیوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے، اب میرے بارے میں بھی تو کچھ کہو"۔ وہ بولا تھا اور اگلے ہی پل بھونچکا کر رہ گیا تھا جب مومو نے کلس کر اس کا کالر دبوچا تھا۔
"گھنے کوئی گناہ کر رکھے ہوں گے میں نے جو تم جیسے رینگتے، سستی مارے کچھوے کے انتظار میں سر پھوڑ رہی ہوں"۔ اس کا کالر جھٹکتی وہ غرائی تھی۔
"کان کھول کر سن لو، میں تم سے اپنا رشتہ ختم کر کے جا رہی ہوں"۔
"کیا بول رہی ہو، میں مر جاؤں گا تمہارے بغیر"۔ شاہ رخ کے ہوش اُڑے تھے۔
"میں نے بھی کون سا تمہیں زندہ چھوڑنا ہے، طمنچے کے سارے تیر تمہارے سینے میں نہ اُتارے تو میرا نام بھی مومنہ نہیں"۔ وہ پھر اس پر چڑھ دوڑی تھی۔
"یہ طمنچے کون بنا رہا ہے، جس میں سے تیر نکل رہے ہیں؟" اس کے تڑتڑ پڑتے ہاتھ قبضے میں لیتا وہ دنگ ہوا تھا۔
"میرے ہاتھ چھوڑ دو ورنہ چھے کی جگہ سات بھائی ہو جائیں گے میرے"۔ وہ غرائی تھی۔
"بکو مت، لگاؤں گا ایک تھپڑ، بھول جاؤ گی ساری طراری"۔ اس کی کلائیاں جھٹکتا وہ بُری طرح اسے گھرک گیا تھا۔
"ہوش میں ہو یا بالکل ہی ہو گئے قطعی گون سروس؟" مومو نے حیرت کے ساتھ مشکوک نظروں سے بھی اسے دیکھا تھا۔
"تم مجھے یہ بتاؤ، اگر چھوٹے بھائی تیز گام میں سوار ہو گئے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے، شان جلتے توے پر کھڑا ہے تو میری کیا غلطی ہے؟" زچ ہو کر شاہ رخ بولا تھا۔
"اتنا ظلم کرتی ہو یار! تم اپنے ہاتھوں پر، یہ تشدد کے لیے نہیں چومنے کے لائق ہیں"۔ اس کے ہاتھ اپنی گرفت میں پکڑے وہ تاسف سے بولا تھا۔
"زبان کاٹ کر چیل کوؤں کو کھلا دوں گی"۔ مومو نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وارن کیا تھا۔
"اپنے ہاتھوں سے تم مجھے کوٹ کر رکھ دینا، مگر مجھ سے الگ ہونے کی بات مت کرنا"۔ اسے قریب کرتے ہوئے وہ بے چارگی سے بولا تھا۔
"تو میں اور کیا کروں، کبھی میرے بھائی درمیان میں آ جاتے ہیں اور کبھی تمہارے"۔ چہرہ پھلائے وہ شکایت کر رہی تھی۔
"فکر مت کرو اب کوئی ظالم سماج درمیان میں نہیں آئے گا، میں اسی ڈیٹ پر تمہیں لینے آؤں گا، جو فکس ہوئی ہے، ورنہ میں بیٹھنے والا تھا اتنے اطمینان سے؟"
"تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں آ جاؤں گی؟" مومو نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
"میں سچ کہہ رہا ہوں، شادی کے کارڈز آ چکے ہیں، دنیا اِدھر سے اُدھر ہو سکتی ہے مگر ہماری شادی نہیں، ٹھہرو میں تمہیں وہ کارڈز دکھاتا ہوں"۔ اس کی بے یقینی نے شاہ رخ کو جذباتی کیا تھا، مشکوک نظروں سے ہی وہ اسے دیکھ رہی تھی جو کارڈز کے بنڈل میں سے ایک کارڈ نکال رہا تھا۔
"پہلے کیوں نہیں بتایا؟" جھڑکتے ہوئے مومو نے اس سے کارڈ لیا تھا، خوبصورت سے کارڈ پر اپنے اور شاہ رخ کے

جگمگاتے نام دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اُٹھا تھا۔
"اب یقین آیا، جلد بدیر تم نے میرے ہی نصیب پھوڑنے ہیں"۔ مسکراتے ہوئے شاہ رخ نے اس کے چہرے پر بکھرے رنگوں کو دیکھا تھا جو کارڈ کے پیچھے چہرہ چھپا گئی تھی۔
"چلتی پھرتی قیامت ہو تم، اب شرمانے کی کوشش کر کے مزید میرے دل پر قیامت مت ڈھاؤ"۔ کارڈ اس کے چہرے سے الگ ہٹاتے ہوئے شاہ رخ نے وارفتہ نگاہوں سے اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھا تھا، جو بے ساختہ ہنسی تھی۔

☆............☆............☆

آئینے میں اپنا عکس دیکھتی وہ خود کو پہچان نہیں سکی تھی، یقین کرنا مشکل تھا کہ جو کچھ ہو چکا ہے وہ خواب تھا یا پھر وہ جو ہونے جا رہا ہے، سدرہ کے دباؤ میں آ کر نہ صرف اسے ایک طرف بیٹھنا پڑا تھا، بلکہ اُبٹن وغیرہ سے بھی فیض یاب ہونا پڑا تھا، اتنے کم وقت میں سدرہ جو کچھ کر سکتی تھیں کر رہی تھیں اور وہ خود جیسے کسی ٹرانس میں قید تھی، وہ کمرے تک محدود تھی مگر اندازہ تھا کہ باہر کیسا بھونچال آیا ہوا ہے، وجہ جانتی تھی اس لیے سب کے سامنے شرمندگی محسوس کر رہی تھی، کچھ چونک کر آئینے کے سامنے سے ہٹتی وہ تیزی سے دروازے کی سمت گئی تھی، عقب سے اُبھرتی مدھم پکار وہ نظر انداز کر دینا چاہتا تھا مگر یہ ہو نہ سکا، قدم خود بخود رُکے تھے، پلٹ کر اس نے سارہ کو دیکھا تھا، زرد باریک دوپٹے کے ہالے میں اس کا سوگوار چہرہ ایک پل کے لیے سب کچھ بھلا گیا تھا، سفید کلیوں کے آویزوں اور زرد پھولوں کے کنگن میں مہکتی وہ دل کو پگھلا گئی تھی، مگر یہ بس چند لمحوں کے لیے ہی ہوا تھا، تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا جو کچھ فاصلے پر آ رُکی تھی۔
"اگر تمہاری وجہ سے سب مجبور ہوئے ہیں تو یہ میرے لیے بہت شرم کا مقام ہے"۔ اس کے مدھم لہجے پر شیث کا دل ہی نہیں آنکھیں بھی سُلگ اُٹھی تھیں۔
"جو ہمیشہ سب کے سامنے مجبور رہا ہے، وہ کیا کسی کو مجبور کرے گا؟" وہ تلخ لہجے میں بولا تھا۔
"یہ بات تمہیں اس سے پوچھنی چاہیئے تھی جو تمہارے الزامات سہتا زمین میں دفن ہو چکا ہے، میں وہ نہیں ہوں جس کے لہو کا ایک قطرہ بھی تم زمین پر گرتے نہیں دیکھ سکتی تھیں، اس وقت تمہارے سامنے وہ ہے، جس نے تمہیں چوٹ پہنچائی، جبر کیا تم پر، اپنے حق کا تم سے مطالبہ کیا، وہی جسے تم نہیں پہچانتیں"۔ اس کے سُلگتے تلخ لہجے نے سارہ کا چہرہ بھی اس کے لباس کی طرح زرد کر دیا تھا۔
"تمہیں جن کی اجازت درکار تھی اگر انہوں نے میری بات مان کر اجازت دی ہے، تو صرف اس لیے کہ وہ تمہاری طرح مجھے بار بار موت کی اذیت سے متعارف نہیں کروا سکتے تھے، تم جو کچھ، جس طرح چاہتی ہو، سب اسی طرح ملے گا تمہیں، ہر وہ اعزاز بھی جس کی تم مستحق ہو، لیکن اگر یہ عجلت تمہیں ناگوار گزر رہی ہے تو پھر کوئی الزام اُٹھا کر سب کچھ روک دو، مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیونکہ خوش تو میں اب بھی نہیں ہوں"۔ اس کے بھینچے دہکتے لہجے نے سارہ کا دل مٹھی میں جکڑا تھا، جھلستی نظریں اس کی آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے ہٹاتا وہ سرعت سے اسٹیئرز کے اسٹیپس طے کرتا نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

☆............☆............☆

کانوں سے جھمکیاں اُتارتی وہ چونک کر کھلتے دروازے کی طرف متو
سرعت سے بیڈ پر پڑا دوپٹہ اُٹھانے بڑھی تھی، ہاف سلیو[illegible] اس کے ہاتھ

تھی اور اگلے ہی پل جھینپے انداز میں
غ نمایاں کر رکھے تھے، جنہیں وہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے بھی چھپانا چاہتی تھی، جو بغور اسے دیکھتا قریب آ رہا تھا۔

"فرصت مل گئی آپ کو اپنی بیسٹ فرینڈ سے؟" مسکراتی نظروں سے عاطف نے اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھا تھا۔

"خوش ہو سارہ کے لیے؟"

"بہت زیادہ، میں چاہتی ہوں اسے بہت ساری خوشیاں ملیں"۔ بلا جھجک بولتی وہ اپنی خوشی کا اظہار کر گئی تھی۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کیونکہ اس کی وجہ سے ہی تم میرے پاس ہو"۔ عاطف کے مدھم لہجے پر وہ نظر جھکا گئی تھی۔

"ایک بات کہوں تم سے؟" اس کے سوال پر زینب نے اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں مجھ سے وہ داغ چھپانے کی ضرورت نہیں ہے، جو مجھے دکھائی نہیں دیتے، اور عنقریب تمہیں بھی دکھائی نہیں دیں گے، میرا یقین کرو، ہر زخم، ہر داغ مندمل ہو جائے گا، تمہاری ہر تکلیف دور کرنے کے لیے میری محبت ہی کافی ہے، وہی محبت جو تمہیں محسوس نہیں ہوتی"۔ اس کی جھکی پلکوں پر نظر جمائے وہ بولا تھا اور پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے چھوا تھا، محبت سے لبریز یہ لمس زینب کے وجود میں سرائیت کرتا انگ انگ مہکا گیا تھا، وہ نظر نہیں اُٹھا سکی تھی۔

"کیا تمہارے دل میں اب بھی مجھے دوبارہ وہ مقام نہیں ملے گا جو پہلے تھا، کیا اب بھی تمہیں میری آنکھوں میں محبت کی رمق تک نظر نہیں آتی؟" اس کے گھمبیر لہجے نے زینب کو بے چین کر دیا تھا۔

"آپ نے ہی تو مجھے محبت سے روشناس کیا ہے، میرے لیے آپ محبت ہی محبت ہیں، میرے دل میں آپ کے لیے وقتی طور پر جو بدگمانی پیدا ہوئی، میں اس کے لیے آپ سے شرمندہ ہوں، آپ سے زیادہ خود سے، وہ سب کچھ جو میں نے کھو دیا تھا، آپ نے اس سے بڑھ کر مجھے دیا ہے، اتنا کہ میرا دامن تنگ ہو رہا ہے"۔ نم لہجے میں بولتی وہ اسے دنگ کر گئی تھی۔

"میرے دل میں آپ اس سے بھی اونچے مقام پر ہیں جو پہلے تھا، اس مقام کی اونچائی تک آپ کے علاوہ کوئی نہیں پہنچ سکتا"۔

"میں یہ سب جانتا ہوں، تمہیں اظہار کی ضرورت نہیں تھی، یہ ہنر تمہیں خوب آتا ہے، خاموش رہ کر سب کچھ کہہ جانا مگر پھر بھی اپنے بارے میں تم سے یہ سب سننا مجھے سرشار کر گیا ہے"۔ اس کی نم آنکھوں میں دیکھتا وہ مسکرایا تھا۔

"تمہارے دل میں جو میرا مقام ہے اس کا حق دار میرے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا، ہو بھی نہیں سکتا، ورنہ تمہیں قتل کرنا میرے لیے دشوار ضرور ہوتا مگر ناممکن نہیں"۔

"آپ مجھے قتل بھی کر سکتے ہیں؟" زینب نے شدید بے یقینی اور حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

"ہاں، مگر اس وقت تو تم یہ کام بڑی دلیری سے کر رہی ہو اور آگے بھی جانے کتنی بار کرو گی؟" اس کی گہری نظروں پر زینب کے رخسار دہک اُٹھے تھے، شرمگیں مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس نے خود کو مضبوط بانہوں کے حصار میں قید ہونے دیا تھا کہ محبت سے بھرپور یہ مہربان پناہ گاہ صرف اس کے لیے ہی تو تھی۔

☆.........☆.........☆

آج سورج اس طور سے طلوع ہوا تھا کہ اس کی کرنیں ذرے ذرے کو چمکا گئی تھیں، سڑکوں پر پھیلا سکوت ٹوٹ چکا تھا، ہر گلی، کوچے میں رونق جاگ اٹھی تھی، ہر سمت زندگی سانس لے رہی تھی، پھول آج ایک انوکھے ڈھنگ سے انگڑائی لیتے کھل اُٹھے تھے، نوخیز کلیاں سرمست مہکتی ہواؤں میں محو رقص تھیں، رب کی حمد و ثناء بیان کرتے چرند پرند بھی عطا ہوئی اس انوکھی روشن صبح کا استقبال کر رہے تھے، مگر اس چمکتی دمکتی صبح کے اسرار سمجھنے سے قاصر تھے، کھلے آسمان کی نیلگوں

وسعتوں میں پرواز بھرتے طیور کے غول جب آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے، اسی وقت زمین کے سبز قالین پر سجے بے شمار پھولوں کے کنج میں بھی ایک سفید گلاب، سرخوشی سے جھومتے سرخ گلاب پر سر جھکائے [illegible] رہا تھا۔

"صبح ایسی دلفریب ہے تو رات کا عالم کیا ہوگا؟" سرسبز و شاداب یہ وسیع و عریض خطہ [illegible] دنیا کا ہی نہیں تھا، تیز روشنیوں سے منور اس ماحول میں لاتعداد خوش رنگ پھولوں کی بہتات بصارتوں کو تراوٹ [illegible] تھی، آہستہ آہستہ چہل پہل بڑھتی جا رہی تھی، فضاء میں اُبھرتی آرکسٹرا کی مدھم لہریں جادو جگا رہی تھیں، کھنکھناتی ہنسی، جلترنگ، جاندار قہقہے، سرسراتے مہکتے آنچل، شوخ فقرے، یہاں ہر رنگ نمایاں تھا، ہر رنگ دوسرے سے جدا تھا، [illegible] ہر اس رنگ و ترنگ سے بھرپور خطے میں کوئی کمی دکھائی نہیں دیتی تھی مگر......!

"کیا واقعی یہاں سب کچھ مکمل ہے؟" زندگی نے مسکراتے ہوئے سوال اُٹھایا تھا۔

"نہیں، ہر رنگ کی اہمیت اپنی جگہ مگر چاند کی چاندنی اور سورج کے جلووں کے بغیر کائنات مکمل نہیں ہو سکتی"۔ محبت کے دیوتا نے تفاخر سے کہا تھا۔ لمحے دھیرے دھیرے سرکتے جا رہے تھے، رونق عروج پر پہنچ رہی تھی مگر پھر ساعتیں جیسے رُک سی گئی تھیں اور ہر نگاہ بھی اس جانب جہاں ہنستے مسکراتے چہروں کے جھرمٹ میں وہ جلوہ گر ہو چکی تھی، بصارتوں کو دنگ کر گئی تھی، عروسی لباس میں تمام حشر سامانیوں کے ساتھ وہ کسی اور ہی دنیا کی لگ رہی تھی، مووی اور کیمروں کی فلش لائٹس میں اس کے بے تحاشہ جھلملاتے سراپے سے نظریں ہٹانا مشکل تھا، اس قیامت ڈھاتے خیرہ کن روپ میں اسے پہچاننا بھی ناممکن تھا۔ بظاہر اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں مگر وہ اپنے اردگرد سے مکمل باخبر تھی، دل کی دھڑکنیں اس وقت بڑھ گئی تھیں جب اس نے شیث کو قریب محسوس کیا تھا، اور شیث..... اس نے دور سے سارہ کو [illegible] نظر دیکھا تھا، اس کے بعد دوبارہ دیکھنے کی تاب نہ رہی تھی، قریب آنے کے بعد بھی وہ یہ جرأت نہ کر سکا تھا۔ تیز روشنیوں میں گھرے وہ دونوں مرکزِ نگاہ بنے ہوئے تھے، دلہن کے روپ میں اگر سارہ کا حسن لاثانی تھا، تو شیث کی منفرد شخصیت اور روشن چہرے سے بھی نگاہ ہٹانا ممکن نہیں تھا۔ شمس اور سدرہ کی نگاہیں مستقل ان دونوں کا طواف کرتے نہیں تھک [illegible] رہی تھیں، کئی لوگ اس بات کے گواہ تھے کہ آج سے پہلے کبھی شمس کو اس قدر خوش باش نہیں دیکھا گیا، جبکہ سدرہ کے لیے بھی یہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی کا دن تھا۔

☆.........☆.........☆

مہکتے خوابناک ماحول میں وہ ساکت بیٹھی موم کا حسین مجسمہ ہی دکھائی دے رہی تھی۔ فینسی لائٹس اور اسٹینڈ پر روشن کینڈلز نے فضاء کو مسحور کن نکھار بخش دیا تھا، جس کے دل کے تخت پر صدیوں سے براجمان وہ حکومت کرتی رہی تھی، آج اس کے نام کی سیج پر بھی تفاخر سے بیٹھی دیدہ دل فرشِ راہ کیے ہوئے تھی، قریب آتے حسین لمحوں کا عکس اس کے ملکوتی نقوش میں دمکتا اس کے چہرے کو قیامت خیز بنا رہا تھا، مگر اس کی سجی سنوری بند آنکھوں کے پردے پر ایک کے بعد ایک گزرتے مناظر کی تھکن پھیلی تھی۔ محبت کی سڑک پر سفر کرنا آسان نہیں تھا، کتنی خندقیں، کتنے صحرا، کتنے سمندر عبور کرنا پڑے، وہ یاد نہیں کرنا چاہتی تھی مگر......!

اس کی روح تک اس سفر کے گرد و غبار میں اٹی ہوئی تھی، لق و دق صحرا کی پیاس حلق میں کانٹے اُتار رہی تھی، کنارے کی تلاش میں ڈوبتے اُبھرتے ہوئے اس کے ہاتھ شل تھے، آج بھی محبت کی اس سڑک پر وہ موجود تھی، وہی راستہ، فرق صرف اتنا تھا کہ اب منزل سامنے تھی، اتنا کہ وہ اسے ہاتھ بڑھا کر چھو سکتی تھی، کیا اب بھی منزل نہ ملتی، کیا اب بھی شاہانہ استقبال نہ ہوتا؟

اسے خود پر کوئی فخر نہیں تھا مگر یہ بھی سچ ہے کہ جو اعزاز، شان اور عزت [illegible] حاصل ہوئی ہے وہ کسی نے طشتری [illegible]

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سجا کر اسے پیش نہیں کیا تھا، محبت سانس لینے کے لیے قربانیوں کا ایندھن مانگتی ہے، زمانے لگے تھے یہ سب حاصل کرنے میں، کئی بار خود کو قبر میں اُتارنا پڑا تھا، اسے معلوم تھا کہ وہ شیث کی آخری محبت تو ہو سکتی ہے مگر پہلی نہیں، اس کی پہلی محبتوں کے حق دار وہ سب تھے، جن کی بدولت اس نے زندگی کے معرکے سر کیے، جن کی محبت کا وہ مرکز رہا ہے، جن سے اس کا خون کا رشتہ ہے، شیث سے تعلق اور محبت رکھنے والا ہر انسان روزِ اوّل سے اس کے لیے اہم رہا تھا اور ہمیشہ رہنا تھا، مگر اس نے اپنا مقام، اپنا منصب بھی نہیں چھوڑنا تھا، جو اعزاز اور محبتیں اسے ملیں، اسے معلوم تھا کہ وہ اس کی مستحق ہے اور وہ جو شکوے، شکایتیں دل میں لیے آنے والا تھا، وہ بھی تو اسے مانتا تھا، سراہتا تھا، آخر اس کے حق کا علمبردار وہی تو رہا تھا، وہی تو اس کے لیے وقت کو قریب کھینچ لایا تھا، ایک وہی تو تھا، جس کی رفاقت اور ثابت قدمی کی وجہ سے آج اسے سب کچھ حاصل ہوا تھا، گہری پُرسکون سانس لے کر اس نے آنکھیں کھولیں تو خود کو بے تحاشہ پھولوں میں گھرا پایا، یکا یک اس کے دل میں انجانا سا خوف بیدار ہوا تھا، اس کا سامنا کرنا بہت کٹھن لگ رہا تھا، بے شک اس نے تنہا صرف اپنے لیے کچھ حاصل نہیں کرنا چاہا تھا، مگر سب کو ساتھ رکھنے کی کوشش میں وہ کئی بار اس کے جذبوں کو نظر انداز کرتی، اس کی محبت سے منہ پھیرتی رہی تھی مگر اس سے دل اور دھڑکن جیسی قرابت داری رہی تھی، روح کی عمیق گہرائیوں تک وہ اس سے جڑی تھی، مہندی کے خوبصورت نقش ونگار اور چوڑیوں سے سجے ہاتھوں پر نظر جمائے وہ بالکل ساکت تھی مگر مانوس آہٹ نے اس کے دل کو پھڑ پھڑانا شروع کر دیا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی مسحور کن خوشبوؤں نے قوتِ شامہ کو بیدار کر دیا تھا، مگر ان ملی جلی خوشبوؤں میں بھی وہ اس خوشبو کو پہچان سکتا تھا جو ہر پل، ہر لمحہ اس کے ارد گرد رہتی تھی، وہ خوشبو جس سے وہ زندگی اور موت کے درمیان متعارف ہوا تھا، اس خوشبو نے اسے بتایا تھا کہ ایک عورت کی قربت کیا ہوتی ہے، اس کے لمس میں زندگی کیسی جنت جیسی ہوتی ہے، کیسا مان، سمان ہوتا ہے، وہ اس خوشبو کو جانتا تھا، یہ محبت کی وہ نایاب خوشبو تھی جو نایاب انسانوں کے حصے میں آتی ہے اور وہ ان میں سے ایک تھا، یہ خوشبو تو اس کی لوحِ محفوظ میں بھی رچی بسی تھی، وہ اس سے کیسے نا آشنا رہ سکتا تھا، وہ اپنی جگہ ساکت اور مبہوت تھا، پھولوں کے درمیان وہ سرخ گلاب جیسی ہی دکھائی دے رہی تھی، اس کا دل آنکھوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

گہری خاموشی میں وہ اپنے دل کی دھڑکنیں سن رہی تھی، نظروں کی تپش سے ہتھیلیاں عرق آلود ہو رہی تھیں، وجود جیسے سماعت بنا ہوا تھا مگر اضطرابی کیفیت میں اس نے جھکی نظروں سے ہی اسے تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔

"آج بھی تم دنیا کو میرے اور اپنے درمیان حائل رکھو گی؟" دور سے اُبھرتی مدھم آواز میں جو کچھ پنہاں تھا، اسے محسوس کرتے ہوئے وہ نگاہ اُٹھانے پر مجبور ہوئی تھی، گلاب کے سرخ پردے بھی نگاہوں کے اس ارتکاز میں مخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکے تھے، ایک نہیں کئی سورج اس کی آنکھوں میں طلوع ہوتے وہ دیکھ سکتی تھی، اس کے چہرے، اس کے لباس سے پھوٹتی سنہری کرنوں نے سب کچھ ماند کر دیا تھا، یہ دنیا سے الگ انسان اس لائق تھا کہ وہ خود اُٹھ کر اس کا استقبال کرے، شاید اس تک آنے کے لیے وہ آج بھی اجازت کا طلبگار تھا۔

مخملی سیج سے نیچے قدم رکھتے ہوئے اس نے اپنے بھاری لباس کی بھی پرواہ نہیں کی تھی، آرائشی زیورات کی مدھم جلترنگ سی موسیقی کی طرح بکھرتی خاموشی کو توڑ گئی تھی، ایک قدم ہی اس نے آگے بڑھایا تھا، جب پیر بُری طرح اُلجھے تھے، توازن بگڑا تھا مگر کوئی نوکیلی چیز اسے پیر میں چبھتی محسوس ہو رہی تھی، قدم جمانے میں دشواری ہو رہی تھی مگر آگے تو بڑھنا ہی تھا۔

سانس روکے وہ اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھ رہا تھا، محبت جب چلتی ہے تو قیامت ڈھا دیتی ہے، اس وقت شدت سے اس سچ کا احساس ہو رہا تھا، شفق کے رنگوں سے نکھرا چہرہ، چاندنی میں بھیگا وجود، آنکھیں چندھیائے دے رہا تھا۔ یہ سج دھج، یہ خیرہ کن روپ وہ صرف اس کے لیے ہی تو اپنائے ہوئے تھی، اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے خود اس

کی طرف بڑھ رہی تھی، یکدم شیث کو ندامت کا بوجھ اپنے دل، اپنی روح پر بڑھتا محسوس ہوا تھا، جانے کس مٹی سے اللہ نے عورت کو بنایا ہے کہ وہ بس دینا جانتی ہے، ہر روپ میں، ہر دور میں عورت دان کرتی رہی ہے، بدلے میں اسے کچھ بھی نہیں چاہیے، اس کی وفاداری اور بے لوث محبتوں کے بدلے میں کوئی کیا دے سکا ہے؟ کوئی کیا دے سکے گا؟

بغیر پلک جھپکے وہ اسے دیکھ رہا تھا جس کے خمیر میں شہد اور پھولوں کا رس، اوس کے قطرے، محبت کے سات رنگ، چاند کی ٹھنڈک اور سورج کی گرمی کو بھی یکساں طور پر ملایا گیا ہو گا، اسے شک نہیں، یقین تھا جو آج مستحکم بھی ہو چکا تھا۔ ایک پل کو رُک کر سارہ نے سنہری آنکھوں کی سطح پر اس روشنی کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی جو ہمیشہ وہ اپنے لیے اس کی آنکھوں میں اُبھرتی دیکھا کرتی تھی۔

"ایک جھوٹی مسکراہٹ بھی تمہارے چہرے پر میرے لیے نہ آ سکی؟" سارہ کے لہجے میں تھکن تھی، دل کی اذیت آنکھوں میں بھی اُبھر آئی تھی، دوسری جانب چند لمحوں تک وہ اس کی پلکوں تلے بڑھتی سرخی کو دیکھتا رہا تھا۔

جو چہرے سے ظاہر ہے، اسے چھپائیں کیسے
تیری مرضی کے مطابق، نظر آئیں کیسے

زیرِ لب اس کے گھمبیر لہجے پر وہ بس ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی، جو گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا تھا، احتیاط سے شیث نے مہندی سے سجے اس کے نازک نرم و گداز پیر کو گرفت میں لیا تھا اور جھلملاتی پازیب جو تقریباً ٹوٹ گئی تھی اس کے پیر سے الگ کر دی تھی، اس کے مقابل اُٹھتا وہ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ سکتا تھا۔

"ہر بار میری طرف بڑھنا تمہیں تکلیف سے دوچار کر دیتا ہے"۔ ہاتھ میں موجود پازیب سے نظر ہٹا کر شیث نے اسے دیکھا تھا۔

"یہ تکلیفیں ہی تو ہیں جو تمہاری قدر اور اہمیت میرے دل میں بڑھاتی ہیں، یہ میرے قدم نہیں روک سکتیں"۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ بولی تھی۔

"پھر بھی کہتی ہو کہ میں وہ نہیں رہا، کوئی اور ہوں؟" اس کے لہجے، اس کی آنکھوں میں سارہ کو شکوہ نظر آیا تھا۔

"تم جانتی ہو کہ میں تمہارے لیے کبھی نہیں بدل سکتا، میں آج بھی وہی شیث ہوں جو سارہ کے لیے اپنے وجود کو کئی ٹکڑوں میں کاٹ کر اس کے قدموں میں رکھ سکتا ہے، جو سارہ کے لیے اپنی زندگی فروخت کر سکتا ہے، دنیا کو بھول سکتا ہے، پھر بھی تم نے کیوں.....؟" یکدم ہی خاموش ہوتا وہ دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، جو بھیگی آنکھوں سے اسے ہی دیکھتی مزید قریب ہوئی تھی اتنا کہ واقعی وہ سب کچھ بھول گیا تھا، یاد رہا تو بس یہ کہ وہ اس کی دھڑکن کو محسوس کر رہا ہے، پھولوں سے بھری نازک ڈالی جیسے مہکتے وجود کا لمس اسے جنّت میں پہنچا گیا تھا، پہلی بار پورے استحقاق سے اسے اپنے حصار میں محصور کرتے ہوئے کوئی پہرہ، کوئی جھجک نہیں تھی، اس قرب میں پاکیزگی تھی، طہارت تھی، محبت کا تقدس تھا۔

"جو کہنا ہے، آج کہہ دو، میری ہر زیادتی، ہر دی گئی اذیت کی شکایت کرو، میں اب صرف تمہیں سننا چاہتی ہوں"۔ اس کے سینے سے چہرہ ٹکائے وہ کانپتے لہجے میں بول رہی تھی۔

"میری خوشی کے لیے تمہیں بھی ایک طویل سفر کرنا پڑا ہے، اپنے بے شمار قیمتی لمحے میرے لیے گنوائے ہیں تم نے، میں اس نقصان کا ازالہ کس طرح کر سکوں گا؟"

"کوئی لمحہ، کوئی پل ضائع نہیں ہوا ہے تمہاری سنگت میں، ہر گزرتے لمحے نے ہم دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لیے قدر و محبت بڑھائی ہے، میں نے کچھ نہیں گنوایا، بس حاصل کیا ہے، کچھ بھی گنوانے سے پہلے، مجھے تمہاری صورت میں سب کچھ حاصل ہو گیا تھا"۔ اس کے آنسو سمیٹتے ہوئے شیث نے اس کی آنکھوں میں تیرتے حزن کو دیکھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ازالہ تو مجھے کرنا ہے، ان تمام اذیتوں کا جو میرے لیے تم سہتی رہی ہو، اور اب میں کسی اذیت کو تم تک پہنچنے نہیں دوں گا، اپنے سوا تمہیں کسی جانب دیکھنے نہیں دوں گا، اب کوئی مجبوری ہمارے درمیان نہیں آ سکے گی"۔ جذبات کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا، اس کے لہجے کی حدت نے سارہ کے دل کو ہی نہیں، وجود کو بھی پگھلا دیا تھا۔

"تمہارے یہ آنسو آج مجھے اذیت نہیں پہنچا رہے کیونکہ یہ تمہارے چہرے کو اس قدر خوبصورت بنا رہے ہیں کہ میرا دل دھڑکنے سے انکار کر رہا ہے"۔ اس کے مدھم لہجے نے سارہ کی دھڑکن روک دی تھی۔

"جانتی ہو، تمہارے چہرے کی یہ پاکیزگی، یہ نور مجھے کسی بھی گستاخی سے روک دیتا ہے، میرے دل میں آج بھی یہ خوف ہے کہ کہیں میری نظر کی شدت تمہارے لیے تکلیف کا باعث نہ بن جائے"۔ اس کی جھلملاتی آنکھوں کے سحر میں گرفتار، وہ اس کے ملکوتی نقوش کے طلسم میں قید ہونے لگا تھا۔

تیرے چہرے کے نقوش ایسے ہیں
آنکھ اُٹھاتا ہوں، بھٹک جاتا ہوں
تیری آنکھوں سے تیرے ہونٹوں تک
سفر اتنا ہے کہ تھک جاتا ہوں

بمشکل سانس لیتے ہوئے شیث نے واقعی تھکے تھکے انداز میں پیشانی اس کی دمکتی پیشانی پر رکھی تھی، مگر پھر جیسے کچھ یاد آیا تھا۔

"آج بھی کوئی ضد، کوئی احتراز؟" سوالیہ نظروں سے شیث نے اس کی بوجھل پلکوں کو دیکھا تھا، لبوں کی تراش میں مسکراہٹ دبائے سارہ نے پلکیں اُٹھائی تھیں اور پھر نظر نہیں چرا سکی تھی، برسوں کی پیاس آنکھوں میں سجائے وہ منتظر تھا۔

"آج میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تم نے کب اور کہاں، کہاں مجھے موت کی تختی سے روشناس کروایا تھا، کتنی بار مجھے.....!" سرعت سے اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھتی وہ مزید کچھ کہنے سے اسے روک گئی تھی۔

"ان سختیوں سے تم تنہا نہیں گزرے، میں تمہارے ساتھ تھی، کیا تم نے مجھے اپنے قریب محسوس نہیں کیا تھا؟" شکایتی نظروں سے سارہ نے اسے دیکھا تھا جو اس کا خوش رنگ حنائی ہاتھ آہستگی سے اپنے لبوں سے سرکاتا اپنے چہرے پر اس کا نرم گرم لمس محسوس کر رہا تھا۔

"تو پھر وعدہ کرو، جنت میں بھی میرے بغیر قدم نہیں رکھو گی"۔ اس کے گھمبیر لہجے اور آنکھوں کی تپش نے سارہ کے چہرے کو دہکا دیا تھا، اس کے لبوں پر اُبھرتی الوہی مسکراہٹ نے شیث کو دم بخود کر دیا تھا۔

"میں تو ہمیشہ سے تمہاری دسترس میں ہوں، آج تم اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو"۔ استحقاق سے بھرپور مگر التجاء سے لبریز یہ مخمور لہجہ سارہ کے چہرے کو سرخ کر گیا تھا، دل کی دھڑکنیں بے تحاشہ بڑھی تھیں اور اس کی ہر دھڑکن میں وہ بھی اپنا نام سن رہا تھا، جو بہت قریب موجود اس کی پلکوں پر چمکتے ستارے بے خودی کے عالم میں اپنے لبوں میں جذب کرتا جا رہا تھا، محبت کا یہ غلبہ پُرکیف تھا، عیاں ہوتے جذبے آسمانی تھے، پُرفسوں خاموشی میں اب کچھ بولنا دشوار تھا کہ لمس خود بول اُٹھے تھے، دل انوکھے راگ پر دھڑکتے جا رہے تھے، ہر انت ایک نئی شروعات تھی، بھرپور انگڑائی لے کر سرشار ہوتی محبت نے بھی ایک نئے سفر کے آغاز کے لیے آسمان کی اونچائیوں میں اُڑان بھری تھی، بے شمار ستاروں کے جھرمٹ میں پورے چاند کی روشنی خیرہ کن تھی، دور کہیں آسمان سے اُترتی دودھیا کرنیں اس طویل سڑک پر بہتے سکوت میں جذب ہوتی سانسیں لے رہی تھیں، جو سفرِ محبت کے ایک ایک قدم کی گواہ تھی۔

☆.........نوٹ:- قارئین! آپ بہت جلد ہی اس ناول کو کتابی شکل میں بھی پڑھ سکیں گے.........☆

عائشہ ذوالفقار

افسانہ

ہم چاہتوں کی دھن بجائیں گے

جب وہ شام کو تھکی ہاری، گاؤن پہنے اور بیگ کندھے پر ڈالے گیٹ کھول کر اندر آئی، تو ایک عظیم الشان شور و غوغا مچا ہوا تھا، چند لمحے اُسے سمجھ نہ آئی کہ اتنا شور کر کون رہا ہے، پھر اچانک اُس کی نظر گیٹ کے بالکل قریب سے اوپر جاتی سیڑھیوں کے آخر میں کھڑے کالے رنگ کے بڑے سے بکرے اور چھت کے بالکل آخری کونے پر کھڑے گڈو اور مٹھی پر پڑی تو اُس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں آ رہا ہوں"۔ بکرے نے مستی میں آ کر ایک پاؤں مزید اوپر رکھا اور گڈو کا حلق مزید کھنچ گیا، منہ دونوں کے ہی کھلے ہوئے تھے، مگر آواز صرف گڈو کی آ رہی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو اس غریب کی آواز ہی منحنی سی تھی (خود اُس کی طرح) اور دوسرا جب وہ روتی تھی تو صرف منہ کھلتا تھا اور چہرے کے زاویے بگڑتے تھے۔ آواز پتہ نہیں کیوں نہیں نکلتی تھی، بکرا آخر مستی میں آ کر چھت پر پہنچ گیا اور گڈو محترمہ جھٹ سے ریلنگ پار کر کے شیڈ پر آ گئیں۔

"ارے اس نوں چپ تا کراؤ"۔ بابا حقہ گڑگڑاتے ہوئے نحیف سی آواز میں بولے، لیکن اُن کی آواز گڈو کے غوغے میں دب کر رہ گئی۔

"کیا مصیبت آ گئی تہانو (تمہیں)"۔ دادی روتے ہوئے علی کو چپ کرواتے ہلکان ہو رہی تھیں۔

"ثمینہ! تیرا بچہ تا پتہ نہیں کس پر گیا اے، چپ ای نہیں کردا"۔ انہیں گڈو والے معاملے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

"اے! میں تینوں پچھ رہی آں کہ توں اَج جلدی کیوں آ گئی؟" بڑی پھپھو کی تان فاطمہ کے جلدی گھر آ جانے پر اٹکی ہوئی تھی، لیکن اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جست لگا کر جائے اور اپنی بہن (مٹھی) کو اوپر سے اُتار لائے، مدر ٹریسا کی جانشیں جو ہوئی۔

"ارے! جلدی پکڑ لو بکرے کو، انہیں ٹکر ہی نہ مار دے"۔ گڈو کی ماما نے بھی شوہر کا کندھا ہلایا۔

ماما جی! اسے پکڑو، ورنہ میں چھلانگ لگا دوں گی، اسے پکڑو.....!" گڈو کی آواز گاؤں کے طول و عرض میں پھیل رہی تھی، بکرا اب آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھ رہا تھا، لو اور شانی دونوں اوپر چڑھے اور بکرا تیزی سے اُن دونوں کی طرف بڑھا۔

"ہائے ماما.....ماما!" گڈو کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ اس سے زیادہ اونچا نہیں چیخ سکتی۔

"اس نوں کہو چپ تا کر جائے، اذاناں (اذانیں) ہو رہیاں (ہو رہی ہیں)"۔ بابا کو وہ چیختی ہوئی سخت زہر لگ رہی تھی، مٹھی کی ٹانگیں چھوٹی تھیں، وہ کوشش کے باوجود ریلنگ پار نہ کر سکی اور اب اپنی بے وفا دوست کو گھور رہی تھی۔

"گڈو! تم نے چنگا نہیں کیا"۔ بکرے نے چند لمحوں کے لیے اپنے پیچھے آتے لوگوں کو دیکھا اور چالاک گڈو نے اُس کی یہی کمزوری دیکھ لی، انتہائی سرعت سے ریلنگ کراس کی اور مٹھی کا ہاتھ پکڑ کے دوڑ لی، پیچھے ہی بکرا دوڑا، ایک قیامت آ گئی۔

"ہائے وے کوٹھا ٹوٹ جائے گا"۔ دادی چلائیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نی ثمینہ! پھڑ (پکڑ) اپنا بچہ، یہ چپ ہی نہیں کردا (کرتا)"۔ دادی بہو کو اتنے مزے سے فارغ کھڑے دیکھ نہ سکیں، گڈو اور مٹھی اب سیڑھیاں اُتر رہی تھیں، بکرا اُن کے پیچھے تھا، دونوں نیچے آ کر غڑاپ سے کمرے میں گھس گئیں، بکرا اپنی جون میں ٹھائیں سے بند دروازے سے ٹکرایا۔

"وے! بچی بتا دے، بدرے ماں (میں) تے کوئی گل نہیں ہوئی؟" بڑی پھپھو ہر مسئلے سے بے نیاز فاطمہ کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔

"ابا جی! علی نوں پکڑو ذرا۔" چاچی نے بابا کی گود خالی دیکھ کر علی اُنہیں دے دیا، شانی نے بکرا قابو کر لیا تھا، اُس نے گیٹ کے پاس کھڑے کھڑے ہی ایک لمبی سانس لی، یہ گھر واقعی مچھلی بازار تھا، تبھی ماما کی نظر اُن پر پڑی۔

"عاشی! آج جلدی آ گئی؟" وہ جلدی سے "جی" کہہ کر آگے بڑھ گئی، مبادا اُس کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ ہو جو ایک گھنٹے سے فاطمہ کے ساتھ ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

شام کو چاچو بھی آ گئے۔

"امی! کتنے کا آیا ہے بکرا؟" انہوں نے پوچھا۔

"اٹھارہ ہزار کا، بہت جلالی بکرا ہے بھئی!" دادی کے



بجائے ماما بولیں۔

"اب کہاں ہے گڈو؟" لو نے پوچھا۔

"کمرے میں ہے، باہر ہی نہیں نکلی"۔ ماما پلیٹ میں میوہ پڑے ہوئے میٹھے چاول ڈالتے ہوئے بولیں۔

"عاشی توں کل وی جانا اے پتّر!" بابا نے پوچھا تو اُس نے "جی" کہتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بڑا رش ہوگا، دیر ہو جائے گی"۔ ماما فکر مند ہوئیں تو وہ چپ ہو گئی، تبھی پھپھو والی طرف سے غدر اُٹھا، بکرے کی رسی شانی کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی اور اب بکرا آگے آگے تھا اور شانی اور انصر پیچھے پیچھے، اندھا دھند بکرا سیدھا کھانا کھاتے لوگوں میں آ گھسا، ہائے ہو مچ گئی، سب سے پہلے حواس باختہ سی فاطمہ اُٹھی، وہ بڑی عرق ریزی سے بھائی (سیدھا نام فرطین تھا، پھر فاتی ہوا اور آہستہ آہستہ بھاتاں ہو گیا) کے چھوڑے ہوئے چاولوں سے کشمش چن رہی تھی، اپنی پلیٹ اُٹھا کر اندر کو بھاگی، بکرے کی ایک ٹانگ عاشی کے قریب پڑے پانی کے جگ میں گھس گئی۔

"ہائے ماما....!" کہہ کر وہ جو اُٹھی اور فاطمہ کے پیچھے بھاگی تو راستے میں ریں ریں کرتے ڈھیر سارے بچے آ گئے، وہ اڑ کر گری اور کچن کے ساتھ بنے چھوٹے سے احاطے میں گر گئی۔

"ہائے ماما! میری ٹانگ.....!" لیکن اُس کی ماما پلیٹ اُٹھائے اُس سے پہلے کمرے میں گھس گئیں، بکرے نے سوچا جانے سب اِدھر کیوں بھاگ رہے ہیں؟ اُس نے بھی ٹرن لیا اور سب کے پیچھے بھاگ لیا، کمرے کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا تھا، کیونکہ پناہ گزین چلے آ رہے تھے اپنی اپنی پلیٹوں کے ساتھ، مگر ماما نے جیسے ہی بکرا دیکھا، دروازہ بند جو کیا تو بیچ میں بکرا آ گیا۔ اب وہ باہر کو زور لگاتیں اور بکرا اندر کو، آخر بکرا جیت گیا اور ایک دم جو دروازہ کھلا تو ماما، فاطمہ سے ٹکرائیں اور وہ اپنی کشمشوں سمیت زمین بوس ہو گئی، اُس کے پیچھے کھڑے زین نے انتہائی سرعت سے اُس بے چاری کی کشمشیں چن چن کے کھانا شروع کر دیں اور جتنی دیر میں وہ ماما کی گری ہوئی چاولوں کی پلیٹ میں سے نکلی، وہ اُس کی ساری کشمشیں کھا چکا تھا۔

"مامی! اس نے میری ساری کشمشیں کھا لیں"۔ اُسے مجرم کی ماں بھی موقع پر ہی مل گئی، بکرا انصر نے قابو کر لیا تھا۔

"ماما! میری ٹانگ گئی"۔ اندھیرے احاطے میں سے ابھی تک آوازیں آ رہی تھیں، ماما جھٹ بھاگی آئیں، کھینچ تان کے اسے باہر نکالا، وہ مٹی سے بھوت بنی ہوئی تھی۔

"ماما! میں نے صبح جانا ہے اب کیسے جاؤں گی؟" وہ واویلا کر رہی تھی۔

"ہائے میری جیناں (نام زرمین تھا، بگڑ کر زینی ہوئی اور پھر جیناں ہو گیا، چاچو اکثر کہتے کہ سب سے زیادہ میرے بچوں کے نام بگڑے ہیں) کہاں ہے؟" چاچی اپنے بچے پورے کر کے بولیں۔

"مامی! اس سے پوچھیں میری کشمشیں کیوں کھا گیا؟" فاطمہ کا دُکھ کم نہیں ہو رہا تھا۔

"یہ بکرا لنگڑا کیوں رہا ہے؟" دادی کو اپنے اٹھارہ ہزار کی فکر تھی۔

"آنٹی! جیناں یہ پڑی ہے"۔ زین نے اُسے مالٹے کے درخت والی کیاری سے ڈھونڈ نکالا، بے چاری سو بھی چکی تھی۔

"مامی! میری کشمش.....!"

"اے.....جا.....جا کے ساری دیگچی میں سے چن لے"۔ ماما جھلا گئیں، فاطمہ شرمندہ سی ہو گئی، چاچی جیناں کو لے کر اندر چلی گئیں۔

"اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں، اب صبح کیسے جائے گی؟" ماما، لو سے بولیں، انصر نے بکرا باندھ دیا تھا۔

"کیا ہوا تھا نانی امی؟" ہمیس شائستہ جبیں موبائل کان سے ہٹاتی ہوئیں آئیں۔

"اے! کچھ نہیں، اے پیناں تو لگی رے اپنے موبائل سے"۔ دادی جھلا گئیں۔

"امی! فاطمہ آج جلدی آ گئی تھی، پتہ نہیں کیا ہوا؟" بڑی پھپھو کو تو یہ بات ابھی تک نہ بھولی تھی کہ جب وہ آٹھ سال کی تھیں تو انہیں ثمینہ کی نسبت دودھ میں کم جام شیریں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملا تھا تو یہ تو ابھی شام کی بات تھی، فاطمہ سانس بھر کر رہ گئی،
آخر اگلے دن اُسے چھٹی کرنی ہی پڑی، ٹانگ بُری طرح فریکچر ہوگئی تھی، ماما نے صفائیاں شروع کردی تھیں، سو وہ چاچی والے پورشن میں آ گئی، وہ بھی اپنے کمرے کی جھاڑ پونچھ کر رہی تھیں، وہ ڈرائنگ روم (جسے وہ سب "بابا کا مسکن" کہا کرتے تھے) میں آ کر صوفے پر لیٹ گئی، چاچو اور ابو باہر صحن میں کرکٹ کھیل رہے تھے، فاطمہ مدرسے گئی ہوئی تھی، شائستہ آج شانی کو اپنے ساتھ اپنے اسکول لے گئی تھی، پتہ نہیں کیا بات تھی پڑھنے میں اُن دونوں بھائیوں کا ہی دل نہ لگتا تھا، انصر بھی آٹھویں کے بعد بھاگ لیا، پھر مدرسے میں بھی نہ چلا، کام سیکھنے کی طرف بھی نہ آیا، اب دوبارہ بڑی مشکل سے میٹرک پاس کر کے فرسٹ ایئر میں تھا، حالانکہ عاشی سے سال بڑا تھا۔ شانی کا بھی یہی کام تھا، اسکول والے بچے اسکول گئے ہوئے تھے، باہر سے دادی اور پھپھو کی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں، چھوٹی پھپھو کا فون آیا تھا کہ شام تک آ جائیں گی، دو دن بعد عید تھی، اس لیے آج سب کا لاسٹ ورکنگ ڈے تھا، اُس نے پاس پڑی "قیصر و کسریٰ" اُٹھائی اور پڑھنے لگی، تبھی حواس باختہ سا انصر اندر آیا اور سیدھا اُس کے والے صوفے پر گر گیا۔

"ہائے میری ٹانگ.....!" اُس نے بھی کمال سیٹی جیسی آواز نکالی۔

"سوری، سوری"۔ وہ کہتا ہوا اُٹھا۔

"باہر سے آیا ہوں ناں، اس لیے پتہ نہیں چلا"۔ وہ اُس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا، وہ بھی سیدھی ہوگئی۔

"عاشی! وہ میرا ایک کام کر دو گی؟" انصر بڑے رازدارانہ انداز سے بولا، عاشی ٹھٹک گئی۔

"کیا کام؟"

"وعدہ کرو کسی کو بتاؤ گی نہیں؟" وہ پھر اس کے پاس اُٹھ آیا۔

"کام کیا ہے؟" وہ بولی، انصر نے اِدھر اُدھر دیکھا، پھر جیب سے ایک کاغذ نکالا اور اُس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" اُس نے پس و پیش کے بعد پکڑ لیا اور کھولنے لگی۔

"چندا کو خط لکھا تھا، اُس افلاطون کی بہن نے انگلش میں جواب لکھ دیا"۔ اور عاشی ایک دم چیخ پڑی۔

"چندا کو خط.....؟" انصر نے اُس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"بیوقوف..... آہستہ بولو"۔ کاغذ عاشی کے ہاتھ میں کانپ رہا تھا۔

"پڑھ دو پلیز، کیا لکھا ہے؟" انصر اب منتیں کر رہا تھا۔

"انصر! تمہیں پتہ ہے اُس کے چھ بھائی ہیں؟" عاشی کے ذہن میں چندا کے چھ بدمعاش بھائی گھوم گئے۔

"وہ بعد کی بات ہے، تم پڑھو تو سہی"۔ اور اس سے پہلے کہ وہ پڑھتی، ایک دم دروازہ کھلا، انصر نے لحہ لگا کے اُس کے ہاتھ سے کاغذ چھینا۔

"انصر! یہاں کیا کر رہا ہے؟" چاچو حیران ہوئے۔

"وہ چاچو! ہم چندا کو خط....." انصر نے ایک دم اُس کی ٹانگ کھینچ دی۔

"وہ ماموں! آ رہا ہوں، آ رہا ہوں"۔ وہ بولا تو چاچو باہر نکل گئے۔

"کسی موقع پر جھوٹ بھی بول دیتے ہیں، پڑھو اب"۔

وہ بولا، عاشی نے سارا پڑھ لیا۔

"مجھے بھی سناؤ"۔ لیکن خط کی زبان اتنی کھلی ڈلی تھی کہ اُسے شرم آ گئی۔

"تاشی سے پڑھوا لینا"۔

"ہنہ..... وہ نخرے کرے گی"۔ انصر نے منہ بنایا۔

"فاطمہ سے کہو، وہ پڑھ دے گی"۔

"اُسے انگلش کہاں سے آ گئی؟ اُس نے تو پانچویں میں بھی نہیں پڑھی"۔ انصر کو تاؤ آ گیا۔

"وہ کہہ رہی ہے کہ وہ بھی تم سے بہت پیار کرتی ہے اور تمہیں دیکھے بغیر اُسے نیند نہیں آتی"۔ عاشی نے مختصراً بتایا، انصر کا چہرہ گلنار ہو گیا۔

"عاشی پلیز! اب اس کا جواب لکھ دو"۔ وہ بولا تو عاشی

نے اُسے گھورا۔

"واہ..... میں کیوں لکھوں، پکڑی گئی تو.....؟ خود لکھ لو"۔ وہ تو پہلے ہی ڈر رہی تھی۔

"دیکھو عاشی! بہن نہیں ہو؟ اب میں اُردو میں لکھوں گا تو وہ کیا سوچے گی کہ مجھے انگلش نہیں آتی"۔ انصر کے سو مسئلے تھے۔

"انصر! میری لکھائی پہچان لی گئی تو.....؟" اُس کا رنگ فق ہو رہا تھا۔

"گندا گندا سا لکھ دینا"۔

"انصر! یہ بُری بات ہے"۔ وہ اُسے سمجھانے لگی، لیکن انصر نے دوسری شیلف پر رکھی بابا کی ڈائری اُٹھائی، صفحہ پھاڑا اور اُس کو پکڑا دیا، پھر جیب سے قلم نکالا اور اُس کے آگے کر دیا، عاشی نے ڈرتے ڈرتے پکڑ لیا۔

"انصر! کسی کو پتہ چل گیا تو.....؟"

"نہیں پتہ چلتا"۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو رہا تھا۔

"لکھو جان سے عزیز چندا! انگلش میں لکھنا"۔

"انصر! تمہیں شرم نہیں آتی، مجھ سے یوں چٹھیاں لکھواتے ہوئے؟" وہ بولی۔

"نہیں آتی"۔ انصر ڈھیٹ پنے سے بولا، پورے ایک گھنٹے میں عاشی نے خط لکھا۔

"نیچے لکھو تمہارا دیوانہ!"

"توبہ انصر! کسی نے پڑھ لیا تو.....؟" ہر ہر لفظ پہ وہ انصر کو شرم دلا رہی تھی، آخر خط لکھا گیا۔

"اسے گلدان کے اندر رکھ دو، صبح جاتے ہوئے یہاں سے لے جاؤں گا"۔ اُس نے خط پھولوں والے گلدان میں ٹھونس دیا۔

"اور اب تم یہ اپنا فق منہ ٹھیک کرو، کچھ نہیں ہوتا اور اگر ہو گیا خدانخواستہ تو میں تمہارا نام نہیں آنے دوں گا"۔ اُسے یقین دلا کے وہ باہر نکل گیا، عاشی سانس بھر کر رہ گئی۔

☆..........☆..........☆

وہ ظہر کی نماز پڑھ کے علی کو گود میں کھلا رہی تھی جب شائستہ اسکول سے آئی، اُس نے ایک ہاتھ سے شانی کی گردن پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اُس پر جوتے برسا رہی تھی۔

"ہے، ہے! اس نوں کیوں کٹ (مار) رہی ہیں؟" سب سے پہلے دادی آگے آئیں۔

"نانی امی! پیچھے رہیں، آج میں اسے چھوڑوں گی نہیں، بہت بے عزتی کروائی ہے اس نے میری"۔ وہ مسلسل اُسے پیٹ رہی تھی اور شانی "امی، امی" گرلائے جا رہا تھا۔

"اس نوں تا چھڈ (چھوڑ)"۔ بڑی پھپھو نے شانی کو رہائی دلوائی۔

"ہوا کیا ہے؟" ماما نے پوچھا۔

"میں خود اسپیشل اسے مِس سدرہ کی کلاس میں چھوڑ کر آئی کہ یہ میرا بھائی ہے، انہوں نے اپنی ساری کلاس کی جگہیں تبدیل کر کے اسے لائق بچوں میں بٹھایا، توجہ دی، جب میں تین پیریڈ بعد گئی تو بچوں نے بتایا کہ مِس آپ کا بھائی کتابیں اُٹھا کے روشن دان سے بھاگ گیا"۔ کہہ کر وہ پھر شانی کی طرف جھپٹی، مگر اب یہ کام پھپھو کا تھا، انہوں نے گردن سے پکڑ کے شانی کو اپنے نیچے دے لیا۔

"وے ربا! میں کتھے (کہاں) جاواں، کیوں نالائق اولاد میرے پلے پا دی توں؟" پھر اُسے ایک طرف دھکا دے کر رونے لگیں، شانی کو مدر ثریا (فاطمہ) اندر لے گئی۔

"امی! اسے کوئی کام سکھا دیں، اس نے نہیں پڑھنا"۔ شائستہ بیگ اُٹھا کے اندر چلی گئی۔

"وے تُو کی میرا منہ دیکھ رہا ہے، چل لکڑیاں توڑ"۔ بڑی پھپھو نے پاس کھڑے انصر کے ایک رسید کی، وہ اوندھے منہ گر گیا۔

"آنٹی! بھاتاں ہمیں تنگ کر رہی ہے"۔ گڈو اور مٹھی چھت پر سے چلائیں، وہ سانس بھر کے اپنے پورشن میں آ گئی، شام کو چھوٹی پھپھو بھی آ گئیں۔ شام کے کھانے کے بعد محفل بڑی پھپھو کے پورشن میں لگ گئی۔

"انصر اوئے! جا بیٹھک میں سے میرا سگریٹ لے کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آ"۔ بابا نے کمپیوٹر کے آگے بیٹھے انصر سے کہا تو وہ اڑ گیا۔

"کوٹھری میں سے کوئی نکل کے مجھے پکڑ لے گا۔ وہ لڑکیوں سے بھی زیادہ ڈر پوک تھا۔

"شرم کر، جاجا کے لے کر آ"۔ بابا نے گھرکا۔

"مالٹوں کی کیاری میں سے کوئی بھوت نکل آیا تو...؟" اُس کے پاس سو بہانے تھے۔

"جاتا ہے یا جوتی اُتاروں؟" پھپھا نے کہا تو ایک دم کھڑا ہو گیا، باہر گھپ اندھیرا تھا، اُس نے ایمرجنسی لائٹ اُٹھائی اور چل پڑا، پھپھو اور ماما کا سارا پورشن پار کر کے چاچو کا پورشن تھا، ڈر ڈر کے اُس کی جان آدھی رہ گئی۔ برآمدے میں کھڑا ہو کر وہ ٹھٹھک گیا، ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا تھا، اُسے ڈر لگا، تبھی اندر کوئی چیز ہلی، انصر کی آنکھیں اُبل آئیں، پھر اندر دھڑام سے کوئی چیز گری اور انصر کیاری کے بھوت اور کوٹھڑی کے جن کو روندتا ہوا سیدھا پھپھا کی گود میں جا گھسا، اُس کے صرف ہونٹ ہل رہے تھے، آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"تُو میرے اوپر سے تو اُتر"۔ انہوں نے جوان جہان بیٹے کو گود میں سے اُتارا۔

"اوہو... میرے گھر کے دو جوان منڈے اور دونوں ہی بزدل"۔ بابا کا اشارہ انصر اور زین کی طرف تھا۔

"بیٹھک میں کوئی ہے"۔ وہ بمشکل بولا۔

"بھائی انصر! کارٹون لگا دے"۔ بچوں نے اُس کی کھینچ کھینچ کے شرٹ پھاڑ دی۔

"جا او ضیاء! دیکھیں کیا اے بیٹھک ماں (میں)، میرے سگریٹ وی چک لے آئیں"۔ بابا ابھی تک سگریٹوں میں اٹکے ہوئے تھے۔

"اوتُو اتنا ڈرتا کیوں ہے؟" پھپھا نے انصر کو لتاڑا۔

"ضیاء! اُٹھ جا"۔ چاچو کی بھی مرضی تھی نہ ہی اُٹھنا پڑے، پھپھا کو غصہ آ گیا، چاچو آخر اُٹھ ہی گئے۔

"بیٹھک میں بکرا گھس گیا تھا، میں گیا تو پھول کھا رہا تھا، چاچو سگریٹ پکڑاتے ہوئے بولے، لیکن اُن کی بات پہ نہ انصر نے دھیان دیا نہ عاشی نے۔

☆............☆............☆

صبح وہ بڑے دل سے تیار ہوا، پرسوں عید تھی، آج سب کی چھٹی تھی، مگر صرف وہ کالج جا رہا تھا، پرفیوم کی پوری بوتل اُنڈیل کے اس نے ایک بار پھر شیشے میں اپنا آپ دیکھا، پھر گاتا ہوا باہر آ گیا، بیٹھک میں آ کر بڑی ترنگ میں گلدان میں ہاتھ ڈالا، یہ کیا؟ اُس کا ہاتھ خالی باہر آ گیا۔

"میرا خط کہاں گیا؟" اُس کا رنگ اُڑ گیا، پھر اُس نے پوری شیلف کھنگال لی، مگر خط نہ ملا۔

"ہائے میرا خط.....!" وہ خاموش دُہائی دیتا، راستے میں آتیں ہوئیں جیناں اور مانی کو روندتا سیدھا ماما کے پورشن میں جا گھسا۔

"مامی! عاشی کہاں ہے؟" اُس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

"اندر ہے، پَر تجھے کیا ہوا ہے؟" وہ بولیں۔

"وہ مامی! کچھ نہیں، گلدان.....میرا مطلب ہے خط.....نہیں گلدان.....اوہو.....کچھ نہیں"۔ کہتا ہوا وہ سیدھا عاشی کے کمرے میں آ گیا۔

"عاشی! تُو میرے چنے پڑھوانے کا بندوبست کر لے بس"۔ وہ بستر پر گر گیا۔

"کیوں؟" وہ پریشانی سے بولی۔

"خط گم ہو گیا"۔

"ہائے.....پھر تو پہلا جنازہ میرا اُٹھے گا"۔ عاشی کی آنکھیں اُبل آئیں۔

"ڈھونڈتا تو سہی، وہیں ہو گا"۔

"پوری بیٹھک چھان ماری، کہیں بھی نہیں ہے"۔ وہ رونے والا ہو رہا تھا۔

"اُس وقت ہی جیب میں رکھ لیتا، اب خود تو پھنسے گا ہی، میں بھی پھنس جاؤں گی"۔ وہ بھی ہول رہی تھی۔

"عاشی، انصر باہر آؤ، ابا جی بُلا رہے ہیں"۔ ماما کی آواز آئی تو دونوں کی جان نکل گئی۔

"انصر! خط بابا کو مل گیا، مجھے جان سے مار دیں گے وہ"۔ عاشی رو پڑی۔

"تو مجھے کیا زندہ چھوڑ دیں گے؟" انصر باہر نکلتے ہوئے بولا۔ بابا ہاتھ میں ڈائری لیے بیٹھے تھے۔

"جی نانا ابا جی!" انصر فق رنگ ہوتے چہرے سے بولا۔

"تم دونوں کو شرم نہ آئی یہ حرکت کرتے ہوئے؟" وہ چلاّئے، عاشی کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔

"آنٹی پھاتاں تنگ کر رہی ہے"۔ بابا کے پاس بیٹھی گڈو چلاّئی۔

"کیا ہوا ہے ابا جی؟" بابا نے پوچھا۔

"میری ڈائری سے صفحے پھاڑ کے خط لکھتے ہیں دونوں، لکھائی عاشی کی ہے اور لکھوایا ضرور اس گدھے نے ہو گا"۔ غصے میں بابا بہت اچھی اُردو بولنے لگتے تھے۔

"آنٹی! یہ تنگ کر رہی ہے"۔ گڈو پھر چلاّئی، خط کی بات سُن کر انصر اور عاشی دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"نہیں نہیں، ابا جی! خط کہاں ہے؟"

"اوہ.....چُپ کر، خط کے بچے، ابھی صرف دیکھا ہے میں نے، پڑھا نہیں ہے"۔ بابا کی نحیف آواز اُس وقت جلالی ہو رہی تھی، عاشی کے آنسو بہہ نکلے۔

"آنٹی پھاتاں.....!" مگر اس دفعہ گڈو کا نعرہ مکمل نہ ہوا۔ بابا نے اُس کی کمر میں دھمک جڑا، وہ گلا پھاڑتی ہوئی اُٹھ گئی۔

"ابا جی! بکرا سست ہو رہا ہے، خدا خیر کرے پرسوں عید ہے"۔ ابو پریشانی سے بولے، بابا بھی اُٹھ کے اندر چلے گئے، بکرا واقعی سست ہو رہا تھا۔

"میں بکرے کو لے کر ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں، خبردار! جو میرے آنے سے پہلے تم میں سے کوئی باہر نکلا"۔ بابا کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"انصر! اب کیا ہو گا؟" عاشی ابھی تک رو رہی تھی۔

"نانا ابا جی تو سب کو پڑھ کر سنائیں گے"۔ انصر واقعی پریشان تھا۔

"میرے مالک! اس دفعہ معاف کر دے، آئندہ کبھی اس انصر ذلیل کا ساتھ نہیں دوں گی"۔ وہ دعا کر رہی تھی۔

"مولا! آئندہ کبھی چندا کو چٹھی نہیں لکھوں گا"۔ انصر بھی بول رہا تھا۔

☆............☆............☆

شام کو ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی، پرسوں عید تھی اور سبھی پُرجوش تھے، صرف وہ اور انصر بولائے بولائے پھر رہے تھے، خط نہ اُسے ملا تھا نہ انصر کو۔

"میری اولاد تے صدا کی کام چور ہے"۔ بڑی پھپھو کے مسئلے، ثمینہ کا بچہ تو بہت ہی روندا (روتا) ہے، دادی کی پریشانی، شائستہ موبائل سے لگی ہوئی تھی، شانی، گڈو اور سبھی کو تنگ کر رہا تھا، ہر کوئی مصروف تھا، بابا رات کو آئے تو اور جلالی ہو رہے تھے۔

"ایک تو میری ڈائری میں سے صفحے پھاڑتے ہو، پھر لکھ کے وہیں چھوڑ دیتے ہو"۔ وہ گرجے، دونوں خاموش تھے۔

"بکرے کے حلق میں سے بھی کاغذ میری ڈائری کا ہی نکلا ہے"۔ دونوں کے دل کانپے۔

"پکڑو اپنا خط"۔ بابا نے خط انصر کے منہ پر مارا، انصر نے بے یقینی سے پہلے بابا اور پھر خط کو دیکھا، انگلش میں اُستاد کا شاگرد کے باپ کو تنبیہہ کا خط لکھا تھا۔

"شرم ہی نہیں آتی، اگر بکرا.....!" بابا شروع ہو چکے تھے، انصر اور عاشی نے بے یقین ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"بھئی! بکرے کے حلق سے چندا والا خط نکلا"۔ دونوں نے ایک ہی بات سوچی، بابا باہر نکل گئے۔

"انصر! تمہیں یقین آ گیا کہ ہم بچ گئے ہیں؟" عاشی ہولے سے بولی، انصر نے اُس کی طرف دیکھا۔

"ہاں، آ گیا"۔

"آئندہ میں کبھی تمہارا ساتھ نہیں دوں گی"۔ وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"یہ تو وقت بتائے گا"۔ انصر کی آنکھیں اُسے کہہ رہی تھیں۔

☆............☆............☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

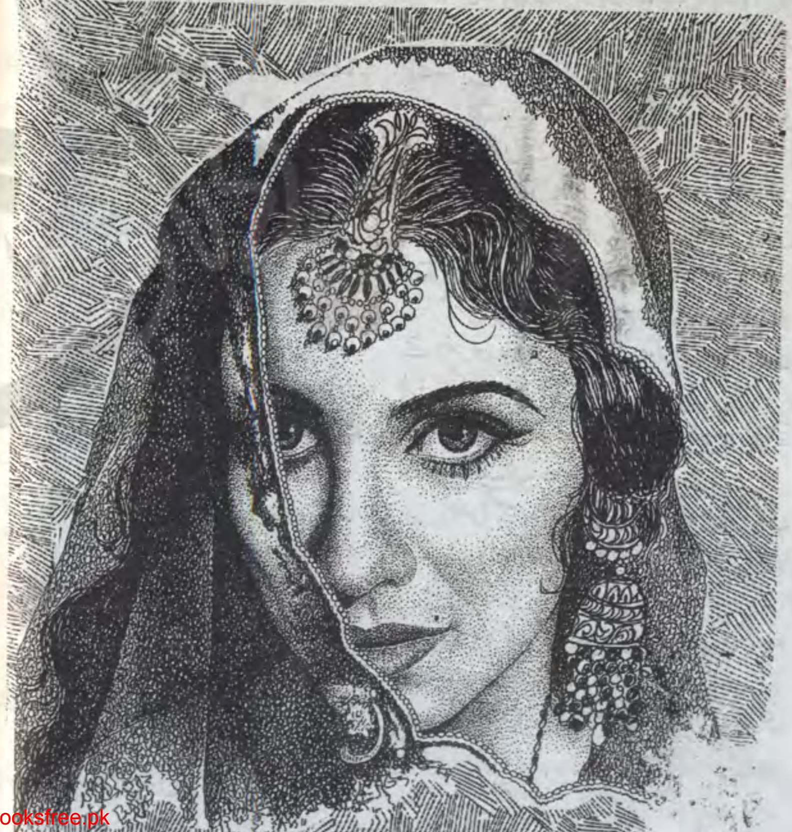
سعدیہ عابد

قسط نمبر 3

سلسلے وار ناول

بندِ قبا کھلنے لگی جاناں

"السلام علیکم! ماموں جان! کیسے ہیں آپ؟" نوید عالم کا سیل نمبر دیکھ کر اس نے پہلی ہی بیل پر ریسیو کرلیا تھا کیونکہ اس نے انہی کو کال کرنے کے لیے سیل فون جیب سے نکالا تھا۔



"ارحم! وہ حنین کہیں چلی گئی ہے، تم اُسے ڈھونڈو، وہ نجانے کہاں ہوگی"۔ وہ اس کے سلام کا جواب دیئے بغیر تیزی سے بولے تھے۔

"پریشان نہ ہوں ماموں جان! حنین میرے ساتھ ہے"۔

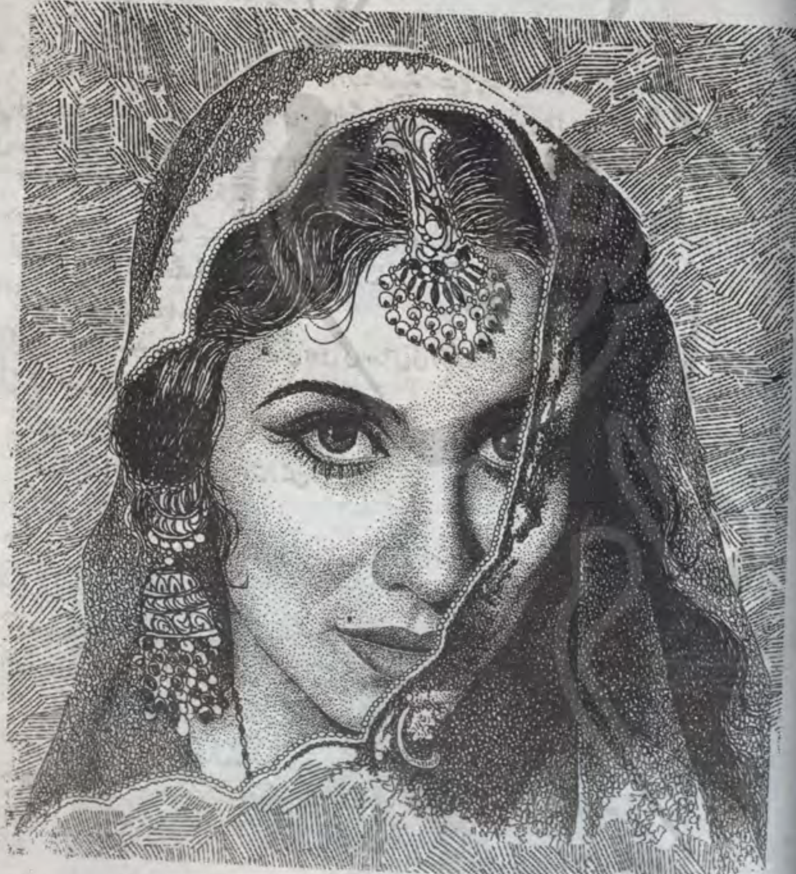
"کیا....! تمہارے ساتھ، مگر وہ تمہیں ملی کہاں؟"

"وہ سب بعد میں بتادوں گا، میں اُسے لے کر گھر جارہا ہوں"۔

"تم اسے گھر کیوں نہیں لے آتے؟ ساجدہ کا تو رو رو کر بُرا حال ہورہا ہے"۔

"حنین گھر نہیں آنا چاہتی تھی، اس لیے میں اُسے اپنے ساتھ لے جارہا ہوں"۔ ارحم نے وجہ بتائی تھی اور انہوں نے آنے کا کہہ کر فون بند کردیا تھا، اُس کا سیل پھر بجنے لگا تھا۔

"راحم! پریشان نہ ہو، حنین میرے ساتھ ہے، گھر آ کر بات کرتا ہوں"۔ اسے کچھ بولنے کا موقع دیئے بغیر اس نے لائن کاٹ دی تھی۔



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"آپ نے تایا ابو کو کیوں بتایا کہ میں آپ کے ساتھ...."

"شٹ اپ حنین! تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ وہ سب کتنے پریشان ہیں"۔ اس کے ڈپٹنے پر وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

☆.........☆.........☆

زرمین اُس کا کھانا لے کر گئی تھی، مگر وہ کمرے میں نہیں تھی، اس نے نیچے آ کر بتایا تھا۔

"امّی! حنین اپنے کمرے میں نہیں ہے"۔

"واٹ.... یہ آپ کیا کہہ رہی ہو زرمین بیٹا! ٹھیک سے دیکھنا تھا، وہ وہیں ہوں گی، جا کہاں سکتی ہیں حنین؟"

"ابو! میں نے پورا کمرہ، واش روم، اسٹڈی ہر ایک جگہ دیکھا، مگر وہ کہیں نہیں ہے"۔ زرمین پریشانی سے بولی تھی اور اس کے بعد حنین کو گھر کے کونے کونے میں ڈھونڈا گیا، مگر وہ گھر میں ہوتی تو ملتی۔

"ابو! مین گیٹ کھلا ہوا ہے، شاید وہ کہیں چلی گئی ہے"۔ اسجد نے باہر سے اندر آتے ہوئے کہا تھا۔

"اتنی رات میں وہ کہاں جا سکتی ہے؟ اُسے تو ڈھنگ سے راستے بھی نہیں پتہ"۔ ساجدہ روتے ہوئے صوفے پر ڈھے سی گئی تھیں، یہی کچھ حال راشدہ کا بھی تھا۔

"ہو سکتا ہے وہ پھپھو کی طرف چلی گئی ہو، ہمیں پھپھو کے ہاں کال کر کے پوچھنا چاہیے"۔ شازمین نے مشورہ دیا تھا۔

"ہاں، شاید ہو سکتا ہے وہ وہیں چلی گئی ہو، مگر ڈائریکٹ کچھ مت پوچھنا، ورنہ پھپھو پریشان ہو جائیں گی"۔ اسجد نے اُس کی بات کی حمایت کرتے ہوئے ساتھ ہی ہدایت بھی کی تھی، شازمین پی ٹی سی ایل سے پھپھو کے گھر کا نمبر ملانے لگی تھی، وہ ٹینشن میں یہ بھی بھول گئی تھی کہ جب سے اُس کی منگنی ہوئی ہے وہ نہ وہاں جاتی تھی نہ ہی خود سے فون کرتی تھی۔

"ہیلو! میں شازمین بات کر رہی ہوں"۔ کال ریسیو ہوتے ہی وہ بولی تھی۔

"زہے نصیب....! آج کیسے میری یاد آ گئی؟" راحم کا خوشگوار لہجہ اس کے کانوں میں گونجا تھا۔

"پھپھو ہیں گھر میں؟ مجھے پھپھو سے بات کرنی ہے"۔

"پھپھو کے بیٹے سے بات نہیں کر سکتیں؟"

"پلیز....! پھپھو کو فون دے دیں"۔ وہ ملتجی ہوئی تھی اور اس کی بھرائی ہوئی آواز اُسے پریشان کر گئی تھی۔

"شاز! سب خیریت تو ہے؟"

"حنین....!" اس کی آواز حلق میں پھنس گئی تھی اور وہ اُس کی ہدایت بھی بھول گئی تھی۔

"حنین!.... کیا ہوا حنین کو؟ کچھ تو بولو شازمین!"

"وہ حنین پتہ نہیں کہاں چلی گئی ہے"۔

"کیا.... کب.... مگر تم پریشان نہ ہو، میں ارحم بھیا سے بات کرتا ہوں"۔ راحم کے کہنے پر اُس نے ریسیور مزید کچھ بھی کہے بغیر کریڈل پر ڈال دیا تھا۔

"وہ وہاں نہیں گئی، راحم کہہ رہے تھے کہ وہ ارحم بھیا سے بات کریں گے"۔ شازمین نے اتنا ہی کہا تھا کہ نوید عالم ارحم کا نمبر ڈائل کرنے لگے تھے، اور اس سے بات کر کے وہ مطمئن ہو گئے تھے۔

"آپ لوگ پریشان نہ ہوں، حنین، ارحم کے ساتھ ہے"۔

"ارحم کے ساتھ.... وہ ارحم کو کہاں مل گئی؟"

"یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ، اور ارحم کہہ رہا تھا کہ وہ گھر نہیں آنا چاہتی، اس لیے وہ اُسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہے"۔

"بھائی صاحب! مجھے ابھی فریدہ کے گھر جانا ہے"۔ ساجدہ درمیان میں کہہ اُٹھی تھیں اور وہ دونوں نوید عالم کے ساتھ فریدہ کے ہاں جانے کے لیے نکل گئی تھیں، بہنوں کی وجہ سے اسجد گھر پر ہی رُک گیا تھا، اور وہ تینوں جس وقت وہاں پہنچے تھے سب ہی گھر والے لاؤنج میں موجود تھے اور حنین، فریدہ کے برابر صوفے پر اُن کی گود میں سر رکھے بیٹھی تھی۔

☆.........☆.........☆

"حنین! کہاں چلی گئی تھیں بیٹا؟ سب کتنا پریشان ہو گئے تھے"۔ فریدہ اُسے دیکھتے ہی بولی تھیں کیونکہ راحم نے انہیں بتا دیا تھا اور وہ راشدہ سے بات بھی کر چکی تھیں۔

"پھپھو! وہاں مجھ سے کوئی محبت نہیں کرتا، اس لیے میں آپ کے پاس آ گئی ہوں"۔ وہ اُن کے سینے سے لگتے ہوئے بولی تھی اور ان کے تو خاک بھی پلے نہیں پڑا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

"ارحم! یہ تمہیں کہاں سے ملی؟ اور یہ سب کیا کہہ رہی ہے؟"

"مما! مجھے خود اس کی باتیں سمجھ نہیں آ رہیں، میں تو ماموں جان سے ملنے کے لیے جا رہا تھا، گلی میں گاڑی مڑی تو ایک لڑکی کے چیخنے کی آواز پر میں نے ڈرائیور سے کہہ کر گاڑی رُکوائی، مجھے تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہاں یہ حنین ہو گی، یہ بے وقوف لڑکی بے سوچے سمجھے اتنی رات میں گھر سے اکیلی نکل آئی اور اسے اکیلے دیکھ کر لڑکے تنگ کرنے لگے، وہ تو اچھا ہوا میں وہاں وقت پر پہنچ گیا، ورنہ نجانے کیا ہوتا، آپ پوچھیں اس سے کہ اس طرح اتنی رات کو یہ گھر سے نکلی ہی کیوں؟ اوپر سے وہاں سڑک پر جمی کھڑی تھی کہ گھر نہیں جاؤں گی، اس لیے اسے میں یہاں لے کر آیا ہوں"۔ وہ کیپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"پھپھو! اب میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گی، وہاں کسی کو میری پرواہ نہیں ہے، ممی مجھے ہر وقت ڈانٹتی رہتی ہیں اور تائی بھی، ممی نے مجھے صبح تھپڑ مارا، اور اسجد بھائی نے میری بہت انسلٹ کی، مجھے اپنے کمرے سے دفع ہو جانے کو کہا، مجھے طمانچہ مارا، اور کمرے سے دھکے مار کر نکال دیا"۔

"مگر کیوں بیٹا؟" وہ تو اتنا سب سن کر ہی حیران رہ گئی تھیں۔

"میں آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں پھپھو! اور تایا ابو نے مجھے اجازت بھی دے دی تھی، مگر اسجد بھائی نے منع کر دیا اور مجھ پر غصہ کرتے ہوئے وہ آج صبح ناشتہ کیے بغیر چلے گئے، جس پر ممی نے مجھے مارا، اور بہت بُرا بھلا کہا۔ اور جب اسجد بھائی آفس سے آئے تب میں اُن کے کمرے میں بات کرنے گئی تھی، مگر انہوں نے مجھے بہت بے عزت کیا، ممی نے اس پر بھی اُن ہی کی سائیڈ لی، وہ میری ممی نہیں ہیں، وہ مجھ سے پیار بھی نہیں کرتیں، اب میں اُن سے بالکل بات نہیں کروں گی، وہاں اب کبھی نہیں جاؤں گی، آپ تو محبت کرتی ہیں ناں مجھ سے پھپھو! مجھے اپنے گھر میں رکھ لیں گی؟" فریدہ نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"چپ کر جاؤ بیٹا! میں سب سے بات کروں گی اور اسجد....!"

"اُن کا تو آپ نام بھی مت لیں، وہ بہت بُرے ہیں، انہوں نے میرا بازو اتنی زور سے پکڑا تھا کہ مجھے ابھی تک درد ہو رہا ہے، انہی کی وجہ سے میں نے گھر چھوڑا ہے"۔

"حنین بیٹا! آپ کو گھر سے لیکن اس طرح نہیں نکلنا چاہیے تھا، آپ کو کچھ ہو جاتا تو؟"

"اس سب کے ذمہ دار وہی ہیں اور انہی کی وجہ سے تایا ابو مجھے گاڑی نہیں دلاتے، مجھے سیکھنے بھی نہیں دیتے، اگر میرے پاس گاڑی ہوتی تو میں آرام سے آپ کے پاس آ جاتی، مجھے رکشے کے لیے اسٹاپ تک جانا نہیں پڑتا اور نہ ہی وہ لڑکے مجھے تنگ کرتے، وہ میرے ساتھ بہت بدتمیزی کر رہے تھے پھپھو!" اس نے روتے ہوئے بتایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مائدہ! حنین کے لیے پانی لے آؤ"۔ [illegible] پانی لے کر آئی تھی،
فریدہ نے اُسے پانی پلایا۔

"بس چپ کر جاؤ، اب بالکل نہیں رونا"۔ انہوں نے اس کے آنسو صاف کیے تھے اور اُس نے ان کی گود میں سَر رکھ دیا تھا۔

"پھپھو! میں اسجد بھائی سے اب بالکل بات نہیں کروں گی، وہ کہتے ہیں کہ وہ مجھے بالکل زرمین آپی اور شازمین بجو کی طرح سمجھتے ہیں، مگر وہ جھوٹ بولتے ہیں، انہوں نے کبھی شازمین بجو پر ہاتھ نہیں اُٹھایا، کبھی زرمین آپی کو نہیں ڈانٹا، مگر مجھے ہر وقت ڈانٹتے رہتے ہیں، اور آج تو انہوں نے...."

"تم چپ کر جاؤ بس، میں اسجد کو بہت ڈانٹوں گی"۔

"ماریئے گا بھی پھپھو! کیونکہ انہوں نے مجھے یہاں میرے چہرے پر ہٹ کیا ہے"۔ وہ سیدھی ہوئی تھی جبھی اُس کی نگاہ راحم کے ساتھ آتے نوید عالم پر پڑی تھی۔

"پھپھو! یہ سب یہاں کیوں آئے ہیں؟ میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گی"۔ اس نے فریدہ کا بازو دبوچ لیا تھا۔

"مائدہ بیٹا! بہن کو اپنے کمرے میں لے جاؤ"۔ کب سے خاموش بیٹھے یوسف الحسن نے مائدہ کو مخاطب کر کے کہا تھا اور وہ حنین کو اپنے ساتھ لے گئی تھی، ساجدہ بُری طرح رو رہی تھیں۔

"مامی! پلیز روئیے نہیں، وہ بالکل ٹھیک ہے"۔ ارحم نے انہیں شانوں سے تھامتے ہوئے صوفے پر لا بٹھایا تھا۔

"اگر اُسے کچھ ہو جاتا تو میں تو جیتے جی مر جاتی"۔ اُس نے راحم کو پانی لانے کا اشارہ کیا تھا اور اُن کے برابر بیٹھ گیا تھا۔

"اتنی سی بات پر وہ بغیر سوچے سمجھے گھر سے نکل گئی، اگر وہ تمہیں نہ ملتی بلکہ غلط ہاتھوں میں پہنچ جاتی تو میں کیا کرتی؟ میری تو بس یہی ایک بیٹی ہے جس کی خاطر میں جی رہی ہوں"۔

"پانی پی لیں مامی! اور کچھ بھی مت سوچیں، بچپنا بہت ہے اس میں اور کوئی بات نہیں ہے، ہم سب مل کر سمجھائیں گے تو سمجھ جائے گی"۔ ارحم نے زبردستی انہیں پانی پلایا تھا۔

"ماموں جان! آپ کیوں پریشان بیٹھے ہیں؟ میں نے کہا ناں وہ بالکل ٹھیک ہے، وہ مجھے آپ کے گھر کے نزدیکی اسٹاپ پر ہی مل گئی تھی"۔ وہ تفصیل انہیں بتانے لگا تھا۔ وہ ابھی تک یونیفارم میں تھا۔

"بھائی صاحب! ایسا کیا ہوا تھا کہ حنین نے انتہائی قدم اُٹھایا؟ آج ارحم اگر وہاں نہ پہنچتا تو نجانے کیا ہو جاتا"۔

"مما! جو ہوا نہیں ہے اُسے سوچ کر کیوں پریشان ہوں، اور ماموں جان پہلے ہی ڈسٹرب ہیں، آپ کی ایسی باتیں انہیں مزید پریشان کریں گی"۔ راحم نے مداخلت کی تھی۔

"لیکن بات تو یہ ہے ناں کہ حنین نے ایسا کیوں کیا؟ اور اسجد نے اس پر ہاتھ کیوں اُٹھایا؟" یوسف الحسن بھی بولے تھے۔

"بھیا جی! اسجد بیٹے کا بھی قصور نہیں ہے، حنین کی ہی ساری غلطی تھی، اُس نے بڑے بھائی سے کتنی بدتمیزی کی، مگر اُسے اس بات کا احساس نہیں ہے"۔ ساجدہ نے اسجد کی حمایت کی تھی۔

"بدتمیزی کی تھی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اسجد اس پر ہاتھ اُٹھاتا؟ وہ اگر غلطی پر بھی تھی تو اسجد کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا"۔ فریدہ صاف گوئی سے بولی تھیں۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ جس کے بارے میں کہہ رہی ہیں وہ صرف بھتیجا

نہیں، ہونے والا داماد بھی ہے۔ انہوں نے تو وہی کہا جو ٹھیک لگا۔

"فریدہ! تم کچھ نہیں جانتیں، اس لیے ایسے کہہ رہی ہو"۔ ساجدہ نے انہیں وقتاً فوقتاً ہونے والی تمام بحث ولڑائیاں کہہ سنائی تھیں۔

"نوکری کرنے کا خناس نجانے کہاں سے سما گیا ہے، اور حق کی بات کرتی ہے، یہ نہیں جانتی کہ اس کا تو کچھ ہے ہی نہیں"۔ وہ دکھ سے بولی تھیں۔

"پلیز ساجدہ! فضول باتیں نہیں کریں"۔ نوید عالم انہیں ٹوک گئے تھے۔

"فضول باتیں.... بھائی صاحب! آپ نے کیا کچھ نہیں کیا اس کے لیے، اور آج وہ آپ کے ہی خلاف ہو گئی ہے، کون سے حصے کی بات کرتی ہے؟ اس کے باپ کا ہے ہی کیا؟" دوپٹے میں آنسو جذب کرتے ہوئے وہ نوید عالم کو دیکھنے لگی تھیں۔

"چپ کر جاؤ ساجدہ! تمہاری ایسی ہی باتوں نے اس کے دل میں غبار بھر دیا ہے، میں نے کبھی اس میں اور اپنی بچیوں میں فرق نہیں کیا"۔ راشدہ نے انہیں کچھ کہنے سے روکنا چاہا تھا، مگر وہ بات کاٹ کر دوبارہ بولی تھیں۔

"فرق آپ لوگوں نے نہیں، خود اُس نے پیدا کیا ہے"۔

"اس میں کس کا قصور ہے بھابی! اگر حنین خود اس فرق کو پیدا کر رہی ہے تو اس کی وجہ ہوگی، اور آپ ماں ہو کر اُسے سمجھنے کی بجائے اُلٹا اُس پر لعن طعن کرتی رہتی ہیں۔ مائنڈ مت کیجئے گا بھابی! مگر سچائی یہی ہے، حنین میں بچپنا بہت ہے، اور ابھی اس کی عمر ہی کتنی ہے 16 سال، اور آپ اتنی سی عمر میں اُسے میچور بنا دینا چاہتی ہیں، آپ اُسے زرمین کی طرح کھانے پکانے میں ماہر، شازمین کی طرح سلائی میں ماہر اور مائدہ کی طرح صفائی پسند بنا دینا چاہتی ہیں، آپ اُسے حنین ہی رہنے دیں، کھانا بنانا وہ نہیں چاہتی تو مت بنوائیں اُس سے، کتنی ہی عورتوں کو کھانا بنانا نہیں آتا، ایک ہماری حنین کو بھی نہیں آئے گا تو کون سی قیامت آ جائے گی؟ آپ اُسے ایک ایک کی مثالیں دے کر اُسے کبھی زرمین کے جیسا تو کبھی مائدہ کے جیسا بننے کا مشورہ دے کر اُسے خود سے دور کر رہی ہیں، اُس کی نیچر ڈیفرنٹ ہے اور ہمیں اُسے اس کے حساب سے ہی ٹریٹ کرنا چاہیئے، بچہ اگر ناجائز ضد کر رہا ہو تو اُسے پیار سے روکا جائے تو بچہ مان لیتا ہے، مگر سختی کی جائے تو اُس کی ضد بڑھ جاتی ہے اور یہ والدین کے ہی ہاتھوں میں ہوتا ہے کہ وہ بچوں کو کس طرح کچھ بُرا کرنے سے روکیں۔ میں مانتی ہوں کہ حنین نے آپ سب کے ساتھ بہت بدتمیزی کی، مگر اُسے پیار سے سمجھایا جاتا تو وہ مان جاتی، مگر بات آپ لوگوں کے سخت رویے کی وجہ سے بڑھی، پہلے آپ نے اور بعد میں اسجد نے اس پر ہاتھ اُٹھایا، اسجد کے ناشتہ کیے بغیر جانے کا ذمہ دار اُسے ٹھہرایا گیا، ٹھیک ہے سبب وہی تھی، مگر یہ اُسے جتانا ضروری نہیں تھا، اور اُس نے غصّے میں جو قدم اُٹھایا، اگر اُس کے ساتھ کچھ غلط ہو جاتا اس کے نتیجے میں تو کون ذمہ دار ہوتا؟ کیونکہ اُسے اتنی عقل نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہی ہے، اُسے ڈانٹا مارا گیا تو اُس نے سوچا کوئی اُس سے محبت نہیں کرتا، اس لیے وہ میرے پاس آنا چاہ رہی تھی، یعنی وہ محبت و توجہ چاہتی ہے۔ بچپن سے اُس کے بہت لاڈ اُٹھائے گئے ہیں اب اس کے ایک دم پیچھے پڑ جائیں گے تو وہ ہم سے ہی بدظن ہو گی، جب سے وہ میرے پاس آئی تھی بس اسجد کی بُرائی کر رہی تھی، ایسا نہیں ہے کہ وہ اسجد کو کچھ غلط کہہ رہی تھی، اُس نے یہی کہا کہ وہ اُسے بہن کہتا ہے سمجھتا نہیں، جبکہ سچائی یہ نہیں ہے، ہم سب نے دیکھا ہے اسجد اس کی کتنی پرواہ کرتا ہے اور بات یہی ہے، اسجد کے اندر شدّت پسندی بہت ہے، وہ اس کی پرواہ کرتا ہے، مگر جب کسی بھی بات کی مخالفت پر آتا ہے تو بے انتہا سختی سے کام لیتا ہے اور وہ یہ سب برداشت نہیں کر پاتی۔ اسجد کی حرکت سے وہ بے طرح ہرٹ ہوئی ہے، میں اسجد کو جانتی ہوں اُس نے غصّے میں جانے کو ضرور کہا ہوگا، مگر ہاتھ پکڑ کر نکالا نہیں ہوگا، مگر وہ برملا کہہ رہی ہے کہ اسجد نے اُسے کمرے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکلا، تو ایسا نہیں ہے کہ وہ اُس پر بہتان باندھ رہی ہے، اسجد کے انداز سے اُسے ایسا لگا ہوگا تو اُس نے وہی کہہ دیا، ہم سب کو اُسے سمجھنے کی ضرورت ہے، محبت واپنائیت سے اُسے سمجھایا جائے گا تو وہ مان جائے گی، اور ظرف تو ہم سب کو ہی بڑا رکھنا ہوگا، کیونکہ وہ تو ہے ہی سب سے چھوٹی، اُسے اہمیت دیں گے تو ہی بات بنے گی ورنہ بہت مشکل ہو جائے گی''۔ فریدہ نے لمحوں میں حنین کے ساتھ سب ہی کی ذات کی کمزوریاں بھی کھول کر رکھ دی تھیں۔

''یہ بات مجھے بھی لگتی ہے، یہی میں بھی ساجدہ کو سمجھاتا ہوں، اسی لیے میں نے حنین کو آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دی کیونکہ میں حنین کو اچھی طرح سے سمجھتا ہوں، وہ 2، 3 دن آفس جاتیں اور اُن کا شوق ختم.... اور یہی بات میں اسجد کو بھی سمجھانا چاہ رہا تھا، مگر اسجد سے میں کھل کر بات نہیں کر سکا اور حنین نے خود جا کر اس سے بات کر لی، اور وہ سب ہو گیا، ورنہ نوبت کبھی بھی یہاں تک نہ پہنچتی''۔ نوید عالم نے ان کی بات کی حمایت میں ہی بات آگے بڑھاتے ہوئے اپنے دل کی بات سامنے رکھ دی تھی۔

''چلیں بھئی! اب تو جو ہونا تھا ہو گیا ہے، چل کر ہم سب کھانا کھا لیتے ہیں، بڑی ہی بھوک لگی ہے، مائدہ بیٹی! جا کر دستر خوان سجاؤ، ہم سب آ رہے ہیں''۔ یوسف الحسن نے بات نکلنے سے پہلے ہی اُسے ختم کر دینا چاہا تھا۔

''ہاں مائدہ بیٹا! آپ کے ہاتھ کا کھانا کھائے ہوئے دن بھی بڑے ہو گئے ہیں اور بھوک بھی زبردست لگی ہوئی ہے، آج تو ہم سب ہی سیر ہو کر اپنی بیٹی کے ہاتھ کا کھانا کھائیں گے''۔ نوید عالم کے پیار بھرے انداز پر وہ مسکراتے ہوئے پلٹ گئی تھی۔

''میں چینج کر کے آتا ہوں، بھوک تو مجھے بھی واقعی لگی ہوئی ہے''۔ ارحم اُٹھتے ہوئے بولا تھا۔

''میں جا کر مائدہ کی مدد کر دیتا ہوں، یہاں تو سارے ہی بھوکے جمع ہیں''۔ راحم مذاق سے کہتا ہوا کچن کی طرف بڑھ گیا تھا۔ مائدہ نے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا چُننے کے بعد اپنے اور حنین کے لیے ٹرے میں کھانا رکھا تھا اور اُن سب کو کھانے کے لیے بلا لائی تھی۔

''جاؤ بیٹا! حنین کے لیے کھانا لے جاؤ، آپ بھی اُسی کے ساتھ کھا لینا، ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوگی خود لے لیں گے''۔ نوید عالم چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولے تھے اور وہ اثبات میں سر ہلاتی وہاں سے ہٹ گئی تھی، پھر بڑے ہی خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا تھا اور کھانے کے بعد چائے کا دور چل رہا تھا، جب زرمین کی شادی کی بات فریدہ نے کر دی تھی اور اس موضوع پر کافی ہی دیر بات چلتی رہی تھی۔

☆............☆............☆

''اسجد بھائی! کھانا کھا لیں''۔ اُس نے صبح سے ہی کچھ نہیں کھایا تھا، اس لیے زرمین سے ابھی آنے کا کہہ کر وہ چینج کرنے چلا گیا تھا''۔ کیونکہ وہ خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا، اس لیے ایسے ہی بیڈ پر نیم دراز تھا، یسریٰ کی ٹینشن کی وجہ سے وہ حنین کے ساتھ اتنی سختی سے پیش آیا تھا، مگر حنین کا ردِعمل اُسے دکھ سے دوچار کرتے ہوئے اُس کی ٹینشن کو مزید بڑھانے کا سبب بن گیا تھا۔

''ابو وغیرہ کیا ابھی تک پھپھو کے ہاں سے نہیں آئے؟''

''راحم کا فون آیا تھا کہ وہ لوگ کھانا کھا کر آئیں گے، اس لیے ہم لوگ کھانا کھا لیں''۔ زرمین اپنی چیئر پر بیٹھتے ہوئے بتانے لگی تھی، راحم کا فون اُسی نے اٹینڈ کیا تھا۔

''حنین کیسی ہے، وہ ٹھیک تو ہے؟''

''وہ ٹھیک ہے، ارحم کو وہ اپنے ہی اسٹاپ پر مل گئی تھی''۔ زرمین اس کی فکرمندی ختم کرنے کے لیے راحم سے ہونے

والی گفتگو بتانے لگی تھی۔

''تھینک گاڈ کہ وہ ارحم کو مل گئی تھی، وگرنہ اس کی جذباتیت نجانے کیا رنگ لاتی''۔ وہ کہتے ہوئے نوالہ منہ میں رکھ گیا تھا۔

''اسجد بھائی! آپ کو حنین پر ہاتھ نہیں اُٹھانا چاہیئے تھا''۔

''وہ سب ٹینشن میں ہو گیا، ایسا تو کبھی میں نے سوچا بھی نہیں تھا، اسی لیے میں نے اُس وقت حنین کو جانے کو کہا تھا، کیونکہ میں اپنی فرسٹریشن اُس پر نہیں نکالنا چاہتا تھا، مگر وہ ضدی لڑکی....'' اُس کے ہنکارا اُبھرنے پر شازمین بولی تھی۔

''جو ہونا تھا وہ ہو گیا، لیکن حنین کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا''۔

''اب کیا کہہ سکتے ہیں، یہ تو ہم میں سے کسی کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ غصّے میں گھر سے ہی نکل جائے گی''۔ زرمین قدرے افسوس سے کہہ رہی تھی۔

''بھائی! آپ کچھ ڈسٹرب لگ رہے ہیں، کیا کوئی پریشانی والی بات ہے؟''

''ہاں.... تھی ایک پرابلم، مگر اب وہ سولو ہو چکی ہے، یُو ڈونٹ وری''۔ وہ نیپکن سے منہ اور ہاتھ صاف کرتا چیئر کھسکا کر اُٹھ گیا تھا۔

''زرمین! چائے مجھے کمرے میں دے دینا''۔

''پتہ نہیں کیا بات ہے جو اسجد بھائی ہم سے چھپا رہے ہیں''۔

''ہو سکتا ہے بات ایسی ہو جو وہ بتا نہ سکتے ہوں، اور وہ جب کہہ رہے تھے کہ مسئلہ حل ہو چکا ہے تو تمہیں فضول کی سوچیں پالنے کی ضرورت نہیں ہے اور اب فوراً اُٹھو، جا کر چائے بناؤ، اور مجھے بھی کمرے میں ہی دے دینا، طبیعت کچھ بوجھل سی ہو رہی ہے، برتن صبح دھو لوں گی، تم صرف چائے بنا لینا''۔ وہ چھوٹی بہن کو ہدایت کرتی اُٹھ گئی تھی اور شازمین نے چائے چڑھا کر برتن دھونے شروع کر دیئے تھے اور جتنی دیر میں چائے بنی تھی برتن بھی دھل گئے تھے اور وہ اسجد کو چائے دے کر دو کپ ٹرے میں رکھے زرمین کے کمرے میں آ گئی تھی۔

''زرمین آپی! سر میں بہت درد ہو رہا ہے تو میں دبا دوں؟'' زرمین سیدھے ہاتھ سے ماتھا اور کنپٹی مسل رہی تھی، تو اُسے فکر سی ہونے لگی تھی۔

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ بیٹھتے ہوئے کپ اُٹھانے لگی تھی۔

''آپ حنین کے بارے میں سوچ رہی ہیں؟''

''نہیں، اُس بے وقوف سے مجھے اتنی بڑی غلطی کی توقع نہیں تھی، پتہ نہیں فضول سوچیں کہاں سے اُس کے دماغ میں آ جاتی ہیں''۔ وہ اس کی بات کی نفی کرتے ہوئے اُسی موضوع کو کھول بیٹھی تھی۔

''لیکن ارحم بھیا.... وہ یہاں کیا کر رہے تھے؟''

''اب بے وقوفوں والی باتیں تو نہ کرو، ظاہر ہے وہ ہمارے ہی گھر آ رہے ہوں گے''۔ اس کے چڑنے پر وہ کچھ خفیف سی ہو گئی تھی۔

''میرا یہ مطلب تھوڑی تھا، آپ یہ بتایئے آپی! کہ آپ حنین کو لے کر پریشان ہیں یا کوئی اور بات ہے؟''

''کیسی باتیں کر رہی ہو شازمین! ظاہر ہے میں حنین کو ہی لے کر پریشان ہوں، اس کی حرکت نے ہم سب کو ہی پریشان کر دیا تھا''۔

''مگر وہ خیریت سے ہے، اس لیے آپ کو ریلکس ہو جانا چاہیئے، آپ کہیں فضیل بھائی کے بارے میں تو نہیں سوچ رہیں؟'' وہ ایکسائیٹڈ ہو گئی تھی اور تکیہ گود میں رکھتے ہوئے شریر نگاہوں سے بہن کو دیکھنے لگی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں اُن کے بارے میں کیوں سوچوں گی؟" وہ کچھ خفا ہوئی تھی، مگر جس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ فُل فارم میں آ چکی تھی۔

"کیوں بھئی! آپ کیوں فضیل بھائی کے بارے میں نہیں سوچیں گی، آفٹر آل وہ آپ کے ہونے والے شوہر ہیں، آپ کو تو اب اُن کے خواب دیکھنے کی بھی اجازت ہے"۔

"فضول باتیں نہ کرو شازمین! میرے سَر میں پہلے ہی درد ہو رہا ہے"۔

"یہ بتایئے نا آپ کو وہ لگتے کیسے ہیں؟"

"جیسے ہیں ویسے ہی لگتے ہیں، اب اُٹھو یہاں سے"۔

"کیا آپی! اب مجھ سے بھی چھپائیں گی؟ بتایئے ناں، آپ کو فضیل بھائی کیسے لگتے ہیں؟ آپ کی اُن سے بہت جلد شادی ہونے والی ہے، شاید اسی ماہ....!"

"شازمین! کیوں دماغ خراب کر رہی ہو؟"

"آپ مجھے جب تک نہیں بتائیں گی کہ آپ کو بھائی پسند ہیں یا نہیں، تو میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں"۔ وہ اس کا روڈ انداز نظر انداز کرتے ہوئے پھیل کر بیٹھ گئی تھی۔

"میں نے فضیل کے بارے میں اس طرح کبھی نہیں سوچا تھا"۔

"کیا وہ آپ کو ناپسند ہیں؟"

"میں نے ایسا نہیں کہا، فضیل کی فیملی سے ہماری فیملی کے بہت اچھے تعلقات ہیں، فضیل کے بارے میں، میں نے یہ گمان کبھی نہیں کیا تھا"۔

"کیا آپ کسی اور کو پسند کرتی ہیں؟" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تھی اور وہ دھک سے رہ گئی تھی اور دل کا چور چھپانے کے لیے خفگی سے بولی تھی۔

"بس اپنی ہی ہانکے جایا کرو، میں نے ایسا کب کہا؟"

"وہ مجھے ایسا لگا تو میں نے کہہ دیا، کیونکہ آپ جب سے ہی مضطرب لگ رہی ہیں، جب سے فضیل بھائی کا آپ کے لیے رشتہ آیا ہے"۔ اُس کا انداز پُرسوچ تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، فضیل کو میرے لیے میرے پیرنٹس نے چُنا ہے، اور مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے"۔ وہ صاف گوئی سے کہہ رہی تھی، کیونکہ حقیقت بھی یہی تھی، اُس کے دل میں کوئی اور تھا بھی تو وہ اُسے اپنے دل میں ہی دفن کر دینے کا فیصلہ کر چکی تھی، کیونکہ وہ ان بیٹیوں میں سے نہیں تھی جو والدین کی عزت خراب کرنے کا سبب بنتی ہیں، اس کا شمار تو ان بیٹیوں میں ہوتا تھا جو والدین کے فیصلوں کے احترام میں اپنی بڑی سے بڑی خوشی بھی تیاگ دیتی ہیں اور اُن کا حکم عبادت سمجھ کر مانتی اور پورا کرتی ہیں۔

"یہ بات تو میں محسوس کر ہی سکتی ہوں، جس دن مہوش آنٹی اور انکل شگن کے لیے آئے تھے، امّی نے آپ کو اُسی دن بتایا اور ایک ماہ میں شادی کی بات ہو رہی ہے، نہ آپ سے کسی نے کچھ پوچھا اور نہ ہی آپ نے خود کچھ کہا۔

"وہ بہن کی فرمانبرداری سے واقف تھی۔

"شازمین! تم کیسی باتیں کر رہی ہو، اب امّی، ابو فیصلے مجھ سے پوچھ کر کریں گے؟ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے اور کچھ نہیں، ورنہ 3 ماہ قبل راحم سے تمہاری منگنی کرتے وقت کب پوچھا گیا تھا اور تو اور اسجد بھائی سے بھی نہیں پوچھا گیا۔ ہمارے پیرنٹس ہمارے لیے جو فیصلے کر رہے ہیں وہ ٹھیک ہیں، انہوں نے ہم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے، ہم اُن کے فیصلوں

کو کیسے چیلنج کر سکتے ہیں؟"

"ہماری زندگی کے اتنے بڑے فیصلے کرتے وقت ہماری رائے تو لی جا سکتی ہے؟"

"یہ بات تمہیں راحم سے منگنی کے وقت کرنی چاہیئے تھی، ویسے کیا تمہیں راحم سے رشتے پر اعتراض ہے؟"

"میں نے یہ کب کہا، میں اس رشتے سے بہت خوش ہوں، کیا آپ نہیں جانتیں کہ میں اور راحم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، تو اعتراض کیوں کرتی میں؟ میرے تو دل کی خواہش پوری ہو گئی ہے"۔

"یہی بات ہے، پیرنٹس اپنے بچوں کے بارے میں کبھی غلط نہیں سوچتے، تم نے اُنہیں کچھ نہیں بتایا، مگر وہ بغیر جانے بھی تمہارے دل کی بات جان گئے اور جہاں تک میری بات ہے، میں اس رشتے کو نہ پسند کرتی ہوں اور نہ میں اس رشتے کے خلاف ہوں، کیونکہ یہ میرے پیرنٹس کا فیصلہ ہے جس کا میں احترام کروں گی"۔ وہ نہایت سچائی سے کہہ رہی تھی۔

"آپ سے تو مجھے یہی اُمید تھی، مگر میں نے یہ ذکر اس لیے کیا کہ مجھے لگتا تھا کہ شاید آپ کسی کو پسند کرتی ہیں، اور ابو کے فیصلے کا احترام کرنے کے لیے چُپ ہیں اور آپی! ایسی بات ہے تو آپ اپنے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں، کیونکہ آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ اپنی پسند سے اپنے پیرنٹس کو آگاہ کریں"۔

"لیکن.... میں ایسا نہیں سمجھتی، اور تم جیسا سوچ رہی ہو ویسا تو بالکل نہیں ہے، اگر ایسی کوئی بات ہوتی بھی تو میں کبھی ابو سے تو کیا امی سے بھی نہ کہتی، کیونکہ میرا یہ ایمان ہے کہ پیرنٹس بچوں کا بُرا کبھی نہیں چاہتے اور ابو نے میرے لیے فضیل کو پسند کیا ہے تو یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے ابو سے کروایا ہے، اب میں اپنی پسند بتا بھی دوں تو کیا فائدہ؟ مجھے ملے گا تو وہی جو میرے نصیب میں ہے، اس سے بس اتنا ہوگا کہ میرے والدین کا مان جو وہ مجھ پر رکھتے ہیں، ٹوٹ جائے گا، اور جو میں کبھی نہیں چاہوں گی"۔ زرمین کو وہ بس دیکھ کر رہ گئی تھی، جو آنکھوں کی نمی چھپانے کی کوشش میں چہرہ کچھ جھکا گئی تھی اور انگلیوں کی پوروں میں آنسو جذب کرنے لگی تھی۔

"آپی! آپ محبت کرتی ہیں ناں اور......"

"پلیز شازمین! یہ بات کبھی نہ کرنا، وہ میرا ایک ایسا خواب ہے جو کبھی تعبیر نہیں پائے گا، اور یہ ذکر میری ذات کا مان بکھیر دے گا، اور کیا تم اپنی آپی کو بکھرتا ہوا دیکھنا چاہتی ہو؟" وہ جلدی سے نفی میں سر ہلا گئی تھی اور وہ وہاں سے اُٹھ گئی تھی اور جتنے آنسو اُس نے شازمین کے سامنے روک لیے تھے اُس سے کہیں زیادہ واش روم میں آ کر شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بہا دیئے تھے۔

☆............☆............☆

"بھائی صاحب! پھر آپ نے زرمین بیٹی کی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں، آپ خواتین مل بیٹھ کر کوئی فیصلہ کر لیں، تیاریاں بھی تو آپ لوگوں نے ہی کرنی ہوں گی، ہاں جو کام ہمارے کرنے کے ہیں، وہ ہم لوگ کر لیں گے"۔

"میں تو یہی کہوں گا کہ اللہ کا نام لے کر شادی کی تاریخ مقرر کر دینی چاہیئے، پھر آگے ہماری زرمین بیٹی کا نصیب، لڑکا اور فیملی دونوں ہی دیکھے بھالے ہیں، سوچ بچار کرنے سے کیا فائدہ؟" یوسف الحسن چائے کے سِپ لیتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"بھیا جی! بیٹیوں کی شادی میں سو بکھیڑے ہوتے ہیں، 20، 22 دنوں میں سب کیسے مینیج ہوگا؟" راشدہ اتنی جلد بازی کے خلاف ہی تھیں۔

"سب مینیج ہو جائے گا بھابی بیگم! اور آپ اکیلی نہیں ہیں، ہم سب بھی تو ہیں، ہم سب مل کر ذمہ داریاں بانٹ لیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گے“۔

”یوسف بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، بس بھائی صاحب! اللہ کا نام لے کر ہاں کردیں، اللہ تعالیٰ ہماری زرمین کے نصیب سے سب اچھا ہی کرے گا“۔

”ٹھیک ہے بھئی.....! جیسے آپ سب کی مرضی ہو“۔ نوید عالم کو اور کیا چاہیئے تھا، جب ان کی بیٹی کو اتنے دعائیں دینے والے اور آگے بڑھ کر کام کرنے والے موجود تھے تو وہ کیوں خود کو ہلکان کرتے، اور زرمین کی شادی انہیں آج نہیں تو کل، کرنی ہی تھی، اس لیے انہوں نے اپنی رضامندی دے دی تھی۔

”میں ابھی فون کر کے مہوش سے کہہ دیتی ہوں، تاکہ وہ کل ہی تاریخ لینے آجائے“۔

”اتنی جلدی کیا ہے، صبح فون کر لینا“۔

”نہیں، بھابی بیگم! نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیئے، جاؤ فریدہ! فون کر لو، اور تم اُٹھو ارحم! اور دوڑ کر مٹھائی لے آؤ، تاکہ ہم سب منہ میٹھا تو کر لیں“۔ یوسف الحسن کے کہنے پر ارحم فوراً ہی اُٹھ گیا تھا اور فریدہ کے کہنے پر مائدہ وائرلیس فون لینے چلی گئی تھی۔

”ہاں بھئی..... مہوش! کیسی ہو؟“ سلام دعا کے بعد فریدہ نے دوست کی خیریت دریافت کی تھی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں، مگر فریدہ تُو کسی کام کی نہیں ہے یار!“ وہ دونوں بچپن کی سہیلیاں تھیں اور بے تکلفی بھی اسی لحاظ سے تھی۔

”کیوں بھئی! ایسا کیا کام کہہ دیا تھا تم نے جو میں نے نہیں کیا؟ بھول گئیں..... اپنے فضیل کی بات میں نے کیسے منٹوں میں طے کروادی، ورنہ جوتے ہی گھستی رہتیں، بھائی صاحب نے اتنی جلدی ہاں نہیں کہنی تھی، وہ تو میں ہی بیچ میں تھی جو مہینوں کا کام دنوں میں کروادیا“۔ انہوں نے دوست کو شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

”چلو بھئی! اب انتظار کی گھڑیاں شروع ہوتی ہیں، یہ محترمہ گھنٹہ 2 گھنٹے سے پہلے فون نہیں رکھنے والیں“۔ یوسف الحسن کی بات پر سب ہی مسکرادیئے تھے۔

”یار! کہہ تو تُو ٹھیک ہی رہی ہے، مگر یہ مت بھول کہ صرف تُو ہی نہیں، میں بھی نوید بھائی صاحب کی بہن ہوں، میں ڈائریکٹ اُن کے آگے دستِ سوال بلند کرتی تو وہ مجھے خالی ہاتھ نہ لوٹاتے، زرمین میری بھی تو بیٹی ہے، حق رکھتی ہوں اُس پر“۔ مہوش حق سے بولی تھیں، کیونکہ نوید عالم نے فریدہ اور مہوش میں کبھی بھی فرق نہیں کیا تھا۔

”تو ہمیں کون سا انکار ہے کہ تم حق نہیں رکھتیں، تمہارا حق تسلیم کرتے ہیں، جبھی تو سوچنے کا ٹائم بھی نہیں لیا اور بات طے کردی“۔

”تم نے بھائی صاحب سے بات کی کہ میں اسی ماہ کی کوئی تاریخ رکھنا چاہ رہی ہوں؟“

”بات کی تھی میں نے، مگر بھائی صاحب اتنی جلدی پر کچھ معترض ہیں“۔

”تم نے بات منوانے کی کوشش تو کی ہوتی“۔

”تجھے کیا لگتا ہے میں نے کچھ نہیں کیا، ہر طرح سے کوشش کی، مگر بھابی بیگم بھی راضی نہ ہوئیں“۔ وہ شرارت سے مسکرا رہی تھیں۔

”تمہاری ماں، کبھی بڑی نہیں ہوگی، اب دوست کو ستائیں گی اور پھر خوب اُس کا مذاق بنا کر ہنسیں گی، وہ خفا ہو جائے گی تو دوڑی دوڑی اُسے منانے جائیں گی“۔ یوسف الحسن بیوی کو پیار سے دیکھتے ہوئے بیٹے سے بولے تھے کیونکہ ہولت سے جائیں یا ایمرجنسی میں وہ ہی تو انہیں 27 سالوں سے لے جا رہے تھے، ارحم محض مسکرادیا تھا، کیونکہ وہ بھی اپنی ماں کے اس خوبصورت روپ سے بہ خوبی واقف تھا۔ وہ ایک زندہ دل ہنسنے ہنسانے والی خاتون تھیں، کسی کو ناراض تو دیکھ ہی نہیں سکتیں۔

”تجھ سے کچھ نہیں ہوگا، میں کل ہی بھائی صاحب کے گھر جاؤں گی، اور دیکھنا تاریخ لے کر ہی لوٹوں گی“۔ مہوش کے لہجے میں وہ مان بول رہا تھا جو نوید عالم نے انہیں سونپا تھا اور وہ برملا کہتی تھیں کہ اُن کا ایک نہیں دو بھائی ہیں۔

”ٹھیک ہے، تُو کل بھائی صاحب کے گھر پوری تیاری کے ساتھ آجا، پھر ہم دونوں مل کر انہیں منالیں گے“۔ انہوں نے مہوش کا مان بڑھانے کے لیے اُسے سچائی نہیں بتائی تھی۔

”اور یہ بتا بھیا صاحب سے سمیرا کی شادی کی کیا ڈیٹ لی ہے؟“

”اس ماہ کی 24 کی مایوں، 25 کی برات اور 26 کا ولیمہ، جبکہ فیاض کہہ رہے تھے ولیمہ کچھ دن کے گیپ سے رکھ لیتے ہیں، مگر بھیا صاحب نے اس کے لیے منع کر دیا“۔

”ٹھیک ہے، تُو کل بھائی صاحب کے گھر آجا، اور ایسا کرنا بھیا صاحب کو بھی لے کر آنا، تاکہ دونوں بچیوں کی تاریخ ساتھ ہی طے کر لیں“۔

”ہاں..... یہی ٹھیک رہے گا، بس اللہ کرے بھائی صاحب مان جائیں، کیونکہ فضیل کے سر پر سہرا اپنی ہی زندگی میں سجا دیکھنا چاہتے ہیں، فضیل کو بھیا صاحب نے ہمیشہ بیٹوں کی طرح ہی سمجھا ہے“۔ وہ کچھ اُداس ہوگئی تھیں۔

”پریشان نہ ہو مہوش! اللہ سب بہتر کرے گا، اور دیکھنا بھیا صاحب کو بھی کچھ نہیں ہوگا، وہ بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔

”آمین.....!“ ان دونوں نے ایک ساتھ دل سے کہا تھا۔

”اچھا اب میں فون رکھتی ہوں، کل بھائی صاحب کے گھر ملاقات ہوگی، اور بیٹا پوری تیاری سے آنا، ہم لڑکی والے ہیں، تاریخ دینے میں کچھ تو نخرے دکھائیں گے“۔

”تیرے نخرے سر آنکھوں پر، مگر یاد رکھنا، صرف لڑکی کی نہیں، تم لڑکے کی بھی اکلوتی پھپھو ہو“۔ انہوں نے فریدہ کو کچھ یاد دلانا چاہا تھا۔

”یاد ہے مجھے، نیگ لینے کا وقت آیا ہے تو بھولوں گی نہیں، اور میرے دو دو بھتیجوں کی شادی ہے، نیگ بھی اُسی حساب سے لوں گی، یاد رکھنا“۔ فریدہ نے ہنستے ہوئے کہا تھا اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد فون رکھ دیا تھا۔

”بھائی صاحب! وہ کل آرہی ہے، تاریخ لینے“۔

”آپ کی باتیں ہم سن چکے ہیں، بات مختصر نہیں کر سکتی تھیں؟“

”آپ بھی کیسی باتیں کرتے ہیں یوسف! مجھ سے ہاں ہاں، جی جی کر کے باتیں نہیں ہوتیں، بات سے بات خود ہی نکل جاتی ہے“۔ وہ کچھ خفا ہوئی تھیں۔

”اچھا بھئی! ہمیں اب اجازت دو، کافی وقت گزر گیا ہے، بچیاں بھی گھر میں پریشان ہو رہی ہوں گی اور اب تو کل کے انتظامات کرنے کی بھی فکر ہے“۔ راشدہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھیں۔

”کل کی تو آپ فکر ہی نہ کریں بھابی بیگم! سب کام اچھے ہو جائیں گے، صبح ہی فریدہ وہاں آپ کی مدد کو پہنچ جائے گی“۔ یوسف الحسن کی اپنائیت پر وہ مسکرادی تھیں اور وہ لوگ اجازت لے کر چلے گئے تھے۔

☆..........☆..........☆

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عائشہ الیاس

افسانہ

عمل

کاظم ہاؤس میں صبح عید کی نماز کے بعد جونہی گائے کی قربانی ہوئی، گویا گھر میں ہڑبونگ مچ گئی، گھر کے بڑے سے صحن میں گائے ذبح ہوئی تھی، اور وہیں صحن میں بیٹھا قصائی گوشت کی بوٹیاں بنا رہا تھا، جیسے جیسے گوشت



کے حصے بنتے جاتے، کاظم صاحب اندر لاؤنج میں بیٹھی شاہدہ بیگم کو پتیلیوں میں بھر بھر کر گوشت بھجواتے جاتے، کیونکہ گوشت کی تقسیم کا ذمہ انہوں نے لیا ہوا تھا، پورے لاؤنج میں ہل چل مچی ہوئی تھی، وہ تھیلیوں کی کمی پر شور مچاتیں تو کوئی فوراً تھیلیاں لینے دوڑتا، کبھی ڈشز نہیں ملتیں تو اس پر شور مچتا، اس وقت ان کی پانچوں آل اولاد ماں کے حکم کی بھاگ دوڑ میں مصروف تھی، البتہ سب میں بڑی زاہدہ اس بھاگ دوڑ سے بچی کچن میں کلیجی بھوننے میں مصروف تھی، روشن آراء بیگم لاؤنج میں تخت پر براجمان چھالیا کترنے میں مصروف تھیں، ساتھ ساتھ بہو کی حرکتوں پر خوب کلس رہی تھیں، جو گوشت کی تقسیم میں اپنے امیر کبیر جاننے والوں کے لیے ڈشز میں بھر کر گوشت ڈالتیں اور جو درمیانے تھے، ان کے لیے ان کے حساب سے تھیلیوں میں درمیانہ سا ہی حصہ ڈالتیں، باقی غریبوں اور مسکینوں کے حصے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، اور بھولا بھٹکا دروازے پر کوئی مانگنے آ ہی جاتا، تو اخبار میں ایک ہڈی دو چربیاں اور ایک مریل سی بوٹی ڈال کر دے دیتیں، روشن آراء، بہو کی اس حرکت پر خوب پیچ و تاب کھا رہی تھیں، ان کا دل بہت بڑا تھا، وہ جسے دیتیں دل کھول کر دیتیں، جب گھر میں ان کا راج



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا، تو وہ قربانی کا گوشت دل کھول کر غریبوں، مسکینوں میں دیتیں اور صرف تھوڑا سا اپنے لیے رکھتیں، جو صرف ایک یا دو وقت پکانے میں آتا، خاندان میں ان کی مہمان نوازی مشہور تھی، عید تو عید وہ عام دنوں میں بھی مہمانوں کی شاندار دعوت کرتیں، پر اب وہ مجبور تھیں، ان کی حکومت کا وقت ختم ہو چکا تھا، اس لیے سوائے افسوس کرنے اور اللہ سے ہدایت مانگنے کے کچھ نہیں کر سکتی تھیں، شاہدہ بیگم نے آدھے سے زیادہ قربانی کا گوشت فریزر میں رکھوا دیا، تمام کام سمیٹنے کے بعد دوپہر کا کھانا لگوایا گیا، گرم گرم بھنی ہوئی کلیجی کے اور گرم نان کے ساتھ وہ لوگ خوب لطف اندوز ہو کر کھانا کھا رہے تھے، اور روشن آراء کو کھانا کھاتے ہوئے ہر نوالا حلق میں اٹکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''یا اللہ! یہ کیسا گھر ہے، جہاں آج عید تہوار کے دن بھی نہ کسی مہمان کو کھانا کھلایا گیا اور نہ ہی کسی غریب کو''۔ انہوں نے دل ہی دل میں خدا سے افسوس کیا اور شاید خدا نے ان کے بہت قریب ہو کر ان کی سن لی تھی، جبھی کھانے کے بعد روشن آراء کی بہن کی بہو کا بیٹا بیوی بچوں سمیت آ گیا، انہیں دیکھ کر روشن آراء کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، پر شاہدہ بیگم کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''السلام و علیکم نانی! السلام و علیکم آنٹی!'' دونوں میاں بیوی نے روشن آراء کے تخت کے پاس رکھی کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے باری باری روشن آراء اور شاہدہ بیگم کو سلام کیا، شاہدہ بیگم نے تو ہلکی سی آواز میں روکھا پھیکا سا جواب دیا، لہجے کے روکھے پن کی خاص وجہ ان کا نچلے طبقے سے تعلق ہونا تھا، جہاں انہیں کوئی مالدار لوگ ملتے وہ پہلی فرصت میں ان سے تعلقات بنانے میں دیر نہ کرتیں، اور اتنی خوش اخلاقی سے پیش آتیں کہ سامنے والا ان کے اخلاق کا دلدادہ ہو جاتا، اور جہاں کوئی بے چارا غریب ملتا تو اسے اتنی حقارت سے دیکھتیں کہ اس غریب بے چارے کو اپنا آپ کمتر محسوس ہونے لگتا، اور یہی عادت انہوں نے اپنے بچوں میں بھی منتقل کی تھی، پر روشن آراء ہرگز ایسی نہ تھیں، ان کے اخلاق کی گواہی زمانہ بھر دیتا تھا، ابھی بھی وہ ان کے آنے پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں، فوراً اٹھ کر انہوں نے پیار سے اُن میاں بیوی کے ماتھے پر بوسہ دیا، بچوں کو گود میں بٹھا کر خوب پیار کیا، جبکہ شاہدہ بیگم کوفت سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھیں۔

''اور بتاؤ بیٹا! گھر میں سب ٹھیک ٹھاک ہیں؟''

''جی نانی! سب ٹھیک ہیں، امی نے آپ کو سلام بھیجا ہے''۔ میمونہ نے رسانیت سے کہا۔

''وعلیکم السلام! پر اُسے کہنا سلام ہی بھجواتی رہنا، اتنی توفیق نہ ہو گی کبھی کہ آ کر مجھ سے مل ہی لے''۔ روشن آراء نے شکوہ کیا۔

''ارے نہیں نانی! آج ان کا ہمارے ساتھ ہی یہاں آنے کا پروگرام تھا، پر طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے آ نہیں پائیں، آنا تو آج ہمارا بھی مشکل ہی تھا، پر سعدیہ بچوں کے ساتھ رہنے آئی ہوئی ہے، اس لیے انہوں نے کہا ہم ضرور آج آپ سے ملنے جائیں، ان کا خیال رکھنے کو سعدیہ موجود ہے، انہوں نے تو یہ بھی کہا ہے کہ ہم آپ کو ساتھ گھر لے کر آئیں''۔

''ارے بیٹا! میں بھلا کہاں نکل سکتی ہوں؟ یہ گھٹنوں کا درد کہیں جانے ہی نہیں دیتا، اب تو بس اسی آس میں بیٹھی رہتی ہوں کوئی رشتے دار خود ہی آ جائے ملنے، پر نجانے کیسا زمانہ آ گیا ہے، عام دن تو عام دن، عید تہوار پر بھی کوئی ملنے نہیں آتا''۔ وہ غمگین لہجے میں بولیں۔

''یہ تو آپ واقعی ٹھیک کہہ رہی ہیں نانی! آج کل لوگ بہت سوچ سمجھ کر ملتے ہیں''۔ میمونہ نے کہا۔ لہجہ طنزیہ تھا، خاص کر شاہدہ بیگم کے لیے، وہ ان کی عادت سے خوب واقف تھی، وہ ہرگز یہاں نہ آتی، اگر اس کی ساس روشن آراء کی خیریت دریافت کرنے کے لیے نہ بھیجتیں۔ اس کی ساس بھی روشن آراء کی طرح ملنسار تھیں۔

''ارے بھئی، شاہدہ! ذرا بچوں کے لیے کچھ شربت وغیرہ کا انتظام کرو، بچے کب سے آئے بیٹھے ہیں''۔ کافی دیر گزر جانے کے بعد روشن آراء کو خود ہی احساس ہوا، تو مجبور ہو کر بہو کو ٹوکا۔ شاہدہ بیگم اندر ہی اندر جل بھن گئیں، کوفت سے بیٹی کو پکارا، تھوڑی ہی دیر میں زاہدہ آ گئی، مہمانوں پر نظر پڑتے ہی اُسے بھی بہت کوفت ہوئی، سرسری سے انداز میں اس نے انہیں سلام کیا، پھر ماں کی طرف متوجہ ہوئی۔

''زاہدہ! مہمانوں کے لیے شربت لے کر آؤ''۔ اُس نے بولتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں اُسے سمجھایا کہ کون سا والا شربت اور کن گلاسوں میں لانا ہے، وہ بھی خوب تیز تھی، ماں کے ہر اشارے کو سمجھتی تھی، جبھی تھوڑی ہی دیر میں شیشے کے سستے والے گلاسوں میں لال شربت لے آئی، روشن آراء شرمساری خاموش بیٹھی رہ گئیں، لیکن وہ بھی روشن آراء تھیں۔

''زاہدہ! کھانا تیار کر لو، میمونہ، قیوم اور بچے کھانا کھا کر جائیں گے''۔ انہوں نے ڈھیٹ بن کر کہہ دیا۔

''ارے نہیں نانی! کھانے کے تکلف میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم بس تھوڑی دیر آپ کے پاس بیٹھنے کے لیے آئے تھے''۔ قیوم فوراً بولا۔

''ہاں نانی! قیوم ٹھیک کہہ رہے ہیں''۔ میمونہ نے بھی قیوم کی تائید کی۔

''ارے بس چُپ بیٹھے رہو تم لوگ، بڑے آئے مجھے سمجھانے والے، کھانا تم لوگ کھا کر جاؤ گے سمجھے، اب خاموشی سے چپ کر کے بیٹھے رہو''۔ انہوں نے سختی سے کہا۔

''لیکن نانی.....!'' میمونہ کچھ ہچکچائی، وہ شاہدہ بیگم کی عادت کو جانتی تھی، اس لیے کھانا نہیں کھانا چاہ رہی تھی۔

''میں نے کہہ دیا ناں، بس خبردار جو بحث کی''۔ روشن آراء کی اتنی زبردستی کرنے پر انہیں کرہاً طوعاً رکنا پڑا۔ قیوم اُٹھ کر احمد صاحب کے پاس چلا گیا، بچے باہر صحن میں کھیلنے لگے، میمونہ روشن آراء کے پاس بیٹھی باتیں کرنے میں مصروف تھی، جبکہ شاہدہ بیگم جلتی کڑھتی زاہدہ کے پیچھے پیچھے کچن میں آ گئیں۔

''یہ دادی نے نئی کھڑاک ڈال دی ہے، پتہ نہیں دادی کو ایسے لوگوں کو گھر بلا کر کیا ملتا ہے، اب بتائیں کیا اعلیٰ پکوان چڑھاؤں اُن لوگوں کے لیے؟'' زاہدہ کچن میں غصّے سے برتنوں کو پٹخ رہی تھی، ماں کو کچن کے اندر دیکھا تو غصّے میں ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کیا کروں؟ میں تو اس بڑھیا کو تمہارے باپ کی وجہ سے برداشت کر رہی ہوں، ورنہ جو اس کی حرکتیں ہیں ناں، میرا بس چلتا تو اس کو اس گھر سے کب کا چلتا کرتی''۔ انہیں بھی خوب تاؤ آ رہا تھا۔

''یہ بتائیں اب بناؤں کیا؟'' وہ کوفت بھرے لہجے میں بولی۔

''ارے زیادہ اہتمام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جو دوپہر میں کلیجی کا سالن بنایا تھا ناں، بس وہی کھلا دیں گے''۔ انہوں نے کھانے کا مسئلہ ہی نبٹا دیا۔

''امی! وہ تو بس ایک ہی کٹورا بچا ہے''۔ اُسے فکر نے آن گھیرا۔

''اوہو.....تو زیادہ کرنے کے لیے پانی ڈال دینا، اب ایسوں کے لیے تو کوئی اعلیٰ پکوان تو چڑھانے سے رہے''۔ وہ تنفر سے بولیں، بھلے ہی فریج میں ڈھیروں گوشت موجود تھا، لیکن ان کی انا کبھی یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ اتنے معمولی لوگوں کے لیے وہ اتنا اہتمام کریں۔

''ہاں یہی ٹھیک رہے گا''۔ زاہدہ نے بھی تائید کی، کھانے کے وقت جب دستر خوان چنوایا تو روشن آراء کھانا دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو گئیں، ان کے دل میں آیا کاش! وہ کھانے کے لیے نہ ہی کہتیں تو اچھا ہوتا، پتلے سے شوربے میں کلیجی کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں تیر رہی تھیں، کھانے پر روشن آراء کے سوا گھر کا کوئی بھی فرد مہمانوں کے ساتھ نہیں بیٹھا تھا، بھلا وہ لوگ کہاں کھاتے تھے ایسا کھانا، روشن آراء نے میمونہ، قیوم اور بچوں پر نظر ڈالی، جو خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے، ان کے چہروں پر ذرا بھی کچھ بُرا لگنے کا کوئی تاثر نہیں تھا، وہ بوجھل دل کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان کا ساتھ دینے لگیں، ان کے جانے کے بعد روشن آراء بوجھل بوجھل سی تخت پر بیٹھیں پرانی سوچوں میں گم تھیں، انہیں اپنے وقت کی عیدوں کا خیال آ رہا تھا، پہلے لوگوں میں کتنا پیار، کتنی ملنساری تھی، عید پر کیسی رونقیں ہوتی تھیں، ان کے گھر میں، پَر اب ویسا کچھ بھی تو نہ رہا تھا، اب تو بس انہیں لوگوں کی بے اعتنائی، بے حسی اور بے ضمیری پر بڑا قلق ہوتا تھا، اور ایسے لوگوں کی فہرست میں سب سے پہلے ان کا اپنا گھر خود شامل تھا، جسے وہ چاہتے ہوئے بھی ٹھیک نہیں کر سکتی تھیں۔

☆............☆............☆

اُداس اُداس سی عید رخصت ہوگئی تھی، زندگی معمول کے مطابق چل رہی تھی، سب لوگ اپنی مصروفیات میں مگن تھے، سب آپس میں ہنستے بولتے، کوئی نہ بولتا تو صرف ان سے کوئی نہیں بولتا تھا، وہ خاموش سی سارا سارا دن تخت پر لیٹی سوچوں میں گم رہتیں یا پھر خدا کی عبادت میں مشغول، بڑھاپا تنہائی بن کر ان کی آزمائش بن جائے گا، ایسا کبھی انہوں نے سوچا بھی نہ تھا، کہیں آ جا بھی نہیں سکتی تھیں، گھٹنوں کا درد انہیں کہیں جانے ہی نہیں دیتا تھا، گھر میں خوب محفلیں سجتی تھیں، پَر وہ ان کے لیے نہیں تھیں، ان کے لیے تو بس تنہائی تھی، بس کبھی کبھار ملازموں سے باتیں کر کے وہ اپنا دل بہلا لیتیں اور ملازم خود بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے، خاص کر سکینہ ماسی.... وہ تو جب تک روشن آراء سے اپنے دل کی ہر بات نہ کر لیتی، تب تک اسے سکون نہ ملتا، ابھی بھی وہ ان کے پاؤں دباتے ہوئے اپنی بیٹی کی دکھی داستان سنا رہی تھی کہ اُس کا شوہر ایک اُدھیڑ عمر، نشئی سے پچاس ہزار لے کر بدلے میں اپنی سولہ سال کی بیٹی کی شادی اُس سے کر رہا تھا، جس کی وجہ سے وہ آج کل بہت پریشان تھی۔

''ارے سکینہ! تُو پولیس میں رپورٹ لکھوا دے''۔ روشن آراء نے اپنے طور پر مشورہ دیا۔

''کہاں بی بی جی! یہ اتنا آسان نہیں، پولیس کے دس طرح کے بکھیڑے ہوتے ہیں، اور میرا شوہر بڑا بدمعاش آدمی ہے، پولیس کو اُلٹا پیسہ کھلا کر ہمارے خلاف کر دے گا، بھلا آج کل بی بی جی! انصاف ملتا ہی کہاں ہے اور میری تو جوان بچی ہے، میں کوئی رِسک نہیں لینا چاہتی''۔ وہ غمگین لہجے میں بولی۔

''ہاں سکینہ! کہہ تو تُو ٹھیک رہی ہے''۔ روشن آراء نے بھی سرد آہ بھری۔

''بس بی بی جی! میری تو راتوں کی نیند ہی اُڑ گئی ہے، دل تو چاہتا ہے خود بھی زہر کھا لوں اور بیٹی کو بھی زہر دے دوں''۔ وہ روتے ہوئے بولی تو روشن آراء کا دل پسیج گیا، وہ فوراً اُٹھ بیٹھیں اور پیار سے اس کے سَر پر ہاتھ رکھا۔

''نہیں سکینہ! ایسی کفر کی باتیں نہیں کرتے، خدا بڑا بے نیاز ہے، اُس سے مدد مانگ، وہ ضرور تجھے اس مشکل سے نکال دے گا''۔ انہوں نے اس کا حوصلہ بندھایا۔

''بس بی بی جی! اب تک خدا کے آسرے ہی سے تو جیتی آ رہی ہوں، ورنہ جتنے تشدد میرے شوہر نے مجھ پر کیے ہیں، میں تو شاید کب کی مَر چکی ہوتی''۔ اس نے اپنے پلّو سے آنسو پونچھے۔ روشن آراء کو اس پر بے انتہا ترس آیا، ان کا بس نہ چل رہا تھا، وہ ایسا کیا کریں کہ اس کے غم کو دور کر دیں، لیکن بس سوائے خدا سے دعا کے علاوہ اس کے لیے اور کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

''اچھا یہ بتاؤ کھانا کھایا تم نے؟'' یہ وہ بات تھی جو وہ ہر ملازم سے ضرور پوچھتی تھیں، بقول شاہدہ بیگم کے بڑھیا کا پسندیدہ مشغلہ سب کو کھانا کھلانا ہے۔

''میرا پیٹ بھرا ہوا ہے بی بی جی!'' اس نے گول مول کہا۔

''اچھا بس زیادہ بہانے مت بناؤ''۔ روشن آراء نے اُسے پیار سے جھڑکا۔

''زاہدہ! ارے او.... زاہدہ!'' روشن آراء نے زاہدہ کو پکارا، تھوڑی ہی دیر میں زاہدہ منہ بسورتی ہوئی آ گئی۔

''جی دادی!'' وہ کوفت بھرے لہجے میں بولی۔

''بیٹا! ذرا سکینہ کے لیے کھانا تو لے کر آؤ''۔ روشن آراء نے پیار سے کہا اور وہ بھنویں اُچکاتی ہوئی کچن کی طرف چل دی، تھوڑی ہی دیر میں اس نے سکینہ کے آگے غصے سے کھانے کی ٹرے پٹخی، سکینہ کو بُرا بھی لگا پَر روشن آراء کی وجہ سے خاموش رہی، روشن آراء کھانے کی ٹرے کو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح سرد آہ بھر کر رہ گئیں، پلاسٹک کی پرانی سی ٹرے جس کے کونے ٹوٹے ہوئے تھے، پلاسٹک کی پلیٹ جس میں کریک پڑا ہوا تھا، اس کے اندر ٹھنڈی باسی دال اور روٹی رکھی ہوئی تھی، سکینہ چپ چاپ کھاتی رہی، پَر روشن آراء کو اچھا نہ لگا، جبھی اس کے جانے کے بعد زاہدہ کو بلا کر سمجھانے لگیں۔

''زاہدہ! میری بچی، تم بڑی ہو اور سمجھدار بھی، بیٹا! پَر مجھے تمہارے رویے پر افسوس ہوتا ہے''۔ زاہدہ نے چونک کر روشن آراء کی طرف دیکھا، اُسے ان کی بات کا مطلب ذرا بھی سمجھ نہ آیا۔

''کون سی بات دادی؟''

''بیٹا! بُرا مت منانا، پَر میں نے تمہیں نوٹ کیا ہے کہ تمہارا ملازموں کے ساتھ رویہ اچھا نہیں ہوتا، اب سکینہ کی ہی بات لے لو، تم نے اُسے کتنے غصے میں کھانا پیش کیا، اور تو اور ٹوٹے ہوئے برتنوں میں، اور بیٹا! کھانا بھی تم نے کیسا باسی دیا، بیٹا! ٹوٹے برتنوں میں کھانا کھانا مکروہ ہوتا ہے، تم ہی بتاؤ تمہیں کوئی ایسے کھانا دے تو کیا تم کھاؤ گی؟'' انہوں نے اُسے رسانیت سے سمجھایا۔

''کیا مطلب ہے دادی! آپ کی باتوں کا؟ اور آپ مجھے ایک معمولی ملازمہ سے ملا رہی ہیں؟'' زاہدہ کو تو جیسے پتنگے ہی لگ گئے۔

''ارے نہیں بیٹا! میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے، میں چاہتی ہوں تم اس بڑے چھوٹے کے فرق سے نکل آؤ، بڑا چھوٹا کچھ نہیں ہوتا، بڑی ذات تو صرف خدا کی ہے، باقی ہم ادنیٰ درجے کے انسان سب ایک برابر ہیں، بیٹا! جو خود کھاؤ وہی دوسرے کو بھی کھلاؤ، بنا چھوٹے بڑے کا فرق کیے، اس سے اللہ بھی خوش ہوتا ہے''۔ وہ اپنے تئیں اُسے بہت اچھے سے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں، پَر ذرا جو اس کے دماغ میں کوئی بات پلے پڑی ہو۔

''اوفوہ.... دادی! یہ کیا فضول باتیں لے کر بیٹھ گئی ہیں، اور میں بچی نہیں ہوں، اچھا بُرا سب سمجھتی ہوں، کس کی کیا حیثیت ہے اور کس سے کیسے ملنا ہے، مجھے سب پتہ ہے، آپ زیادہ نہ سمجھائیں مجھے، اور رہی بات ملازموں کی، اگر ان کو ذرا بھی منہ لگا لو ناں، تو سَر پر چڑھ کر بیٹھ جاتے ہیں''۔ وہ تن فن کرتی ہوئی وہاں سے اُٹھ گئی، روشن آراء سرد آہ بھر کر رہ گئیں۔

''یا اللہ! انہیں ہدایت دے''۔ وہ دل ہی دل میں بولیں۔

☆............☆............☆

دن آہستہ آہستہ سرکتے جا رہے تھے، سردیوں کی آمد آمد تھی، ہر سُو گھرے سناٹے اور اُداسی کا راج سا ہو گیا تھا، یا پھر یہ گہری اُداسی روشن آراء کے اندر تھی، جبھی انہیں زیادہ محسوس ہو رہی تھی، دن بہ دن بڑھتی سردی نے ان کے گھٹنے کے درد میں بھی اضافہ کر دیا تھا، گھر میں تو ان کی کسی کو پرواہ نہ ہوتی تھی، البتہ سکینہ خود سے زبردستی ان کے گھٹنوں کی مالش کر دیتی اور سردیوں کی نرم گرم دھوپ میں انہیں بٹھاتی، اور پھر خود بھی کافی دیر ان کے پاس بیٹھی رہتی، وہ سردیوں کی دوپہر کا ایک دن تھا، جب سکینہ، روشن آراء کے پاؤں دباتے ہوئے بڑے پُرسکون سے انداز میں اپنے شوہر کے قتل ہونے کا بتا رہی تھی، وہ ایسے بتا رہی تھی جیسے کوئی عام سا قصہ یا کہانی سنا رہی ہو، روشن آراء بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں، اس کے چہرے پر نہ خوشی کا تاثر تھا نہ غم کا، البتہ وہ بے حد پُرسکون تھی، روشن آراء کے دل میں یک دم خیال آیا، واقعی دُنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے چلے جانے سے نہ خوشی ہوتی ہے نہ غم۔ وہ خود بھی تو گھر والوں کے لیے بوجھ بن گئی تھیں، یہ سوچ کر ہی ان کا دل اُداس ہو گیا، ان کے اس دنیا سے چلے جانے پر بھی کسی کو کوئی غم نہ ہوگا، یہ اب ان کے لیے کڑوا سچ بن گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

☆.........☆.........☆

زاہدہ کی بات طے ہوگئی تھی اور یہ روشن آراء کو تب پتہ چلا، جب شادی کی تاریخ طے کردی گئی، اندازہ تو انہیں پہلے ہی ہوگیا تھا پَر مصلحتاً خاموش تھیں، شاید اس لیے کہ وہ لوگ انہیں خود بتائیں، پَر انہیں کوئی دکھ نہ ہوا، وہ گھر والوں کی عادت سے خوب واقف تھیں، انہوں نے بنا کوئی شکوہ شکایت کیے بغیر زاہدہ کو پیار کیا، اور ڈھیروں دعائیں بھی دیں، شاہدہ بیگم کی گردن غرور وتکبر سے مزید تن گئی تھی، اتنا شاندار رشتہ ہونے کی وجہ سے، لڑکا پڑھا لکھا، خوبصورت، امیر کبیر تھا اور سسرال میں خاندان کے نام پر صرف ایک ماں تھی، وہ تو اتنا شاندار رشتہ ہوجانے پر پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ روشن آراء ان کی خوشی میں خوش تھیں، زاہدہ کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی، ہر کوئی خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا، گھر کی ایک بیٹی پیا دیس سدھاری تو باقی دو بھی کب رخصت ہوکر چلی گئیں، پتہ ہی نہ چلا، گھر کا آنگن بھی سُونا سُونا ہوگیا، گھر کی اس اندر وحشت زدہ تنہائی کو توڑنے کے لیے شاہدہ بیگم نے اپنے دونوں بڑے بیٹوں کے سَر پر سہرا سجادیا، انہوں نے بچوں کے رشتے کرتے وقت خاص اس بات کا خیال رکھا تھا کہ اونچے گھرانے سے بہوئیں آئیں اور اونچے گھرانے میں ہی بیٹیاں جائیں، کیونکہ پیسے کی ریل پیل تو ان کے گھر میں پہلے ہی بہت تھی، اور اس میں مزید اضافہ کرنے کے لیے انہوں نے یہی فیصلہ کیا، اسی لیے جب بہوئیں ڈھیروں ڈھیر جہیز لائیں، تو تکبر سے ان کی تنی ہوئی گردن اور زیادہ تن گئی، اور بیٹیاں آتیں تو گھر کی رونقوں میں مزید اضافہ ہوجاتا، پَر اتنی رونقوں میں بھی روشن آراء کا دل نہ بہلتا، آخر کو اتنی رونق میں بھی ان کے حصے میں صرف تنہائی ہی آتی تھی، کیونکہ ان کے پاس بیٹھنا تو دور کی بات، اُن سے بات کرنا بھی کوئی گوارا نہیں کرتا تھا، وہ بنا شکوہ کیے صبر کے گھونٹ پی رہی تھیں۔

☆.........☆.........☆

زندگی کا ہر لمحہ بے حد پُر سکون گزر رہا تھا کہ اچانک کاظم صاحب اور شاہدہ بیگم کی روڈ ایکسیڈنٹ میں موت نے گھر میں کہرام سا مچادیا۔ شاہدہ بیگم اور کاظم صاحب، زاہدہ اس کے شوہر اور بچوں کے ساتھ گاڑی میں جارہے تھے کہ ایک شدید ایکسیڈنٹ نے جہاں شاہدہ بیگم اور کاظم صاحب کی جان لے لی تھی، وہیں زاہدہ کے شوہر کے حصے میں زندگی بھر کے لیے معذوری آگئی، خدا کی کرنی ایسی ہوئی کہ زاہدہ اور اس کے بچوں کو بس معمولی چوٹیں آئی تھیں، نجانے حادثہ تھا یا طوفان، جو زندگی میں بے شمار تباہیاں پھیلا گیا، روشن آراء صبر کیے خاموشی سے آنسو بہاتی رہیں، کہاں تو وہ اپنے بلاوے کے انتظار میں بیٹھی تھیں، پَر کیا معلوم تھا اُن سے پہلے ان کی اولاد ہی چلی جائے گی، زاہدہ اپنی قسمت پر جتنا روتی اُسے کم لگتا، نجانے کیسے اس کے ہنستے بستے گھر کو نظر لگ گئی، بہن بھائی رو دھو کر چند دن سوگ منا کر واپس اپنی زندگیوں میں مصروف ہوگئے تھے، آخر کوئی کب تک سوگ مناتا، مگر زاہدہ پر زندگی کی اصل حقیقت صحیح معنوں میں اب کھلی تھی، شوہر کی معذوری سے اسے اپنی زندگی بھی معذور لگنے لگی تھی، شوہر کی بیماری پر اس نے لاکھوں روپے لگا دیے، پَر حاصل کچھ نہ ہوا، بزنس الگ ڈوبتا جارہا تھا، اور آخر کو ایک دن ایسا آگیا کہ کمپنی بند کرنی پڑی، کمپنی نے جو بینک سے بزنس کے لیے لون لیا ہوا تھا، پہلے تو وہ کمپنی کے منافع سے ادا ہوجاتا تھا، پر اب سود چڑھتے چڑھتے اتنا ہوگیا کہ زاہدہ کو اپنے شوہر کی عالی شان کوٹھی بیچ کر ادا کرنا پڑا، پَر یہ شکر ہوا کہ ان کا ایک اپنا چھوٹا سا فلیٹ باقی تھا، جو وہ جہیز میں لائی تھی، اس وقت وہ اُسے کسی غنیمت سے کم نہ لگا، بدلتے حالات اور شوہر کی بیماری نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا، اور اس سے کئی گنا وہ خود کو تب ٹوٹتا ہوا محسوس کرتی، جب بہن بھائی کی بے رُخی دیکھتی۔

جو پورے گھر کی لاڈلی سب پر حکومت کرتی تھی، آج سب کی طرف مدد گار نگاہوں سے دیکھتی رہتی، پر بے حسی کا عالم تھا، بہن بھائی اس خوف کے مارے زیادہ منہ نہ لگاتے کہ سر پر ہی نہ آبیٹھے، کسی قسم کی کوئی مدد نہ مانگ لے، وہ خاموشی سے زندگی کی اس کڑوی حقیقت کو دیکھ رہی تھی۔

سوسائٹی کے مہنگے ترین اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کو اس نے سرکاری اسکولوں میں ڈلوادیا، جبکہ خود وہ ایک عام سے پرائیویٹ اسکول میں پڑھانے لگی، آمدنی اس قدر قلیل تھی کہ بمشکل ہی گزارا ہوتا، پَر بہن بھائیوں کے دل ایسے لمحے میں اُسے پتھر کی طرح معلوم ہورہے تھے، اس کے ساتھ کبھی ایسا بھی ہوجائے گا اُس نے سوچا بھی نہ تھا۔ زندگی کے کڑے قسم کے ماہ وسال زندگی کی خوشیوں کے دائروں کو اُس پر تنگ کرتے جارہے تھے، اُسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ جس چیز کے لیے بھی ہاتھ بڑھاتی وہ مٹی ہوجاتی، کبھی کبھی وہ بہت روتی، بہت سوچتی آخر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا، اس سے ایسی کیا خطا ہوگئی، سوچتے سوچتے تھک جاتی، پَر کوئی جواب نہ ملتا، زندگی اس قدر تنگ ہوتی جارہی تھی کہ کئی دفعہ تو ایسا ہوتا کہ گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہ ہوتا، وہ جس سے بھوک کبھی برداشت نہ ہوتی تھی، صبر کے ساتھ فاقہ کرنا پڑتا، ان سارے کڑے حالات سے نکلنے کے لیے اُسے اور محنت کرنا پڑتی، اس نے اسکول میں دو شفٹوں میں پڑھانا شروع کردیا، اس کی ساس بھی اچھی تھیں جو اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھیں، اس کے جاب پر جانے کے بعد وہی بچوں اور بیٹے کی دیکھ بھال کرتیں، پھر باقی جو وقت بچتا اُس میں لوگوں کے کپڑے سیتیں، تاکہ بہو کی ذمہ داریوں میں کچھ ہاتھ بٹا سکیں، جیسا تیسا وقت گزرتا ہی جارہا تھا، پَر زندگی اصل میں کیا ہے لوگ اصل میں کیسے ہوتے ہیں؟ اُسے بہت اچھے سے سمجھ آگیا تھا، اپنوں کو تیزی سے پرایا ہوتے کبھی دیر نہیں لگتی، یہ بات بھی اسے خوب سمجھ آگئی تھی، عیدالضحیٰ کا ہی ایک دن تھا، جب وہ اپنے رشتوں کی خاطر ملنے چلی گئی، پَر اُن کے رویوں نے اس بری طرح سے اُسے توڑا کہ دل چاہا کہ وہ یہاں کبھی نہ آئے، اس کے پہنچتے ہی بھابیاں اپنے شوہروں اور [illegible] میکے روانہ ہوگئیں، بہنوں نے تو فون کرنا گوارا نہ کیا، تو ملنے کیا آتیں؟ کہنے کو انہوں نے بہت بڑے بڑے جانوروں کی قربانی کی تھی، پَر گوشت کے نام پر اُسے ایک بوٹی دینا گوارا نہ سمجھا، سارا دن وہ اور بچے روشن آراء کے پاس بیٹھے رہے، اُسے آج شدّت سے احساس اور ان کی قدر ہوئی، آج جب ان کے پاس کوئی بیٹھنے والا نہ تھا، تو یہ احساس ہوا وہ ان کے لیے کتنی اہم ہیں، اس وقت ان کا وجود اُسے گھنے سایہ دار درخت کی چھاؤں جیسا لگا، جو بے شک پھل تو نہ دیتا تھا، پَر اس کے سائے کی ٹھنڈک اتنی ہوتی کے اندر تک سکون اُتر جاتا، وہ روشن آراء کے گلے لگ کر خوب روئی، اُس نے معافی بھی مانگی، روشن آراء اُسے سینے سے لگائے تسلیاں دیتی رہیں، وہ تو خود محبت کی ترسی ہوئی تھیں۔

''بس میری بچی! اب مت رونا، دیکھنا خدا بہت جلد تیری مشکلات آسان کردے گا''۔ وہ اُسے خود سے الگ کرتے ہوئے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔

''دادی! اتنا دکھ مجھے بدلتے حالات کا نہیں ہے، جتنا دکھ ان اپنوں کا ہے، جن پر میں بے حد ناز کرتی تھی، پرائیوں نے تو میری کم حیثیتی دیکھ کر مجھے چھوڑ دیا، پَر یہ تو میرے اپنے تھے، ان سے مجھے ایسی اُمید نہ تھی''۔ وہ اندر سے ٹوٹ ہی گئی۔

''بس میری بچی! انسان کی یہی حقیقت ہے، جس سے وہ نظر چراتا ہے، بھلا حیثیت سے بھی کبھی انسان کی پہچان ہوتی ہے، پہچانا تو انسان اندر سے جاتا ہے، اور جو لوگ اونچی حیثیتیں دیکھ کر ملتے ہیں تو وہ بے وقوف ہیں، دنیا کی چکا چوند اُنہیں اندھا کردیتی ہے۔ تُو تو خوش نصیب ہے جو تُو یہ باتیں پہچاننے لگی ہے، اور یاد رکھ، خدا انہیں ہی آزمائش میں ڈالتا ہے جن سے وہ پیار کرتا ہے، جنہیں وہ راہِ راست پر لانا چاہتا ہے، بس اب تُو اس آزمائش پر صبر کر، دیکھنا وہ تجھے ضرور اَجر دے گا''۔ روشن آراء پیار سے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے بولیں۔

''پَر دادی! میں یہ سوچتی ہوں میں نے تو شاید ہی زندگی میں ایسا کوئی کام کیا ہو، جس سے اللہ کے اچھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بندوں میں شامل ہوسکوں"۔ آج بڑے عرصے بعد اس نے خود سے یہ اعتراف کیا۔

"نہ میری بچی! ایسا نہیں کہتے، یہ تو خدا بہتر جانتا ہے کہ کون اچھا ہے کون بُرا ہے، تُو ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھتی جو اپنی زندگیوں میں بے حد مگن اِرد گرد سے غافل، بے حسی کی زندگی گزار رہے ہیں؟ اور تیری تو اچھائی یہ ہے کہ تُو اعتراف کرنا جانتی ہے، خدا نے تجھے ہدایت دے دی ہے، تجھ میں خوفِ خدا آ گیا ہے، بس میری بچی! ہمیشہ ایسی ہی رہنا، چاہے تجھے دوبارہ کتنا ہی کیوں نہ عروج مل جائے، انسان کا عمل ہی اس کے اچھے بُرے ہونے کی پہچان ہے"۔ انہوں نے پیار سے کہتے ہوئے اُسے گلے لگالیا اور اس نے یہ باتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی گرہ سے باندھ لیں، روشن آراء کے مرتے دم تک وہ اس گھر میں آتی رہی، جو کچھ اس نے ضائع کیا تھا وہ واپس سمیٹ لینا چاہتی تھی، ان کی زندگی تک تو اس گھر کے لیے اس کے قدم اُٹھ جاتے، پَر ان کے مرنے کے بعد اس کی وہاں جانے کی ہمت نہ ہوتی، اپنوں کا تلخ اور حقارت والا رویہ اُسے اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس دلاتا تھا، جو رویہ ماضی میں اس کا کم حیثیت کے لوگوں کے ساتھ ہوتا تھا، آج اس کے اپنے اس کے ساتھ ایسا کر رہے تھے، پَر اس نے ٹھان لی تھی اور خدا سے توبہ کرلی تھی، اپنے بُرے عمل کی تلافی کرلی تھی۔

☆..........☆..........☆

وقت پَر لگا کر اُڑنے لگا، زندگی کی تلخیوں کو جھیلتی دھوپ چھاؤں کا سفر کرتی ہوئی آخر ان مشکلات سے وہ نکل ہی گئی، ماضی کو گزرے تین برس کا عرصہ گزر گیا، اور کبھی وہ یہ سوچنے بیٹھتی کہ یہ وہ عرصہ تھا، تو وہ سوچتی تھی کہ کیسے گزرے گا؟ پَر وقت کبھی تھمتا نہیں اور سب کچھ ہمیشہ ایک جیسا بھی نہیں رہتا، آج اس کے ساتھ اس کا شوہر اور ساس حیات نہیں تھے، اس بات کا دکھ تو تھا پَر بچوں کو

محسوس ہوتا جیسے اُسے اس کے صبر کا پھل مل گیا، اس کے بچے حیثیت میں بے شک اونچے مقام پر تھے، پَر ان کی شخصیت میں جو عاجزی اور انکساری تھی، وہ اس کی تربیت ہی کی وجہ سے تھی، روشن آراء کی باتیں اور نصیحتیں ہمیشہ اس کا طواف کرتی رہتیں۔ زندگی کا کڑا وقت ختم ہوگیا تھا، اس کے بہن بھائیوں کے رویے بھی بہت اچھے ہوگئے تھے، وہ ان سے ہمیشہ مسکراتے ہوئے اور خوش دلی سے ملتی، پَر انسان کی اچھے بُرے کی پرکھ اُسے صحیح طرح سے سمجھ آ گئی تھی۔

ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد اُس نے دعا کے بعد جیسے ہی منہ پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بیٹی اس کے سَر پر آن موجود تھی۔

"امی! بھائی جان بلا رہے ہیں، گائے کب کی ذبح ہوچکی ہے، بس گوشت کی تقسیم کرنا باقی ہے جو کہ آپ آ کر کریں گی، اور پلیز ذرا یہ بھی بتا دیں، رات مہمانوں کے لیے کیا بنانا ہے؟"

"اچھا تم چلو میں آ کر سب دیکھتی ہوں"۔ وہ گھٹنوں پر زور دیتی ہوئی اُٹھ گئی، گوشت کی تقسیم کا ذمہ اُس پر تھا، سب سے پہلے وہ غریب، مسکینوں کے حصّے نکلواتی، پھر اہل محلّہ اور رشتے داروں کے، اور پھر جو بچتا اُسے پکا کر خاندان والوں کی دعوت کی جاتی، جس میں اونچ نیچ کا فرق نہ ہوتا، بلکہ اُس میں امیر غریب سے لے کر سب ہوتے، روشن آراء کی بڑی خواہش ہوتی تھی کہ عید کے دن قربانی کے گوشت سے لوگوں کو کھانا کھلایا جائے، اور ان کی اس روایت کو اس نے زندہ رکھا تھا۔ عیدالضحیٰ نام ہے قربانی کا، جو ہر مسلمان کے اندر اس جذبے کو بیدار کرتا ہے، زاہدہ نے اس جذبے کی قدر و قیمت کو بہت اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا، وہ اس پروردگار کی شکر گزار تھی، جس نے اُسے بروقت ہدایت دے دی تھی، اب وہ ہر عمل یہ سوچ کر کرتی کہ اس سے وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرسکے۔

نائلہ طارق

افسانہ

قربانی

بڑی عید سے پانچ دن پہلے تقریباً پانچ آسمان تو ٹوٹ کر اس پر گرے تھے، میمی نے اس کی ناکردہ غلطی کے ساتھ ساتھ اگلے پچھلے سارے گڑے مردے نکال کر اسے خوب کھری کھری سنائی تھیں، ویسے یہ کوئی نئی



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات نہیں تھی، میمی ہمیشہ ہی عمر میں تین سال بڑی ہونے کا رعب جمانا کبھی نہیں بھولتی تھی، مگر اس بار کچھ زیادہ ہی ہوگیا تھا، ایک گھنٹے کے گرجتے برستے لیکچر کے دوران میمی اسے نکھٹو سے لے کر کاٹھ کے اُلو جیسے القابات سے بھی نوازنے سے نہیں چوکی تھی، صدمہ ان القابات سے زیادہ اس چیز کا تھا کہ میمی نے بے موقع اپنے لائق فائق شوہر کی تعریفوں کا پلندہ کھول کر اسے مزید جلتے توے پر چڑھا دیا تھا، بھائی کو شرم دلانے کے لیے وہ بے وقت بھی اپنے شوہر کی قابلیت کے کارنامے جتانے سے باز نہیں آتی تھی اور اس کام کے لیے اس سے آئیڈیل موقع اسے کہاں ملنے والا تھا۔

میمی کے سامنے خود کو بے قصور ثابت کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مزید ایک گھنٹہ اس کے شوہر کا تعریف نامہ سننا.... لہٰذا سر جھکائے، زبان بند رکھنا ہی بہتر تھا، حالانکہ یہ واقعی سچ تھا کہ جو حادثہ رونما ہوا اس کے لیے وہ خود کو بے قصور سمجھنے کا حق رکھتا تھا، راوی بھی یہی کہتا.... اگر جائے حادثہ پر اس کے آثار ہوتے۔

ہر سال کی طرح اس بار بھی وہ بڑے چاؤ سے عید پر قربانی کے لیے چاند کو شرما دینے والا اور آفتاب کو گہنا دینے والی صلاحیتوں جیسا بکرا خرید کر لایا تھا۔ عید کی صبح تک بکرے کی خاطر داری اور مہمان نوازی کا انتظام بیک یارڈ میں رکھا گیا تھا، بکرے کی گھر میں دوسری رات تھی، اس نے اپنے ہاتھوں سے بکرے کا حقہ پانی وغیرہ سامنے رکھ کر بکرے کو شب بخیر بھی کہا تھا، اس بات سے قطعی بے خبر کہ صبح بخیر سننے کے لیے بکرا صبح وہاں موجود ہی نہیں ہوگا، رات کے جانے کس پہر میں کوئی منجھا ہوا اُٹھائی گیرا بکرے کو اتنی صفائی سے لے اُڑا تھا کہ اگر انویسٹی گیشن کے لیے اسکاٹ لینڈ یارڈ کو ... کیا جاتا تو اس نے بھی چکرا جانا تھا، مگر وہ میمی ... جو اپنے اکلوتے بھائی کو بے قصور ماننے کے لیے ... جائے، یہ کام اس نے کبھی پہلے نہیں کیا تو اب یہ کر سکتی تھی، بکرے کی چوری نے اسے جس غم میں جتلا کر رکھا تھا اس میں وہ ویسے بھی اپنی کوئی صفائی دینے کے موڈ میں نہیں تھا، نہ ہی میمی اپنے سامنے کسی کو موقع دیتی تھی، جب اس کے تیور گرج چمک رہے ہوں، میمی کا احترام اپنی جگہ مگر خاموشی سے اس کے لیکچر سننا خون کے گھونٹ پینے کے مترادف ہوتا تھا، اپنے شوہر کے علاوہ میمی کو ہر مرد احمق اور گھامڑ دکھائی دیتا تھا اور وہ تو میمی کے نزدیک ایسا ہونق انسان تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے چیز کوئی غائب کر جائے اور اسے خبر ہی نہ ہو، میمی کے اسی الزام کو وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا، حالانکہ قربانی کے جانوروں کی چوری کی روایت ختم نہیں ہوئی ہے، تسلسل سے جاری ہے اور اس بار زد میں اس کا بکرا بھی آ گیا تھا، اور پھر حادثے اور مصیبتیں اطلاع دے کر کب وارد ہوتی ہیں، آپ کتنے ہی مستعد اور چوکنے رہیں مگر سیکیورٹی کے سارے جدید نظام بھی چوری کی روایات کو ختم نہیں کر سکے ہیں، مگر میمی کو یہ سب اس کا قابل شوہر ہی سمجھا سکے تو سمجھائے، میمی کے سامنے زبان کھول کر وہ مزید اپنی عزت افزائی نہیں کروا سکتا تھا، مگر اسے ضرور یہ سچ بتانا چاہتا تھا کہ تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود گھروں میں اس قسم کی وارداتیں ہو جاتی ہیں، ایسے گھروں میں بھی جہاں بقول میمی کے اس کے بھائی جیسا گھامڑ انسان نہیں ہوتا۔

☆.........☆.........☆

رات کا گہرا سناٹا اس وقت بھی نہیں ٹوٹا جب ایک سایہ بیرونی دیوار پھاند کر گھر میں کودا تھا، بڑے چوکنے انداز میں گھر کے اطراف میں پھیرا لگانے کے بعد وہ سایہ اس کھڑکی کی سمت بڑھا تھا جو شاید مکین کی لاپرواہی کی وجہ سے کھلی رہ گئی تھی، غڑاپ سے اندر داخل ہو کر سایہ چند لمحوں تک وہیں کھڑکی کے نیچے دیوار کے ساتھ دُبکا بیٹھا رہا تھا، مگر اس کی عقابی نظریں کمرے میں گردش کر رہی تھیں، یہاں تاریکی بہت گہری نہیں تھی، ساتھ والے کمرے کی کھڑکی سے مدھم روشنی آنے والے کے لیے کافی تھی جو کسی تعارف کا محتاج نہیں تھا، اس کی نظروں کے سامنے ایک سجا سجایا کمرہ تھا، دبیز کارپٹ، مخملی صوفے، منقش آرام دہ کاؤچ، سب سے نمایاں کرسٹل پیسز اور خوبصورت گلدانوں کی بہتات۔ نقاب کو درست کرتا سایہ اپنی جگہ سے اُٹھا تھا، ساتھ والے کمرے سے اسے اُبھرتی کچھ آوازیں سنائی دی تھیں۔

"میرے بھائی جیسا انسان تو اس دنیا میں اب پیدا ہو ہی نہیں سکتا، کچھ سبق لو اس سے، وہ میرے دو آنسو برداشت نہیں کر سکتا، مگر تف ہے میری قسمت پر کہ تم جیسے بے حس کے پلے بندھ گئی ہوں، تم انسان کہلائے جانے کے بھی حق دار نہیں ہو"۔ چنگھاڑتی آواز نے سائے کی حرکت روک دی تھی، مگر شاید اس کی وجہ دوسری تھی، داخلی دروازے کے قریب ہی اسے اپنی مطلوبہ چیز نظر آ گئی تھی، اس کی چمکتی آنکھیں سائے کو ہی گھور رہی تھیں، پیر پسارے بیٹھا وہ اپنے لمبے لمبے کانوں کو حرکت دیتا شاید تنبیہہ کر رہا تھا، گھر کے مکین بھی جاگ رہے تھے، بہتر یہی تھا کہ ان کے سونے تک کسی جگہ پر چھپا رہا جائے، اس سے پہلے کہ سایہ کوئی فیصلہ کرتا پیر پسارے بیٹھے توانا بکرے نے بھونڈی آواز کے ساتھ پھر تنبیہہ کی تھی اور اپنے سامنے رکھے پانی کے برتن پر جھک گیا تھا۔ تب ہی ایک بار پھر چنگھاڑ کے ساتھ کوئی چیز اُڑتی ہوئی کھڑکی سے باہر آئی تھی، سائے کو بچاؤ کا موقع نہیں ملا تھا، وہ اپنے سارے مقاصد بھول گیا، جب وہ بھاری سی چیز اس کی پیشانی سے ٹکرا کر نیچے گرتی اسے تکلیف سے چیخنے پر مجبور کر گئی تھی، دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے وہ اپنی چیخیں حلق تک محدود رکھنے میں ناکام ہو چکا تھا، ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر دوڑتا ہوا ایک مرد اس کی سمت آ رہا تھا، وہ سلیپنگ سوٹ میں ملبوس تھا، اس کے بکھرے بالوں اور بوجھل سرخ آنکھوں سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس کی نیند میں خلل کچھ دیر پہلے گونجتی نسوانی چنگھاڑ نے یا پھر چور کی چیخوں نے ڈالا ہے۔ مرد کے پیچھے ہی ایک عورت کمرے سے نکلی تھی اور سرعت سے لائٹ آن کی تھی، گلدان کے ٹکڑے پیر سے ایک طرف ہٹا کر مرد نے کچھ بھی بولے بغیر اس کے زخم کا جائزہ لیا تھا اور پھر بجلی کی سی تیزی سے فرسٹ ایڈ باکس اُٹھا لایا تھا۔

"او نامراد آدمی! یہ بدبخت چور ہے، تمہارا مریض نہیں جو مرہم پٹی کرنے بیٹھ گئے ہو"۔ عورت کی یہ بھنائی آواز چور کے چھکے چھڑانے کے لیے کافی تھی، اس کا زخمی سر مزید جھنجھنا اُٹھا تھا، جبکہ مرد نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

"میں کہتی ہوں ابھی پولیس کو فون کرو، ورنہ میں اس چور کی ہڈیاں توڑتی ہوں"۔ عورت کی دھمکی پر چور نے ہڑبڑا کر اُٹھنا چاہا تھا، مگر مرد نے روک کر اس کا زخم صاف کرنا شروع کر دیا تھا۔

"سن اے چور! اپنے سارے اوزار ہتھیار نکال کر میرے حوالے کر، کوئی بھی ہوشیاری کی تو میں دوسرا گلدان بھی....." یکدم رُک کر عورت نے گلدان کے بکھرے ٹکڑوں کو شدید صدمے سے دیکھا تھا۔

"اس شخص کے پیچھے جانے میرے کتنے قیمتی گلدان برباد ہوں گے، پتہ نہیں کس مٹی کا بنا ہے یہ، ہر بار میرا گلدان ہی ٹوٹتا ہے، میں کہتی ہوں پولیس کو فون کرو، ورنہ میرے ہاتھوں دو قتل ہو جائیں گے، بے حس آدمی"۔

عورت کی چنگھاڑ پر اب بھی مرد کا سکون ختم نہیں ہوا تھا، چور بس سانس روکے اس عورت کو دیکھ رہا تھا، جس نے جدید تراش خراش کا لباس پہن رکھا تھا، میک اپ نے مزید اس کے چہرے کو دلکش بنا دیا تھا، اگر وہ زبان سے محروم ہوتی تو مادام تساؤ کے مومی مجسموں میں سے ایک ہوتی۔

"یہ آدمی میری ایک نہیں سنے گا، چیخ چیخ کر میں دنیا سے چلی جاؤں گی، مگر یہ اپنی ڈھٹائی نہیں چھوڑے گا، وہی کام کرے گا جو مجھے جلا کر راکھ کر دے، میرے خدا! یہ مگرمچھ مجھے ایک ہی بار کیوں نہیں نگل لیتا، میں مر جاؤں یا اس مگرمچھ سے مجھے نجات مل جائے، یہ برفانی ریچھ میری زندگی جہنم بنا چکا ہے"۔ عورت حلق کے بل دہائیاں دے رہی تھی، جبکہ چور کی ترحم آمیز نظریں مرد پر تھیں، جو اس کے زخم پر اب مرہم لگا رہا تھا، وہ اتنا پُرسکون تھا کہ جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورت اسے نہیں کسی غیر مرئی چیز کو کوس رہی ہے، تب ہی وہ بھوکی شیرنی چور کو گھورتی قریب آئی تھی، اپنے نقاب پر ہاتھ رکھتا وہ پھر ہڑبڑا کر اُٹھنے لگا تھا کہ مرد نے تسلی دینے والے انداز میں اسے واپس بٹھا دیا تھا۔

''بات سن چور کے بچے! تجھے اسی وقت ایک سودا کرنا ہوگا، اگر تُو پولیس سے بچنا چاہتا ہے، تو یہاں سے جانے سے پہلے یا تو مجھے ذبح کر کے جائے گا، یا پھر اس ہاتھی جیسے کانوں والے بکرے کو''۔ عورت کا فیصلہ بکرے کو بھی پسند نہیں آیا تھا، جس نے ہلکا سا احتجاج کر کے گردن ایک طرف ڈال دی تھی۔

''عید میں ابھی دو دن باقی ہیں، اس سے پہلے کیسے بکرے پر چھری چلا دوں؟'' پھنسی پھنسی آواز میں چور نے بولتے مدد طلب نظروں سے مرد کو بھی دیکھا تھا، جو یقیناً قوتِ سماعت کے ساتھ قوتِ گویائی سے بھی محروم تھا۔

''تو پھر میری گردن پر چھری چلا دو، دو سال سے دن رات یہ آدمی میری گردن پر کند چھری چلا رہا ہے، یہ انسان نہیں جلاد ہے جلاد، میرے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر نوش کر گیا ہے یہ، مجھے اب اس کے چنگل سے نکلنا ہے، تُو مجھ پر چھری نہیں چلائے گا تو سیدھا سلاخوں کے پیچھے جائے گا''۔

''میں برباد ہو جاؤں گا، مجھے اپنی بہنوں کی شادی کرنی ہے، ماں کا علاج کروانا ہے''۔ چور نے گھگھیا کر بروقت ڈائیلاگ پیش کیا تھا۔

''تمہارے دل میں ماں، بہن کا درد ہے، تو تم ضرور میرا درد بھی سمجھو گے، کیا تم چاہو گے کہ تمہاری بہن اس آدمی جیسے جلاد، قصائی کے ساتھ زندگی گزارے؟''

''اگر.... اگر یہ تم پر ہاتھ اُٹھاتا ہے تو تم اس کے ساتھ کیوں رہتی ہو؟''

''تمہیں کیا الہام ہوتے ہیں، میں نے کب کہا ہے کہ یہ مجھ پر ہاتھ اُٹھاتا ہے؟ یہ تو جونک بن کر چمٹا ہوا ہے، دیمک کی طرح کھا رہا ہے مجھے اور میں، اول درجے کی پاگل، اس کا سر توڑنے کے چکر میں اپنے گلدان گنوا بیٹھتی ہوں''۔ عورت نے پیر پٹختے ہوئے بے زبان شوہر کو گھورا تھا۔

''مجھے اس شخص نے اس حد تک نفسیاتی مریض بنا دیا ہے کہ میں خودکشی کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں، قریب کوئی نہر یا پہاڑ ہوتا تو میں بہت پہلے ہی اپنا خاتمہ کر چکی ہوتی، مگر اب برداشت کی حد ختم ہو چکی ہے، تم اپنے خنجر کی نوک پر مجھے اس شخص سے طلاق دلواؤ گے، میں تمہیں منہ مانگی قیمت دوں گی، جاتے جاتے تم اس بکرے کو بھی ساتھ لے جانا''۔

''بکرے کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے''۔ پہلی بار مرد کی مداخلت پر چور حیرت سے بیٹھے بیٹھے اُچھل پڑا تھا۔

''دیکھا، سنی تم نے اس دو ٹکے کے آدمی کی بات؟ اسے بکرے کی پرواہ ہے، بیوی کی نہیں، جو مرنے کی، طلاق کی بات کر رہی ہے''۔ عورت نے بھنا کر مرد کو دیکھا تھا جو چور کی بینڈج سے فارغ ہوتا اپنے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

''اب تو میں خنجر کی نوک پر ہی طلاق لوں گی، یہ میری خوشیوں کا، میرے سکون کا قاتل ہے، خون کے آنسوؤں کے سوا مجھے اس سے کچھ نہیں ملا، اس کے ساتھ دو سال میں نے کانٹوں پر چلتے، آگ میں جلتے گزارے ہیں، یہ میرے گلدانوں کا دشمن ہے، میں پل پل گھٹ گھٹ کر جی رہی ہوں اور یہ میرا تماشہ دیکھتا ہے''۔ حسبِ عادت عورت نے پھر پیر پٹخے تھے جبکہ مرد اب انہماک سے دواؤں کے ڈبے میں مطلوبہ چیز ڈھونڈ رہا تھا۔

''یہ تم پر ہاتھ نہیں اُٹھاتا تو پھر کیا خراب زبان استعمال کرتا ہے؟'' عورت سانس لینے رُکی تھی، چور کو سوال کا موقع مل گیا تھا۔

''کیا خاک زبان استعمال کرے گا، جب اسے بولنا ہی نہیں آتا، یہ تو بس خاموشی کی مار مجھے مارتا ہے، زبان بند رکھ کر مجھے کچوکے لگاتا ہے، ابھی بھی دیکھو دنیا سے غافل ہے، او بدتہذیب آدمی! پرے پھینک دواؤں کو، کیوں نہیں بھولتا ڈاکٹری، میں چلا چلا کر ادھ مری ہوئی جا رہی ہوں، مگر مجال ہے جو یہ کان دھر لے، اس کے ساتھ رہنا اب میرے لیے ناممکن ہے، یہ خود سے مجھے کبھی طلاق نہیں دے گا، تمہیں یہ کام کرنا ہی پڑے گا، میری مدد کرو''۔

''میں تمہاری مدد کروں گا، مگر اس کام کے لیے مجھے ٹھوس وجہ کی ضرورت ہے، یہ تمہیں مارتا نہیں، کچھ بولتا بھی نہیں، تو پھر اس نے کون سی زیادتی کی ہے جس کی بناء پر تم طلاق چاہتی ہو؟'' چور اپنا منصب بھول کر جج کی کرسی سنبھال چکا تھا۔

''کوئی ایک زیادتی ہو تو بتاؤں، یہ ایک وحشی ہے، اس کی وحشیانہ حرکتیں مجھے اپنے بال نوچنے پر، چیخیں مارنے پر مجبور کرتی ہیں، یہ مجھ پر ظلم کے پہاڑ توڑتا ہے، اس قصائی نے میری روح تک کو لہولہان کر دیا ہے''۔

''یہ سچ ہے تو پھر تم کیا کرتی ہو؟'' چور کی دلچسپی بڑھنے لگی تھی۔

''گھنٹوں روتی رہتی ہوں، چیختی ہوں، اپنا سر پیٹتی ہوں، اس کے بخیے اُدھیڑتی ہوں، میں ایک بے بس عورت اور کر بھی کیا سکتی ہوں، چیخ چیخ کر میرا حلق چھل جاتا ہے، آواز پھنسنے لگتی ہے، یہ سفاک مگرمچھ خاموشی سے میرا تماشہ دیکھتا ہے''۔

''یہ آخر کچھ تو کہتا ہوگا تم سے؟'' چور نے ایک نظر مرد کو دیکھا تھا، جو ایک ایک دوا کے پیکٹ کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''دنیا کے کسی مگرمچھ کے منہ میں زبان نہیں ہوتی، مگر یہ واحد ہے جو زبان رکھتا ہے، وہ بھی بے مصرف، روتے چیختے جب مجھ پر غشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں تب یہ میرے پاس آتا ہے، میرے ہاتھ چومتا ہے اور بس اتنا کہتا ہے ''میری زندگی، اب چپ ہو جاؤ''، اسے معلوم ہے کہ اس کی یہی بات مجھے نیزے کی طرح لگتی ہے، مگر جان بوجھ کر یہ مجھے تڑپاتا ہے، لطف لیتا ہے''۔

''میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں، مگر مجھے تم اپنے شوہر کی کوئی ایسی حرکت بتاؤ کہ میں اسے طلاق دینے پر مجبور کر دوں''۔ چور اب ٹھیک ٹھاک کنفیوژ بھی تھا۔

''اب تک میں نے اس آدمی کے جو کرتوت گوش گزار کیے، کیا وہ کافی نہیں ہیں، یہ سب تم پر گزری ہوتی تو اندازہ ہوتا، مگر جو چوٹ کھاتا ہے درد بھی اسے ہی ہوتا ہے، تم اس کی بھیانک زیادتیاں سننا چاہتے ہو ناں، میں تمہیں بتاتی ہوں، آج کی ہی بات ہے، اس نے کہا کہ چلو آج سینما چلتے ہیں، اب میں ٹھہری اس کی فرمانبردار، وفا شعار بیوی، فوراً تیار ہو گئی، ایک گھنٹے تک یہ ٹکٹ کے لیے لائن میں کھڑا رہا، اسے لائن میں کھڑے ہونے کے علاوہ آتا بھی کیا ہے، اس کی باری آنے تک سارے ٹکٹ ختم ہو گئے، وہاں ٹکٹ بلیک میں بھی مل رہے تھے، میں کہتی رہ گئی، مگر اس نے بلیک میں ٹکٹ نہیں لیے، کہنے لگا خوامخواہ تین گھنٹے برباد ہوں گے، آؤ سمندر کے کنارے چلتے ہیں، جاتی ہے میری جوتی''۔

''صرف بلیک میں ٹکٹ نہ لینے کی وجہ سے تم طلاق چاہتی ہو؟'' چور درمیان میں بولا تھا۔

''یہ ایک وجہ نہیں ہے، بہت ساری وجوہات میں سے ایک ہے، ایک بار یہ راستے میں ایک زخمی بلّی اُٹھا کر گھر لے آیا، جبکہ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ مجھے بلیوں سے الرجی ہے، میرا ایک بھائی ہے اسے بلیاں گھر میں پالنے کا بہت شوق تھا مگر صرف میری وجہ سے اس نے اپنے شوق کو مار دیا ہمیشہ کے لیے، آخر وہ میرا بھائی ہے، وہ میرے لیے قربانی دے سکتا ہے، مگر یہ آدمی بلّی کو نہ صرف گھر میں لے آیا بلکہ دو ماہ تک اس کے زخم کا علاج کرتا رہا، اسے کھلاتا پلاتا رہا، جب وہ کرموں جلی بھلی چنگی ہو گئی تو اس گھر سے کیا، اس آدمی کے قدموں سے بھی پرے ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوئی، چھ مہینے گزر چکے ہیں ابھی بھی وہ کمبخت منحوس بلّی بیڈ کے نیچے سو رہی ہے، میری سوکن، اب تم ہی بتاؤ طلاق لینے کی بات نہ کروں تو کیا کروں؟''

''بولتی رہو، میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم پر کس انتہا کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مظالم ڈھائے گئے ہیں"۔ چور نے اپنی عجیب گھر گھرائی آواز میں بولتے ہوئے مرد کو بھی دیکھا تھا، جو فرسٹ ایڈ باکس کا سامان ترتیب دے رہا تھا۔

"میں سرعام کہنے کے لیے تیار ہوں کہ یہ شخص لکیر کا فقیر ہے، ہزاروں ڈاکٹرز اپنے پرائیویٹ کلینک کے ذریعے لاکھوں کمار ہے ہیں، میں اس سے کہتی رہی کہ اسے بھی ایسا ہی کرنا چاہیے، مگر اس نے تو جیسے قسم کھا رکھی ہے سرکاری ہسپتال میں ہی چند ہزار کی نوکری کرنے کی، اس اڑیل گھوڑے کو کوئی نہیں سدھار سکتا، اسے نہ وقت کی قدر ہے نہ دولت کی، یہ صرف میرا خون پینے کے لیے دنیا میں آیا ہے، یہ خون آشام بلا ہے"۔

"یہ وجہ قابلِ غور ہے کہ تمہارا شوہر تمہارے لیے دولت جمع نہیں کر رہا"۔ چور نے جیب سے چاقو نکالتے ہوئے کہا تھا، مرد نے بس ایک نگاہ نقاب پوش چور پر ڈالی تھی، [illegible] مسکراتی نظروں پر وہ بیزاری سے سر جھٹکتا دوبارہ فرسٹ ایڈ باکس پر جھک گیا تھا۔

"میں تھوکتی ہوں اس کی دولت پر، اس کے ظلم و ستم سہنے کے بعد میں اس کی شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتی، تم ابھی کے ابھی اس کی گردن پر چھری رکھو، اسے بھی کہاں میری ضرورت ہے، میری مخالفت کے باوجود یہ عید سے پندرہ دن پہلے بکرا خرید لایا ہے، اتنے ناز نخرے اس نے میرے نہیں اُٹھائے جتنے اس بکرے کے اُٹھاتا ہے، بکرے سے اس کی محبت کی انتہا تو دیکھو، آہستہ آہستہ بکرا گھر کے اندر ڈیرہ لگوا چکا ہے، عید کے دن تک وہ بھی بلّی کی طرح بیڈروم میں ہی کہیں ٹھکانہ بنالے گا، اس گھر میں تین تین جانوروں کے ساتھ رہنے سے بہتر ہے کہ میں کہیں جا کر غرق ہو جاؤں، یہ شخص ذرا بھی میری پرواہ نہیں کرتا، یہ صرف ڈسنا جانتا ہے، یہ ناگ ہے، یہ..... یہ بچھو ہے"۔

"کیا..... کون ہے بچھو؟" خاموش لاتعلق شوہر کرنٹ کھا کر اپنی جگہ سے اُٹھا تھا۔

"بب..... بچھو نہیں میں کچھ اور کہنے والی تھی، منہ سے نکل گیا"۔ عورت ہکلائی تھی اس کے چہرے کا رنگ فق ہوا تھا۔

"سراسر غلط بیانی، بدزبان عورت، میں تیری رگ رگ سے واقف ہوں، ناگن، دنیا میں کوئی تجھے مجھ سے زیادہ گہرائی سے نہیں جان سکتا"۔ عورت پر برس کر مرد چور کی طرف پلٹا تھا جسے اب اپنی خیریت خطرے میں لگ رہی تھی، سویا شیر جاگ گیا تھا، اور وہ اس کی کچھاڑ میں تھا۔

"تم نے دیکھا، یہ کس طرح بے قابو ہو کر جنونی ہو جاتی ہے، اب ایسے میں، میں برافاختہ ہسٹیریائی نہ ہو کر تحمل سے کام لیتا ہوں، میں مرد ہوں، مجھ میں برداشت کا مادّہ ہے، مجھے برائی کا جواب اچھائی سے دینا آتا ہے، میں اس کے غصے کے دوران خاموش رہ کر اس کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کرتا ہوں تو بے حس کہلاتا ہوں، تم اس سے پوچھو، اس گھر میں اسے کس چیز کی کمی ہے جو میں سرکاری ہسپتال میں ان غریب مریضوں کو مرنے کے لیے چھوڑ دوں، جن کے لیے پرائیویٹ علاج افورڈ کرنا ناممکن ہے، پچھلے کئی دنوں سے اس کا رویہ میرے ساتھ انتہائی تحقیر اور تضحیک آمیز رہا ہے، اس عورت کے پاس عقل نام کی کوئی چیز نہیں، یہ غصے میں جو کہے وہ بھی کم ہے، یہ اپنی ہی بات کی تردید کر دیتی ہے، جو اسے مگرمچھ نظر آتا ہے وہ تھوڑی دیر بعد اس کے لیے برفانی ریچھ ہو جاتا ہے، یہ مجھے قصائی، جلاد اور جانے کن کن حیوانات سے تشبیہ دیتی رہی ہے، مجھے اعتراض نہیں ہوا، مگر کوئی مجھے بچھو کہے، یہ میری برداشت سے باہر ہے، تمہیں میری گردن پر چھری رکھنے کی ضرورت نہیں، میں اب خود بھی اس عورت کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا، میں مزید اس انسان کے ہاتھوں ذلیل نہیں ہونا چاہتا، جس سے میں آج بھی بے پناہ محبت کرتا ہوں"۔ مرد کا چہرہ تمتما اُٹھا تھا، جبکہ عورت پر تو جیسے شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو چکی تھی، دوڑ کر وہ مرد کے قریب آئی تھی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا۔

"بولو، بولتے رہو، چپ نہ ہو، مجھے بُرا بھلا کہو، میری

گردن اپنے ہاتھوں سے دبادو، تم اب جان چکے ہو کہ اپنی بیوی پر غصہ کیسے کرتے ہیں"۔ فرطِ مسرت سے عورت اپنے شوہر پر نثار ہونے کے لیے تیار تھی، جو اس کی جانب دیکھنے سے بھی گریز کر رہا تھا، چور نے یہی موقع غنیمت جان کر اسی کھڑکی کی جانب دھیرے دھیرے کھسکنا شروع کر دیا تھا، جہاں سے وہ اندر داخل ہوا تھا، لمبے کانوں والا بکرا الوداع کہنے کے لیے اپنے پیروں پر اٹھ کھڑا ہوا تھا، کھڑکی کے قریب پہنچ کر بھی اسے عورت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"مجھے تم سے طلاق نہیں چاہیے، ہم آخری سانس تک ساتھ رہیں گے، مجھے معاف کر دو، بس ایک بار میری آنکھوں میں دیکھو، تمہیں محبت کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے گا"۔ عورت اپنے شوہر کو منانے میں مگن تھی، جو کلف لگے کالر کی طرح اکڑ کر اینٹھ گیا تھا۔ کھڑکی پھلانگ کر چور نے اطمینان کا سانس لے کر اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا تھا، جسے ہٹانے کی کوشش نہ مرد نے کی تھی نہ اس کی بیوی نے، لیکن جو مرد اپنی بیوی کی رگ رگ سے واقف ہونے کا دعویٰ کرے اس سے پھر کچھ بھی چھپا نہیں رہ سکتا، نقاب میں چھپے چہرے کی صرف آنکھیں دیکھ کر ہی مرد اسے پہچان گیا تھا، وہ جانتا تھا یہ سچ، مرد کی خاموشی کے باوجود میمی کی آنکھوں پر جب غصے کی پٹی بندھ جاتی ہے، تو وہ سامنے کھڑے بندے کو بھی نہیں پہچانتی، پھر نقاب میں چہرہ چھپائے اپنے بھائی کو کیسے پہچان سکتی تھی، اور اگر پہچان جاتی تو اس کے لیے وہیں قربان گاہ تیار کر دیتی، مگر خوش نصیبی سے ایسا نہیں ہوا، ویسے بھی صورتحال ایسی بالکل نہیں تھی کہ دونوں مرد بھی ایک دوسرے کو پہچاننے کی غلطی کرتے، دونوں ہی اس پوزیشن میں نہیں تھے، اپنا اپنا بھرم قائم رکھنے کے لیے دونوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا، دونوں ہی یہ بات جانتے تھے کہ بعد میں ایک دوسرے کا سامنا بھی کرنا ہے۔

میمی کو سبق سکھانے کے لیے اور خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے وہ بہن، بہنوئی کے گھر میں ہی نہیں، ان کی پرائیویسی میں بھی کودنے کی غلطی کر چکا تھا، مگر اس کے بعد آنکھوں کے سامنے سے پردے ضرور ہٹ گئے تھے، آج اسے معلوم ہوا تھا کہ میمی تعریف منہ پر نہیں پشت پر کرتی ہے، چاہے تعریف کا مرکز شوہر ہو یا اس کا بھائی، مقصد میں ناکامی کے بعد اسے یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ وہ دوسرا جنم لے کر بھی کامیاب چور نہیں بن سکتا، آج ایک کوشش میں وہ اپنے بہنوئی کے سامنے شرمندہ تو تھا، مگر ایک انوکھی سی تسکین بھی مل گئی تھی، میمی سے اس کی ہر شکایت ختم ہو گئی تھی، اب اگر میمی نے اپنے شوہر کا تعریف نامہ اسے سنایا، تو اسے معلوم تھا کہ وہ اپنی ہنسی نہیں چھپا سکے گا، فی الحال اسے فکر نہیں تھی کہ میمی جب اس کے سر کی چوٹ کی بابت سوال کرے گی، تو وہ کیا جواب دے گا؟

دستانے اُتار کر جیکٹ کی پاکٹ میں اُڑستے ہوئے اسے میمی کی آواز سنائی دی تھی۔

"مجھے سرکاری ہسپتال میں تمہاری نوکری پر کوئی اعتراض ہے نہ بکرے اور بلّی سے اب کوئی پُرخاش ہے، اب تو راضی ہو جاؤ اپنی بیوی سے، جو تمہارے سامنے آواز بھی نہیں بلند کر سکتی، نہ ہی سر اُٹھا سکتی ہے"۔ کھڑکی سے دور ہٹتے ہوئے اسے بکرے کی آواز بھی سنائی دی تھی، جو اپنی مالکن کی تائید میں یقیناً اپنے لمبے کان [illegible] رہا ہوگا اور پہلی بار میمی کی حلاوت بھری میٹھی آواز [illegible] اس کے شوہر سے پہلے ہی اس پر قربان ہو گیا ہوگا اور [illegible] کے شوہر نے بھی راضی ہونے میں اب زیادہ وقت نہیں لینا تھا، بیرونی دیوار بڑی مہارت سے پھلانگتے ہوئے وہ مطمئن تھا کہ آخر مرد، عورت پر قربان ہونے کے لیے ہی تو ہے، چاہے وہ باپ ہو، بھائی ہو یا شوہر کے روپ میں ہو، اپنی محبت سے مجبور ہو کر اسے ایسا کرنا ہی پڑتا ہے، اور مزے کی بات یہ کہ قربان ہونے کے لیے اسے کسی خاص تہوار کا انتظار بھی نہیں کرنا پڑتا۔

☆............☆............☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انعم خان

قسط نمبر 17۔

سلسلے وار ناول

اِس دل میں بسے ہو تم

''محبت مذاق نہیں ہے مراد منصور!'' ایک رنج اُسے کھائے جا رہا تھا۔
''اپنی محبت کو جتانے، نیچا دکھانے کے لیے آپ نے مجھ سے محبت کا دعویٰ کیا، تاکہ میری وجہ سے آپ کی انا کا



چلا سلامت رہے، مگر اس سب پلان میں آپ نے میری ذات کو، میری انا کو پاش پاش کردیا ہے، آپ کی نظر میں میری کوئی عزت، کوئی مقام نہیں ہے، تو پھر میں کیوں آپ کو اپنے دل کے تخت پر پورے مان سمان سے بٹھاؤں؟ آپ نے اپنی محبت کے لیے میری محبت کا استعمال کرنا چاہا ہے، لیکن میری محبت حقیر نہیں ہے''۔ مراد کے ہاتھوں محبت میں فریب کھانے کا دکھ اُس کے لیے اذیت ناک تھا۔

''عروِش کے چیلنج کو آپ کبھی پورا نہیں کر سکیں گے، میری جس خوبصورتی اور اسٹائل نے آپ کو میری طرف مائل کیا تھا، جس کے سہارے آپ مجھے عروِش کے مقابلے میں اُتار کر اپنی تضحیک کا بدلہ لینا چاہتے تھے، میں اُس میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گی، میں خود کو بدل دوں گی، تاکہ آپ کا خواب ہمیشہ تشنگی کی چادر اوڑھے حسرتوں کے سائے تلے اپنی بے بسی پر ماتم کرے''۔ تمام پوائنٹس ترتیب دے کر وہ مطمئن ہوئی۔

''آئندہ اب نہ میرا کوئی اسٹائل ہوگا، نہ خوبصورتی برقرار رہے گی، میں نہ سجوں گی، نہ سنوروں گی، میری آنکھوں میں کوئی چمک ہوگی نہ چہرے پر شائستگی و نزاکت، میں اپنی ذات سے آج کے بعد لاپرواہی برتوں گی، یوں ہی آپ کو



Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ کے کھیل میں مات کا احساس بگاڑے گا''۔ وہ مکمل سوچ چکی تھی۔

''اب آپ کا سامنا مہ روش سعید سے نہیں مسز مراد منصور سے ہوگا، جو آپ کو آپ ہی کے انداز میں ملے گی''۔ وہ رسانیت سے دوٹوک بولی۔

''اور میرا یہ معمولی ساری ایکشن آپ کے ہر ایکشن کے لیے کافی ہوگا''۔ کھڑکی کے پٹ بند کرتی وہ کمرے سے باہر نکل آئی، ذہن ودل مکمل طور پر ریلیکس ہو چکے تھے۔

☆............☆............☆

علی آیان حسن گیلانی اُس کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا، جھنڈ کی صورت جمع لوگ رفتہ رفتہ وہاں سے ہٹ گئے تھے، اُس کی آنکھیں مانو تو پتھر جیسی ہوگئی تھیں، بالکل سپاٹ، ویران، اُداس سی، مگر وہ پھر بھی ہمت نہ ہارنا چاہتی تھی کہ اندر دھڑکتا دل علی کے نام کی مالا جپ رہا تھا، ایک اور کوشش کے لیے اُس نے پھر سے قدم بڑھائے تھے، اُسی طرف جہاں کچھ دیر پہلے علی گیا تھا، وہ اُسے کسی صورت کھونا نہیں چاہتی تھی، کسی بھی صورت نہیں، مگر تیزی سے اُٹھتے، آگے بڑھتے قدم پوری سکت کے باوجود اُس کا ساتھ دینے میں ناکام لڑکھڑائے تھے، وہ اگلے ہی لمحے زمین بوس ہوئی تھی۔

''آہ.....!'' وہ کراہتے ہوئے بدک کر اُٹھی، آنکھوں کے سامنے مکمل اندھیرا تھا۔

''علی! کہاں چلے گئے ہو تم؟'' وہ اُٹھ کر پھر سے آگے کی اور جانا چاہ رہی تھی، مگر اب کی بار پھر وہ زمین پر گری تھی، لیکن اُسے گرنے کا ہوش کہاں تھا۔

''پلیز علی! واپس آجاؤ.....!'' پھر سے اُٹھنے کی کوشش کرتی وہ التجائی بولی، جبھی اُسے ایک اور رُکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا، اب کہ اُس نے سنبھلنے کی کوشش کی تو ٹانگ میں تکلیف کا احساس جاگا، البتہ وہ مکمل حواس میں نہیں تھی۔

''کہاں ہوں میں.... کیا ہو رہا ہے یہ سب؟'' وہ توقف کے لیے رُکی، منتشر ذہن کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی، جھک کر اندھیرے میں رُکاوٹی شے کو محسوس کرنا چاہا، کان سائیں سائیں کرتے محسوس ہوئے، حیرت و بے یقینی سے آنکھیں پھیل گئی تھیں، وہ اپنے کمرے میں تھی۔

علی کے پاس واپس جانا، اپنی محبت کی بھیک مانگنا، اُس کے ساتھ کی التجا، علی کا اُسے چھوڑ کر جانا، مستبشرہ جمال کا پاگلوں کی طرح اُس کے پیچھے بھاگنا، سب خواب تھا، وہ خواب دیکھ رہی تھی، خواب میں قدموں کی لڑکھڑاہٹ نے اُسے نیند سے بیدار کر دیا تھا، مگر خواب کے زیرِ اثر پھر سے اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش میں وہ پہلے بیڈ سے نیچے گری تھی اور پھر کچھ فاصلے پر پڑی ٹیبل نے اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالی تھی، کمرے میں رات کی تاریکی کے سبب گھرا اندھیرا تھا، حواس میں آتے ہی اُس نے لائٹ آن کی۔ وہ گہری بے یقینیوں کی زد میں تھی، اس نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں، دھڑکن معمول سے تیز تھی، اضطرابی کیفیت میں مبتلا اَن ہونی کا خوف اُسے ڈرانے لگا، صوفے پر بیٹھ کر اُس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپایا، سخت سردی میں بھی اُس کا جسم پسینے سے شرابور ہو چکا تھا۔ سائیں سائیں کرتے کانوں میں اِرد گرد پھیلی عمیق خاموشی کو چیرتی اُسے یک دم ہنسنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں، اسے لگا جیسے وہ ہزار کروڑ لوگوں کے بیچ بیٹھی ہو اور سب کے سب اس پر ہنس رہے ہوں، اور اس کی زبان گنگ سی انہیں منع کرنے میں ناکام ہوگئی ہو، کھو دینے کے احساس سے شل ہوگئی ہو، فی الوقت وہ صورتحال کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

سردی کی طویل رات میں سیکنڈ کا ایک ایک لمحہ صدیوں پر محیط ہوتا گیا، لمحوں کی قید نے اُسے مضبوطی سے جکڑ لیا تھا اور وہ کوئی احتجاج نہیں کر رہی تھی، ہنسی کی آوازیں دھیرے دھیرے مدھم پڑ گئی تھیں، کمرے کی فضا شانت ہوگئی تھی،

لیکن ایک طوفان تھا جو اس کے دل و ذہن میں برپا ہو کر بے قرار سمندر کی بے قابو ہوتی لہروں کی طرح ہلچل مچانے پر تُل گیا تھا۔

گزرا ایک ایک لمحہ وہ شدت سے یاد کرنے لگی، علی کی محبت، علی کی دیوانگی، علی کی شدت، علی کی چاہت، علی کا ہنسنا، علی کا بولنا، علی کا کہا لفظ لفظ.....اور .....اور وہ رات..... جب اُس نے ایسا ہی ایک خواب دیکھا تھا، ایک عجیب خواب.... جب وہ اور علی ایک صحرا کے بیچوں بیچ کھڑے تھے، مستبشرہ اُسے اپنی محبت کا یقین دلاتی ہے، مگر علی یقین نہیں کرتا، مستبشرہ اُس سے اپنی زندگی، اپنی خوشی کی بھیک مانگتی ہے، پَر وہ سنگدلی کا مظاہرہ کرتا ہے، مستبشرہ پر چیختا ہے، چلاّتا ہے، اُسے چھوڑ کر جانے لگتا ہے، وہ علی کو بہت روکتی ہے، مگر وہ نہ سنتا ہے نہ رُکتا ہے، اُسے چھوڑ کر جانے لگتا ہے، اتنے میں بڑے زوروں کی ہوا چلتی ہے اور وہ مستبشرہ کے دیکھتے ہی دیکھتے اُڑتی دھول مٹی میں کھو جاتا ہے، وہ اُسے تلاش کرتی ہے، مگر وہ اُسے صحرا میں دَبا ملتا ہے، اُسے تمام عمر کے لیے تنہا چھوڑ کر چلا جاتا ہے، تب وہ اس خواب کی حقیقت سمجھ نہیں پائی تھی، مگر آج، ابھی، اس وقت اُس پر اُسی حقیقت کا ادراک ہو رہا تھا۔ وہ خواب تھا یا حقیقت کا عکس؟ اس کے عمل کی سنگینی کو اُسی پر اُلٹنے کا اشارہ تھا یا تب کے کھیل کو تب ہی روک دینے کا عندیہ تھا، کیا تھا وہ سب؟ جسے سننے کے بعد ماہی نے اسے پیچھے ہٹنے کو کہا تھا، مگر اس پر اپنے بابا سے کیے وعدے کو نبھانے کا جنون سوار تھا، مگر جو بھی تھا تب وہ نہیں رُکی تھی تو کیا آج کا خواب اُسے جھنجھوڑنے کے لیے کافی تھا، حقیقت کے کس پہلو سے پردہ اُٹھانا چاہ رہے تھے دونوں خواب؟

دونوں خوابوں میں علی سے اپنے پیار، اپنی زندگی و خوشی کی بھیک کیوں مانگی اُس نے؟ کیوں دونوں خوابوں میں علی اُسے چھوڑ کر جاتا ہے اور وہ اُسے روک نہیں پاتی؟ کیوں پہلے صحرا کی اُڑتی طوفانی دھول، مٹی اور پھر لوگوں کا جھنڈ اُس کی راہ میں رُکاوٹ بن کر اُسے تشنہ چھوڑ گئے؟ لوگوں کی ہنسی کی آوازیں کیا جتانا چاہ رہی تھیں اُسے، کیا ہو رہا تھا اُس کے ساتھ؟ قسمت کیا کھیل، کھیل رہی تھی اب اُس کے ساتھ؟ کہیں وہ قسمت کے سنگین مذاق کا نشانہ تو نہیں بن گئی تھی، اپنے ہی ترتیب دیئے گئے پلان اور ناٹک میں بازی اُسی پر تو نہیں پلٹ گئی تھی؟

مستبشرہ جمال سوچوں کے گھن چکر میں پھنسی اپنی ہی عدالت میں اپنے کیے پر کٹہرے میں کھڑی تھی، وقت بھی جیسے اُس لمحے تھم سا گیا تھا، یہ اعترافِ جرم کا وقت تھا، اُسے آج اور ابھی سزا یا جزا سنائی جانی تھی، وہ حتمی فیصلے کی منتظر ہوئی، کارروائی شروع ہوگئی تھی، علی کے ساتھ ساتھ اُس کی تینوں دوستیں بھی اس کے خلاف گواہی دینے اُس کی عدالت میں آ پہنچی تھیں، علی تمام کارروائی کے دوران خاموش تھا، جبکہ اُس کی تینوں دوستیں ماہی، معطر اور عدن اپنے بیان ریکارڈ کروا رہی تھیں۔

''ہم تینوں نے اسے روکا تھا''۔ وہ تینوں کہہ رہی تھیں۔

''ہاں مگر.....!'' مستبشرہ کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن ماہی اُسے ٹوک گئی۔

''میں نے تم سے کہا تھا مستبشرہ! کہ جھوٹے پیار کا ناٹک مت کرو، ایک دن تمہیں بہت بڑا نقصان اُٹھانا پڑے گا، تمہارا جھوٹ سچ میں بدل جائے گا، ناممکن کو ممکن ہونے میں پل بھر کی دیر لگتی ہے، علی کے جذبات کی سچائی نے تمہیں اندر سے موم کر دیا ہے، تمہاری کیفیت گواہ ہے مستبشرہ! تمہیں تمہارے کیے کا مداوا کرنا پڑے گا، اور وقت آ گیا ہے کہ تم علی سے معافی مانگو، شرمندہ و نادم ہونے کے ساتھ اعترافِ شکست کرنا ہوگا''۔ ماہی کی آواز اُسے اپنے قریب بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔

مستبشرہ کا سر دھیرے دھیرے جھکتا جا رہا تھا، شاید یہ انداز اعترافِ شکست کا تھا، وہ نالاں تھی، اُس کی گھمبیر خاموشی نے آخری مہر ثبت کر دی تھی، کوئی اعتراض، کوئی احتجاج اُس کے پاس باقی نہیں رہا تھا، عدالت برخاست ہوگئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی، وہ تھکے جسم کے ساتھ بوجھل قدم اُٹھاتی اس جگہ آئی جہاں علی کا خط اور لاکٹ پڑا تھا۔

''میں ہار گئی ماہی! میں ہار گئی، میں نے علی کو اپنے ہاتھوں سے کھو دیا ہے، ساری عمر کے لیے''۔ وہ کمزور لہجے میں بولی تھی، آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی جیسے قطرے نکل کر اُس کے گال پر گر رہے تھے۔

''میرا مان توڑ دیا علی نے، میرا غرور خاک میں ملا کر مجھے میری ہی نظروں میں جھکا دیا، میرا کہا غلط ثابت ہو گیا، میں نے اپنا نقصان اپنے ہاتھوں سے کیا، قسمت نے جھوٹ کو سچ کر کے دکھایا ماہی! ناممکن کا سوال ہی باقی نہیں رہا، میرے پاس اب انکار کا کوئی جواز نہیں بچا، میں شرمسار ہوں، علی کو دھوکہ، تکلیف، اذیت دینے پر ندامت ہو رہی ہے مجھے، میرے اندر چھڑی جنگ ختم ہو گئی ہے، میں ہار گئی ہوں ماہی!'' مستبشرہ نے تمام ہتھیار پھینک دیئے تھے، اُس کا ازلی غصہ جھاگ کی مانند بیٹھ گیا تھا۔ وہ ہر سزا کو قبول کر رہی تھی۔

''مجھے معاف کر دو علی! میں نے تمہارے ساتھ بہت بُرا کیا ہے، میں تمہاری گناہ گار ہوں، پلیز مجھے معاف کر دو''۔

وہ ہر اُلجھن آمیز سوچ سے آزاد ہو چکی تھی، اس سمے اُسے سید جمال شاہ سے کیا وعدہ یاد تھا نہ اُس وعدے کا پاس رکھنے کی کوشش وہ کر رہی تھی، بس تھی تو اپنے ضمیر کی عدالت میں پچھتاوے میں گری۔

''میں مستبشرہ جمال.... آج ابھی اسی وقت اعتراف کرتی ہوں کہ میں علی آیان حسن گیلانی سے محبت کرتی ہوں، میں مانتی ہوں، تمہاری محبت میں اپنی شکست کو تسلیم کرتی ہوں، تمہارے بے لوث جذبات، سچی محبت اور یہ لاکٹ گواہ ہیں، میں صرف تمہاری ہوں، اس جنم میں علی اور مستبشرہ صرف ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں، ایک دوسرے کی محبت کے لیے بنے ہیں''۔ مستبشرہ جمال نے ہاتھ میں پکڑے لاکٹ کو بہت گہری، محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ہونٹوں سے لگایا، پھر توقف کے بعد اُسے پہن لیا، لاکٹ کے جسم سے مَس ہوتے ہی اُسے خوبصورت احساس نے گھیرا تھا، یہ لمحہ اُسے اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔

''علی! تم نے میری روح تک رسائی پالی ہے، میں تمہاری سچائی کی معترف ہوں، میں ہر لمحہ تمہیں محسوس کروں گی، لیکن پلیز مجھے معاف کر دینا''۔ وہ تو بس ہر سانس کو جذب سے اندر اُتارنے میں محو تھی۔ باقی کی رات کس رفتار سے گزری اُسے پتہ نہیں چلا تھا۔

☆.........☆.........☆

بدلے کی مہم شروع ہو گئی تھی، ابتدا اُس نے سویرے کی، مراد کے کپڑے اور شرٹس وغیرہ کل دھونے کے بعد اُس نے دانستہ اِستری نہیں کیے، صبح معمول سے گھنٹہ آدھ دیر سے اُٹھی، مراد شاور لے رہا تھا، وہ کچن میں چلی آئی، کلثوم بیگم بھی کچھ دیر بعد وہاں آئیں، وہ انہیں سلام کرتی اپنے کام میں مصروف ہو گئی، جبھی کمرے سے مراد کی اونچی آواز کچن میں گونجی۔

''مہ روش....!'' مراد اُسے بلا رہا تھا، لیکن وہ سن کر بھی سنی اَن سُنی کر گئی تھی۔

''ماہی!'' مراد کی آواز پھر آئی تھی، وہ دھیان دیئے بغیر سر جھکائے مصروف رہنا چاہ رہی تھی، اتنے میں مراد نے پھر سے اُس کا نام پکارا تو کلثوم بیگم اُس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''بیٹا! مراد تمہیں آواز دے رہا ہے، کوئی کام ہو گا اُسے، تم اس کی طرف جاؤ، میں یہاں دیکھتی ہوں''۔ پھپھو نے اُسے جانے کو کہا۔ مہ روش، مراد کی آواز نظر انداز کر کے اُسے کچن میں پھپھو کے سامنے چلاتے ہوئے دیکھنا چاہ رہی تھی، مگر پھپھو کے کہنے پر اُسے مجبوراً کام سے ہاتھ روک کر کمرے کا رُخ کرنا پڑا۔

''بہری ہو کیا؟ کب سے آوازیں دے رہا ہوں، آ کیوں نہیں رہی تھیں؟'' اُسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر

وہ عادت سے مجبور فوراً کڑی آواز میں پھٹ کر بولا۔

''مجھے ایک بھی آواز سنائی نہیں دی، اب بھی پھپھو نے بتایا ہے، تب آئی ہوں''۔ وہ بے فکر انداز میں کہتی سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔

''میری ایک بھی شرٹ استری شدہ نہیں ہے، کچھ دیر میں مجھے آفس کے لیے نکلنا ہے، لیکن تمہیں تو خبر ہی نہیں ہے، کیا کرتی رہی ہو کل؟'' گھورتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

''کام''۔ ماہی نے تحمل سے مختصر جواب دیا۔

''کون سے کام؟'' وہ مزید غصہ ہوا۔

''گھر کے کام''۔ لیکن اُسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔

''یہ کام زیادہ اہم ہے''۔ مراد نے ایک شرٹ اُٹھا کر اُس کی طرف پھینکی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا''۔ وہ آرام سے بولی، البتہ شرٹ اُس سے ٹکرا کر زمین پر گری تھی، مگر اُس نے پکڑنے یا اُٹھانے کی زحمت تک گوارہ نہ کی، مراد کی یہ حرکت اُسے زہر لگی تھی۔

''کیا اول فول بک کر میرا وقت ضائع کر رہی ہو، اُٹھاؤ شرٹ اور استری کر کے لاؤ''۔ وہ دیر سے بچنے کے لیے جلدی سے بولا۔ ماہی کے پلان سے بے خبر تھا، سو ری ایکشن حد کے اندر تھا۔ ماہی نے زمین پر پڑی شرٹ اُٹھانے کے بجائے آگے بڑھ کر الماری سے دوسری شرٹ نکالی، مراد نے بھوئیں سکیڑ کر اُسے دیکھا، کچھ حیران بھی ہوا۔

''ناشتہ تیار ہے؟ تمہارے استری کرنے تک میں ناشتہ کر لوں گا''۔ مراد کام اور وقت کے معاملے میں حد درجے پنکچوئل تھا، سو استفسار کیا کہ یوں وقت بچ جائے گا۔

''ابھی بنانا شروع کیا تھا اور آپ نے بلا لیا، تھوڑا بہت ٹائم لگے گا''۔ مراد جتنی جلدی چاہ رہا تھا ماہی اُتنی ہی بے فکری سے بتا رہی تھی۔

''آٹھ بجے سے پہلے مجھے آفس کے لیے نکلنا ہوتا ہے، ساڑھے سات ہو گئے ہیں، دیر ہو رہی ہے مجھے، کیا ڈرامہ لگا رکھا ہے آج؟'' وہ عجلت میں تنگ آیا۔

''آپ کی باتوں کا جواب دینے میں مزید وقت نکلا جا رہا ہے، آپ کچھ دیر خاموش رہیں، میں شرٹ استری کر کے ناشتہ بناتی ہوں''۔ وہ کہتے ہوئے بنا اُسے دیکھے اور رُکے کمرے سے باہر نکل آئی، مراد نے عجیب نظروں سے پلٹتے ہوئے دروازے کو دیکھا تھا۔ مہ روش نے سست روی سے دس منٹ لگاتے ہوئے شرٹ استری کرنے کے بعد جا کر اُسے دی، مراد سب نوٹس میں رکھے ہوئے بھی بمشکل چپ رہا کہ مزید بحث سے دیر نہ ہو، ڈریس اپ ہونے کے بعد وہ جب ناشتے کے لیے آیا تب تک آٹھ بج چکے تھے، جلدی جلدی ناشتہ کرتے ہوئے اُس نے کلثوم بیگم سے اتنا ضرور کہا تھا۔

''امی! آج پہلی مرتبہ مجھے دیر ہو رہی ہے، آپ اسے سمجھائیں کہ آئندہ ایسا نہ ہو، آپ جانتی ہیں میں کبھی بھی لیٹ ہونا پسند نہیں کرتا''۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا جبکہ شیلف کے پاس کھڑی ماہی نے اُس کی بات پر دھیرے سے اُس کی طرف دیکھا، ماں کے سامنے اُس کے چہرے پر غصے کا کوئی عنصر نمایاں نہ تھا، بس انداز ماہی کے لیے تنبیہہ لیے تھا، وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی۔

''ابھی کچھ مزا نہیں آیا، لیکن خیر.... آگے آگے دیکھیں کیا ہوتا ہے''۔ سوچتے ہوئے وہ خاموشی سے وہیں آئی اور چیئر کھینچ کر بیٹھی اور اپنا کپ اُٹھا کر چائے پینے لگی، کچھ ہی دیر میں مراد آفس کے لیے نکل گیا تھا، پھر پھپھو بھی ناشتہ کر چکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھیں، اُس نے چائے ختم کی اور معمول کے مطابق کچن سمیٹا، پھر کچن کے کاموں سے فراغت کے بعد کمرے کا رخ کیا، پہلی نظر زمین پر پڑی شرٹ پر گئی، تو ذہن میں ایک اور خیال اُبھرا، نظر اُٹھا کر اُس نے کمرے کو سرسری دیکھا، ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے تولیہ رکھا تھا، برش بھی ڈراسے باہر تھا، مراد کی آفس کی چند فائلز وغیرہ صوفے پر پڑی تھیں۔

''آپ تو بڑے صفائی پسند، نفاست کے قائل بنے پھرتے ہیں، مگر یہ کیسی نفاست پسندی ہوئی کہ ہر چیز بے ترتیب ہے، بے ڈھنگی نظر آرہی ہے، اگر یہی آپ کی صفائی پسند طبع کے عین اوپر اُترتی ہے تو یونہی سہی، پڑی رہیں اسی جگہ''۔ وہ گویا سوچتے ہی بے غم ہوئی۔

مراد صبح یونہی چیزیں اِدھر اُدھر پھیلا کر آفس جاتا تھا، مگر واپسی پر اسے کمرہ ایک دم صاف اور ہر چیز جگہ پر چاہیے ہوتی تھی، ماہی اُس کے آفس جانے کے بعد کچن سمیٹتی پھر کمرے کے الجھاؤ کو سلجھاتی، مگر اب سے اُس نے ہر وہ عمل کرنے کا تہیہ کرلیا تھا جس سے مراد کا پارہ ہائی ہو، سو بے فکر انداز میں کمرے سے باہر نکل آئی۔ دل اندر سے سوگوار تھا، ٹی وی آن کرکے بے خیال انداز میں چینل سرچ کرنے لگی، ذہن میں دُرعدن اور معطر فاطمہ کی باتیں آئیں، جو شادی سے پہلے فون پر انہوں نے کی تھیں۔

''رابطے میں رہنا، یہ نہ ہو مراد بھائی سے فرصت ہی نہ نکالو''۔ دُرعدن کا وہی شوخ وچنچل انداز تھا، تب وہ مسکرائی تھی۔

''ماہی! زندگی بہت خوبصورت ہے، آئی وِش کہ مراد بھائی تمہیں ہر وہ خوشی دیں، تمہارا خیال رکھیں کہ تمہیں ہر پل زندگی حسین لگے، میں چاہوں گی کہ ہم جب بھی فون پر بات کریں، تمہاری آواز، تمہاری خوشی کی کہانی سنائے''۔ معطر اپنی پیاری سی آواز میں اُس کی خوشیوں کے لئے دعا گو تھی۔

''آئی ایم سوری عدن، معطر.....! میں چاہتے ہوئے بھی اب تم دونوں سے رابطہ نہیں کرسکوں گی، میری آواز میں مصنوعی خوشی کا عنصر تمہیں میری بربادی کا حال سنادے گا، میں اپنی وجہ سے کسی کو پریشان نہیں کرسکتی، میری زندگی میں مراد سے متعلق کوئی لمحہ خوبصورت نہیں ہے جو میں تمہیں بتاسکوں، اور معطر! ہر بار زندگی ہر ایک کے لیے حسین نہیں ہوتی، ایک ایک لمحہ کبھی کبھار اذیت بن جاتا ہے، اور مراد منصور کی ذات مجھے خوشی کے بجائے صرف دکھ دیئے جارہی ہے، ایسا دکھ جسے جھیلنا بہت تکلیف دہ ہے، مگر میں اُسے کسی کے ساتھ بھی نہیں بانٹ سکتی، تم سب دوستوں کے ساتھ بھی نہیں''۔ سوچتے ہوئے اُس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔

بچپن سے لے کر اب تک وہ ہر غم سے آزاد رہی تھی، اُس کی ہر خواہش، ہر خوشی ہمیشہ پوری کی گئی تھی، اُس کی طبیعت میں تتلی کے خوبصورت پَروں جیسے بے شمار رنگ تھے، ہنسنا ہنسانا، بولنا، شرارت کرنا، ہر پَل کو کھل کر جینا اُس کی سرشت میں شامل تھا، چہرے پر خوبصورت بجلی مسکراہٹ سنبھالے وہ زندگی کی رنگینی وخوبصورتی میں مگن رہنا جانتی تھی، کبھی دکھ تکلیف کی بات تک اس نے نہیں کی تھی، مگر اب ایسے دکھ کا گھیرا دل کے گرد تنگ پڑا تھا کہ اپنی زندگی کے گزرے سال اُسے اجنبی سے لگنے لگے تھے، وہ ہنسنا، بولنا، شرارت کرنا کسی نادانی سے بڑھ کر لگ رہے تھے۔ مراد کے دیئے دکھ نے اُسے اپنے خول میں قید کرکے اندر سے نچوڑ لیا تھا، وہ بے بس ہوگئی تھی، مگر ظاہر کسی طور نہیں کرتا تھا اُسے۔

شام تک وہ معمول کے کاموں میں مصروف رہی، البتہ کمرے کا دوبارہ رخ نہیں کیا، مراد وقتِ مقررہ پر گھر آیا تھا۔

''چائے بناؤ، میں ڈریس چینج کرکے آتا ہوں''۔ کلثوم بیگم کو سلام کے بعد وہ اُسے کہتا کمرے کی طرف بڑھا، ماہی اثبات میں سر ہلاتی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی، وہ کمرے میں آیا اور ماہی کے خیال کے مطابق پہلی نظر پڑتے ہی حیران ہوا، کمرہ بے ترتیب حال میں تھا، بیڈ شیٹ سلوٹوں سے بھری پڑی تھی، صبح جو شرٹ اُس نے پھینکی تھی وہ اس کے پیروں تلے تھی، کمرے کا یہ حال شادی کے بعد پہلی بار اُسے دیکھنے کو ملا تھا، بُرا سامنہ بناتا وہ ڈریس چینج کرنے کے لیے آگے بڑھا، ڈریس چینج کرنے کے بعد وہ باہر چلا آیا، جب تک ماہی بھی چائے بنا کرلے آئی تھی۔

''آج کمرہ صاف نہیں کیا تم نے؟'' اُس نے ماں کے سامنے ہی اُس سے باز پرس شروع کردی۔

''نہیں''۔ وہ آہستگی سے جواب دیتی کپ اُسے تھما کر صوفے پر جابیٹھی۔

''کیوں؟''

''میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی''۔

''کیا ہوا ہے تمہیں، ٹھیک تو لگ رہی ہو؟'' چائے پینے سے پہلے ہی وہ بولا۔

''سَر میں درد تھا''۔

''ابھی تو نہیں ہے ناں، جاؤ صاف کرو، میرا دل تنگ ہوتا ہے گندگی سے''۔

''کل ہی کروں گی اب، ابھی کپڑے بھی پریس کرنے ہیں''۔ وہ بتانے لگی، البتہ دل میں الگ اُس سے مخاطب ہوئی۔

''کمال ہے، ساری گندگی تو آپ کے اپنے ذہن میں ہے، پھر اُسے کیسے برداشت کررہے ہیں؟''

''اَخ..... چائے کیسی بنائی ہے آج، لگتا ہے گرم پانی اُتار لائی ہو چولہے سے''۔ مراد نے اس کی پہلی بات کا جواب دینے سے قبل چائے ہونٹوں سے لگائی تھی، مگر ایک ہی گھونٹ بھی بمشکل اندر اُتارنے کے بعد کپ اُس نے ٹیبل پر رکھا تھا۔

''کیوں ٹھیک نہیں بنی؟'' پھپھو کے سامنے وہ اتنا ہی پوچھ سکی تھی۔

''ایک تو بے ذائقہ، اوپر سے پھیکی ہے''۔ وہ بدمزہ سا ہوکر بولا تھا۔

''اچھا....'' اس نے مصنوعی حیرانگی ظاہر کی۔

''مہ روش بیٹا! تم پھر چائے بنالو مراد کے لیے، چائے نہ پیئے تو اس کے سَر میں درد شروع ہوجاتا ہے''۔ مراد کے بولنے سے پہلے ہی پھپھو نے اُسے کہہ کر بات سمیٹی۔

''جی پھپھو!'' وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور کپ اُٹھا کر دوبارہ سے کچن کی طرف گئی، مراد چونکہ فی الحال ماہی کے ہر عمل کی اصل وجہ سے بے خبر تھا، سو بنا غصّے کے آرام سے بیٹھا تھا۔ کچھ ہی دیر میں مغرب کی اذان شروع ہوئی، ماہی نے اس مرتبہ ٹھیک سے چائے بنا کردی کہ اوپر نیچے گڑبڑ اُس کے لیے بھی گڑبڑ کرسکتی تھی، کلثوم پھپھو اذان کی آواز سنتے ہی نماز کی تیاری کے لیے چلی گئی تھیں، مراد بھی چائے ختم کرنے کے بعد مسجد میں جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا تھا، ماہی نے بھی اُس کے جانے کے بعد کمرے کا رُخ کیا تھا، ابتدا کے وار اُس کے زیادہ کارآمد تو نہ تھے، مگر وہ قدرے مطمئن تھی۔

☆............☆............☆

ہاتھ اگرچہ اُس کے خالی ہوچکے تھے، آنکھوں سے تمام خواب ٹوٹ کر بکھر چکے تھے، مگر دل میں ایک شمع روشن تھی۔ محبت کی شمع.... ہاں اب بھی روشن تھی۔ جڑیں مضبوط ہوں تو درخت ایک ہی جھٹکے میں گرائے نہیں جاتے، نہ کوئی جادو منتر چلتے ہیں، نہ ایک پھونک سے جذبات کی سچائی پر نفرت کی گرد جم سکتی ہے، سمندر بظاہر جتنا پُرسکون رہتے ہوئے اپنے اندر شدید اشتعال رکھتا ہے، ٹھیک اُسی طرح سچی محبت بظاہر نازک حساس جذبہ ہو، مگر درحقیقت اُسے ہمیشہ کے لیے فنا نہیں کیا جاسکتا، حالات کی سنگینی لاکھ محبت میں نفرت کی ملاوٹ کرنا چاہے، مگر زہر کی کڑواہٹ سے زیادہ محبت کی شیرینی ومٹھاس ہر نفرت، شکوے کو زائل کردیتی ہے۔ علی آیان حسن گیلانی کی محبت بھی ایک چھوٹے روشن دیئے کی طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی تھی، جسے شدید طوفانی بارش بھی بجھا نہیں سکی تھی، ہاں بارش کے گزرنے کے بعد کا اثر اُس روشن دیئے کو سہا ضرور گیا تھا، مگر اُسے سرے سے تاریک نہیں کر پایا تھا۔

"ہاں مستبشرہ جمال! تمہارے ہر بُرے عمل و فعل کے بعد بھی میں تمہیں اپنے دل سے نکال نہیں پایا، میں اپنی آخری سانس تک تمہیں اپنے اندر محسوس کروں گا، کیونکہ میں نے تم سے روح کا رشتہ جوڑا تھا، جو شاید میرے مرنے کے بعد بھی تم سے قائم رہے، میں جانتا ہوں کہ اس ملک سے جانے کے باوجود بھی میں تمہیں ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں بھول سکتا، مگر.... افسوس کہ میری محبت اتنی پُر اثر ہونے کے باوجود بھی اتنی طاقت ور نہ تھی کہ تمہارے دل میں تھوڑی سی جگہ بنا سکتی، میں جا کر واپس آ گیا تو جانے اپنے دعوے اور فیصلے کو صحیح ثابت کرنے کے بعد اس حقیقت سے نظریں بھی ملا سکوں گا کہ نہیں کہ میں ایک غیر یقینی اُمید لیے تمہارا منتظر رہوں گا کہ ہم کبھی دوبارہ ملیں اور ہمیشہ کے لیے ملیں"۔ جانے کی تمام تیاری کرنے کے بعد وہ مستبشرہ جمال سے دل ہی دل میں پہلے کی طرح مخاطب اُس سے اپنی دیوانگی ظاہر کرتا بہت وثوق سے کہتا اُسے تمام عمر نہ بھولنے کی اصلیت کو مان رہا تھا۔

"تم میرے آس پاس کہیں بھی نہیں ہو، مگر میری دھڑکنیں تمہیں ہر لمحہ محسوس کرتی ہیں، میری ہر سانس میں تمہاری مہک شامل ہے، تمہارے ساتھ بِتایا ہر لمحہ، وہ تمام خوبصورت دن، میری زندگی کا اثاثہ ہیں، میں اگرچہ تمہارے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اب کوئی مسافت طے نہیں کر سکتا، مگر مجھے دیوانہ ہی سمجھو کہ میرے اندر ایسی خواہش اب بھی ہے، تم سے بچھڑ کر بھی میں تمہیں اتنا ہی چاہتا ہوں جتنا میں تمہارے لیے تڑپا ہوں، تمہارے جانے سے جتنی تکلیف میرے دل کو ہوئی ہے ان پانچ ماہ میں، اُتنی ہی میری محبت بڑھی ہے، میں نے تم سے متنفر ہونے کے ہزار جتن کیے، مگر سچ کہا ہے کسی نے جنہیں دل سے چاہا جائے، دل میں بسایا جائے اُنہیں دل سے نکالا نہیں جاتا، میری محبتیں آج بھی تمہارے نام ہیں، تمہاری منتظر ہیں"۔ بڑی فرصت و طمانت سے سوچتا وہ محبت کی مٹی سے گندھا شخص ہجر کی آگ میں جلتے ہوئے بھی نرم گداز پتیوں پر چلنے کی بات کر رہا تھا، اپنے بے لوث جذبات کا بیان بڑی خوبصورتی سے تصور میں پیش کر رہا تھا۔

"آج بھی میری ہر سوچ تمہی سے شروع ہو کر تمہی پر ختم ہوتی ہے، میں اپنی ہر بات میں تمہارا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، اپنی ہر مسکراہٹ کی وجہ تمہاری ذات بنانا چاہتا ہوں، تمہیں اپنی ہر سانس کا جواز بنانا چاہتا ہوں، دھڑکنوں کے شور میں تمہارے نام کی پکار سننا چاہتا ہوں، تمہیں..... صرف تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں، تمہاری گہری کالی آنکھوں میں اپنا، صرف اپنا عکس دیکھنا چاہتا ہوں"۔ وہ چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا، کھڑکی کے پٹ وا کیے تو خوشگوار ٹھٹھرتی ہوا کا جھونکا اُس کے جسم سے ٹکرایا، دسمبر کی آخری رات تھی، چند گھنٹوں بعد نئے سال کا آغاز ہونے والا تھا اور اپنے نئے سال کی ابتداء وہ مستبشرہ جمال کو سوچ کر، اُس کے تصور کے ساتھ ہی کرنا چاہ رہا تھا، آہستگی سے ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر باہر برستی مدھم بارش کی بوندوں کو ہاتھ کی ہتھیلی میں سمیٹنا چاہا۔

"میرا دل چاہتا ہے مستبشرہ! کہ میں بارش میں تمہارے ساتھ بھیگوں"۔ علی نے زیرِ لب اس انداز میں اُسے مخاطب کیا، جیسے وہ بالکل اُس کے پاس، اُس کے ساتھ کھڑی ہو، مگر ایسا نہیں تھا، اُس نے اپنا ہاتھ اندر کیا کہ تصور میں ہنستی گاتی مستبشرہ جمال اُس کے ضبط کو آزمانے لگی تھی، اُس نے فوراً اُسے آنکھیں میچ لیں، وہ اپنی تشنگی پر رونا بھی تو نہیں چاہتا تھا۔

"میں کل چلا جاؤں گا مستبشرہ! تم سے شکوے ہزار سہی پر میں تمہیں اپنے جیسا ادھورا بالکل نہیں دیکھ سکتا، مجھے تم تو نہ ملیں، مگر میری دعا ہے کہ تمہیں وہ ضرور ملے جس سے تم محبت کرو، مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے کہ کتنا دکھ ہوتا ہے، میں تمہیں محبت کے لیے تڑپتے ہوئے سوچ بھی نہیں سکتا، تم جس کی زندگی بنو گی وہ دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوگا"۔

مستبشرہ جمال کے لیے دعا گو وہ اپنے لیے ارمانی تھا، اندر کہیں کسک سی محسوس کرتا حسرت زدہ ہوا، باقی کی تمام رات بھی اُس نے جاگتے ہوئے صرف مستبشرہ جمال کے تصور سے باتوں میں گزاری، اپنے نئے سال کا آغاز اُس نے اپنی محبت کو ساتھ لے کر کیا تھا، اور اپنے اس خبطی سے انداز پر وہ صبح کھل کر مسکرایا تھا، البتہ اُس کا موڈ بہت ہلکا پھلکا اور خوشگوار تھا۔

ساجدہ گیلانی اور حسن گیلانی کے ساتھ ناشتہ کرتے ہوئے اُس نے بہت سی باتیں کیں، حسن گیلانی نے سرمد گیلانی کو اس کی آمد کے متعلق بتا دیا تھا، وہاں اٹلی میں سبھی اُس کی آمد کا سن کر بے حد خوش و منتظر تھے، صبح گیارہ بجے کی فلائٹ سے اُسے جانا تھا، ماں کے بے حد اصرار پر بھی وہ نہ مانا اور انہیں منع کیا کہ وہ گھر سے ہی دعاؤں کے ساتھ رخصت ہوگا، ایئر پورٹ پر اُس کے جاتے جاتے انہوں نے کوئی ہزار بار رو کر اپنی حالت خراب کر دینی تھی، حسن گیلانی نے بھی بیگم کو سمجھایا، تب کہیں جا کر وہ مانیں، گھر سے نکلنے تک وہ ماں کے ساتھ ہی رہا، کبھی اُن کے گلے میں بانہیں ڈالے لاڈ اُٹھواتا تو کبھی وہ اُس کے جانے پر افسردگی کا اظہار کرنے لگتیں، مگر اُسے تو جانا ہی تھا۔ عمر بھی آ گیا تھا اُسے لینے، اُس نے عمر سے ہی کہا تھا کہ وہ اُسے ایئر پورٹ لے کر جائے۔ ماں باپ دونوں سے ملتا الوداعی کلمات ادا کرنے اور بہت سی دعائیں لینے کے بعد وہ عمر کی سنگت میں ایئر پورٹ کی جانب نکلا۔

"یار عمر! ایک بات پوچھنی تھی تم سے؟" راستے میں علی بولا تھا۔

"کون سی بات؟" نگاہیں سامنے ہی مرکوز رکھے عمر نے پوچھا۔

"تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں ایک پیکٹ دیا تھا مستبشرہ کو دینے کے لیے؟ جب وہ واپس جا رہی تھی"۔ پوچھتے ہوئے اُسے بتایا۔

"ہاں یاد ہے، کیوں؟" عمر نے اب کے اُسے دیکھا۔

"تم نے دیا تھا وہ مستبشرہ کو؟"

"ہاں دیا تھا، کیوں.... اتنے عرصے بعد تم پھر کیوں پوچھ رہے ہو؟" عمر نے نہ سمجھی کے عالم میں نارمل سے انداز میں استفسار کیا۔

"مجھے وہ مستبشرہ کے لیے نہیں دینا چاہیئے تھا"۔ علی گہری سوچ میں غرق بولا۔

"ایسا کیا تھا اُس میں؟" عمر قدرے حیران ہوا، تفکر سے پوچھا۔

"خط اور لاکٹ"۔ اس نے مختصراً بتایا۔

"کیسا خط، کون سا لاکٹ؟" عمر کی طرف سے سوال پر سوال آیا، وہ لاعلم تھا، حالانکہ اُس وقت پیکٹ لے کر مستبشرہ کو دینے کا وعدہ کرتے وقت بھی علی کی اُس وقت کی حالت کے پیشِ نظر وہ پوچھ نہ سکا تھا اور بعد میں اُسے یاد نہ رہا تھا، ورنہ ضرور پوچھتا، لاکٹ کے بارے میں بھی اُسے معلوم نہیں تھا۔

"تب کی کیفیت میں، میں نے اُسے خط کے ذریعے پتا نہیں کیا کیا لکھا تھا، اُس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی، مگر مجھے اُسے کچھ بھی نہیں لکھنا چاہیئے تھا، اُس کو پڑھ کر جانے کیسا لگا ہو، کیا پتہ وہ ہرٹ ہوئی ہو، شرمندہ ہو، مجھ پر غصہ ہو، اور بہت پہلے اپنی یکطرفہ محبت کو میں نے اَمر کرنے کے لیے ایک لاکٹ بنوایا تھا، جس پر MA لکھا تھا، مگر جانے سے قبل مستبشرہ نے وہ مجھے واپس لوٹا دیا تھا کہ اُسے اُس لاکٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ اُسے میرا لاکٹ گھٹیا لگا تھا، مگر میں نے اُسے اس یقین کے ساتھ وہ لاکٹ واپس دیا کہ ایک نہ ایک دن اُسے میری محبت کا یقین آئے گا اور وہ بھی اپنی دیوانگی کا اظہار مجھ سے کرے گی، لیکن مجھے اُسے کچھ بھی نہیں دینا چاہیئے تھا"۔ وہ تفصیلاً و سنجیدہ، مگر عجب کھوئے کھوئے سے انداز میں بولا۔

(جاری ہے)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگہی ڈائری

سحر علی کی ڈائری سے

امجد اسلام امجد کی نظم

یہ جو وقت ہے میرے شہر پر

یہ جو وقت ہے میرے شہر پر، کئی موسموں سے رُکا ہوا
اِسے اِذن دے کہ سفر کرے
اِسے حکم دے کہ یہ چل پڑے، مِرے آسمان سے دور ہو
کوئی چاند چہرہ کشا کرے، کوئی آفتاب ظہور ہو
کہ نواحِ چشمِ خیال میں وہ جو خواب تھے، وہ دُھواں ہوئے
وہ جو آگ تھی وہ نہیں رہی، جو یقین تھے وہ گمان ہوئے
کوئی دُھند ہے جسے دیکھتے، مِری آنکھ برف سی ہو گئی
وہ عبادتِ سرِ لوحِ دل، کسی ربط سے نہیں آشنا
کہ جو روشنی تھی کتاب میں وہی حرف حرف سی ہو گئی
کوئی گرد باد اُٹھے کہیں، کسی زلزلے کی نمود ہو
یہ جو "ہست" ہے میرے چار سُو، کوئی معجزہ کہ یہ "بُود" ہو
میری آنکھ میں یہ جو رات ہے، مِری عمر کی اُسے ٹال دے
مرے دشتِ ریگِ ملال کو کسی خوش خبر کا غزال دے
یہ فلک پہ جتنے نجوم ہیں ترے حکم کے ہیں یہ منتظر
جو صبحِ نو کا نقیب ہو مِری سمت اُس کو اُچھال دے!

سیدہ عشرت آصف کی ڈائری سے

نامعلوم شاعر کی غزل

یہ دوریوں میں لمحۂ وصال کیسے آ گیا
تمہیں ہمارے شہر کا خیال کیسے آ گیا
ابھی تو طے ہوئے نہ تھے اُصول شناسائی کے
ابھی سے دل کے آئینے میں بال کیسے آ گیا
کوئی تو بھید ہم پہ بھی کھلے تیرے عروج کا
کبھی تو ہم بتا سکیں زوال کیسے آ گیا
چلے تھے تم چاہتوں کی سیپیاں تلاشنے
تمہارے ہاتھ نفرتوں کا جال کیسے آ گیا
گلاب رُت گزر چکی، مگر یہ شہرِ ہجر میں
ہوا کے ہاتھ خوشبوؤں کا ہاتھ کیسے آ گیا
ہماری تو عمر کٹ گئی، ہمیں تو ڈھب نہ آ سکا
تمہیں یہ عرضِ حال کا کمال کیسے آ گیا
محبتوں میں شرط کی تو کوئی بات ہی نہ تھی
یہ درمیاں اناؤں کا سوال کیسے آ گیا

ریمانور رضوان کی ڈائری سے

محسن بھوپالی کی نظم

تسلسل ٹوٹ جائے گا

نہ چھیڑو کھلتی کلیوں کو، ہنستے پھولوں کو
ان اُڑتی تتلیوں کو، آوارہ بھنوروں کو
تسلسل ٹوٹ جائے گا
فضا محوِ سماعت ہے
حسین ہونٹوں کو نغمہ ریز رہنے دو
نگاہیں نیچی رکھو اور مجسم گوش بن جاؤ
اگر جنبش لبوں کو دی
تسلسل ٹوٹ جائے گا
میں شاعر ہوں
میری فکرِ رسا، احساس کی اس سطح پر ہے
جس میں خوشبو رنگ بنتی ہے
صدا کو شکل ملتی ہے
تصور بول اُٹھتا ہے
خاموشی گنگناتی ہے
یہ وہ قصہ ہے.....
ایسے میں
اگر دادِ سخن بھی دی
تسلسل ٹوٹ جائے گا
نجانے خواب میں کن وادیوں کی سیر کرتی ہو
بلندی سے پھسلتے آبشاروں میں کہیں گم ہو
فلک آثار چوٹی پر کہیں محوِ ترنم ہو
اگر آواز دی تم نے
تسلسل ٹوٹ جائے گا

سحر انجم کی ڈائری سے

جون ایلیا کی غزل

دل نے وفا کے نام پر کارِ وفا نہیں کیا
خود کو ہلاک کر لیا خود کو فدا نہیں کیا
جو بھی ہو تم پہ معترض اُس کو یہی جواب دو
آپ بہت شریف ہیں آپ نے کیا نہیں کیا
نسبتِ علم ہے بہت حاکمِ وقت کو عزیز
اُس نے تو کارِ جہل بھی بے علماء نہیں کیا
جس کو بھی شیخ و شاہ نے حکمِ خدا دیا قرار
ہم نے نہیں کیا وہ کام ہاں بہ خدا نہیں کیا
خیرہ سرانِ شوق کا کوئی نہیں ہے جنبہ دار
شہر میں اس گروہ نے کس کو خفا نہیں کیا

سیدہ امبر ہاشمی کی ڈائری سے

امجد اسلام امجد کی نظم

گئے دنوں کی عزیز باتیں
نگار صبحیں، گلاب راتیں
بساطِ دل بھی عجیب شے ہے
ہزار جیتیں ہزار ماتیں
جدائیوں کی ہوائیں لمحوں کی
خشک مٹی اُڑا رہی ہیں
گئی رُتوں کا ملال کب تک
چلو کہ شاخیں ٹوٹتی ہیں
چلو کہ قبروں پر خون رونے سے
اپنی آنکھیں ہی پھوٹتی ہیں

شائلہ ملک کی ڈائری سے

وصی شاہ کی غزل

اب تو ممکن ہی نہیں

اب تو ممکن ہی نہیں اُن سے ملاقات وصی
اب تو عروج پہ پہنچی ہے اس کی ذات وصی
وہی وعدے ہیں اور رسموں کی زنجیریں باقی
کب بدلتی ہیں زمانے کی روایات وصی
ایک وہ دن تھے کہ اِک دوسرے کو سوچتے تھے ہم
اب ملتے نہیں دونوں کے خیالات وصی
میری ہر صبح کا آغاز تیرے نام سے ہو
تیری یادوں میں کٹی میری ہر اِک رات وصی
تم کہاں اور میرے پیار کا معیار کہاں
وہ کتنی سادگی سے کہہ گئے یہ بات وصی

حنا علی کی ڈائری سے

فیض احمد فیض کی نظم

تنہائی

پھر کوئی آیا دلِ زار! نہیں کوئی نہیں
راہرو ہوگا، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات، بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے ہر اِک راہگزر
اجنبی خاک نے دھندلا دیے قدموں کے سراغ
گل کرو شمعیں، بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا

☆.........☆.........☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اشعار

عانیہ نیازی.......................ربوہ

نہیں ہوتم بھی قیامت کی تند و تیز ہوا
کسی کے نقشِ قدم کی لکیر ہم بھی نہیں
ہماری ڈوبتی نبضوں سے زندگی تو نہ مانگ
سخی تُو ہیں مگر اتنے امیر ہم بھی نہیں

نور بانو.......................کوئٹہ

ہر قدم پر تمہارا احساس چاہیئے
مجھے اتنا ہی تمہارا ساتھ چاہیئے
زمانہ بھی رو پڑے ہماری جدائی پر
یہ رشتہ مجھے اتنا ہی خاص چاہیئے

صبا سحر.......................ہارون آباد

خوابوں کی طرح تھا نہ خیالوں کی طرح تھا
وہ شخص ریاضی کے سوالوں کی طرح تھا
اُلجھا ہوا ایسا کہ کوئی کھول نہ پائے
سُلجھا ہوا ایسا کہ مثالوں کی طرح تھا

بسمہ علی.......................سکھر

یاد اس کو کروں تو سعد کیسے
پل میں جو مجھے بھلا گیا ہے

دھنک ناز.......................کراچی

وہ بات کیا تھی وہ کہتے کہتے رُک گیا
نہ ہم سمجھے نہ وہ بولا، کچھ کہتے کہتے رُک گیا
شاید سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کہنا تھا
تبھی تو وہ ہمارے دیکھنے پہ کچھ کہتے کہتے رُک گیا

کوثر بانو.......................لاہور

میں دیکھتا ہوں تو میں دیکھتا ہی رہتا ہوں
وہ آئینے میں بھی اپنے ہی رنگ چھوڑ گیا

ریحانہ.......................ملتان

اتنا مشکل نہیں تجھے پانا
اِک گھڑی چاہت ہے فرصت کی
ہم نے تو خود سے انتقام لیا
تم نے کیا سوچ کر محبت کی

سونیا خان.......................بھکر

جسے میں دیکھتی ہوں آئینے میں
وہ میرا عکس ہے چہرا نہیں ہے
میں رستہ ہوں کسی منزل کا ایسا
کسی نے جسے ڈھونڈا نہیں ہے

شمائلہ ملک.......................کراچی

رہے گی یاد ہمیں اس کی خوش مزاجی بھی
ملا ہے جب وہ، خوش فہمیوں میں ڈال گیا

ثناء قیوم.......................بہاولپور

وقت ایجاب دعا کا تھا کوئی نعمت مانگتے
سامنے جابر کے سچ کہنے کی جرأت مانگتے
جن کی آنکھیں تھیں انہیں بھی کچھ نظر آتا نہ تھا
ایسے اندھے شہر میں ہم کیا بصارت مانگتے

اُمّ فروہ.......................کراچی

ایک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اُترا تو میں نے دیکھا

نوشین مدثر.......................لاہور

لو بہاروں کے رنگ چھانے لگے
اشک آنکھوں میں مسکرانے لگے
چند لمحوں کی چند یادیں تھیں
کٹ گئی عمر جب سنانے لگے

علشبہ نور.......................کراچی

شگوفے جھولتے ہیں اس چمن میں بھوک کے جھولے
بہاروں میں نشیمن تو بہر عنوان جلتے ہیں

نور ملک.......................کراچی

جب گلستان میں بہاروں کے قدم آتے ہیں
یاد بھولے ہوئے یاروں کے کرم آتے ہیں

عینی مرتضٰی.......................سیالکوٹ

یہ کیسے فیصلے ہوتے ہیں اوپر
جو نیچے عہد سارے ٹوٹتے ہیں
خوشی کے موڑ پر ہی کیوں یہ آخر
ہمارے خواب سارے ٹوٹتے ہیں

ثناء حیات.......................پشاور

مرے جنوں کا فسوں ہے جو رو پڑا ہے وہ
کہ میرے غم نے اُسے آج جاں سے کھینچ لیا
اُسے بھی زعم تھا انکار پر، مگر میں نے
وہ ایک لفظِ محبت زباں سے کھینچ لیا

ایمن توقیر.......................گجرات

اپنی افسردہ مزاجی کا بُرا ہو کہ قتیل
واقعہ کوئی بھی ہو آنکھ کو بھر جانا ہے

امبرین حیدر.......................اسلام آباد

گزر گئے ہیں جو خوشبوئے رائیگاں کی طرح
وہ چند روز میری زندگی کا حاصل تھے
اب ان سے دور کا واسطہ بھی نہیں ناصر
وہ ہم نوا جو میرے رتجگوں میں شامل تھے

شازیہ رحمت.......................سرگودھا

دوست تو خیر کون کس کا ہے
اُس نے دشمن بھی نہ سمجھا لوگو
رات وہ درد مرے دل میں اُٹھا
صبح تک چین نہ آیا لوگو

ثناء مبشر.......................لاہور

مجھے بھی خاک، تجھے بھی ہوا ہونا تھا
کہ رنگ و بو کو کہیں پر جُدا ہونا تھا
پرتیش جو بڑھیں فاصلے تو بڑھنے تھے
کہ بندگی میں کسی کو خدا تو ہونا تھا

رابعہ منیر.......................سرگودھا

لطف تو جب ہے سفر کا کہ میرے ہمسفرو
اپنے سائے کو بھی رستے میں نہ چھوڑا جائے
دل تجھے بھولنا چاہے بھی تو مشکل یہ ہے
کس طرح سانس کی زنجیر کو توڑا جائے

حنا علی.......................ملتان

اِک اُداسی کرتی جائے گی سرایت روح میں
اس قدر وابستگی اچھی نہیں ہے شام سے

سحر انجم.......................کراچی

اُس کی وفا پہ یونہی مجھے ناز تو نہ ہے
خود کو بھلا کر اُس نے مجھے اپنا بنایا ہے

مناحل ناز.......................کراچی

میں نے خدا سے تیری محبت کی گواہی مانگی تھی
اُس نے بارش برسا کر مجھے لاجواب کر دیا

خورشید علی.......................سیالکوٹ

تیری ہر اُدا محبت سی لگتی ہے
اِک پَل کی جدائی مدّت سی لگتی ہے
پہلے نہیں سوچا پَر اب سوچتے ہیں
زندگی کے ہر لمحے میں
تیری ضرورت سی لگتی ہے

خدیجہ خان.......................پشاور

یہ تو صرف ظرف کی بات ہے کہ کوئی سمیٹے کس طرح
کہ جتنے دُکھ ملتے ہیں اتنے دامن کشادہ نہیں ہوتے
جو خود پر جھیل چکے ہوں کرب ٹوٹے ہوئے دل کا
وہ کسی کا دل دکھانے پر آمادہ نہیں ہوتے

زرش کمال.......................حیدر آباد

عمل سے بھی مانگا وفا سے بھی مانگا
تجھے میں نے تیری رضا سے بھی مانگا
جو کچھ نہ ہوسکا تو دُعا سے بھی مانگا
خدا کی قسم میں نے تجھے خدا سے بھی مانگا

☆..........☆..........☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

جب عقل تمہیں اپنی طرف پکارے تو اس کی بات دھیان سے سنو، اس کی باتیں سن کر اپنے آپ کو پوری طرح مسلح کرلو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے بڑھ کر کوئی رہنما پیدا نہیں کیا اور نہ عقل سے بڑھ کر کوئی زیادہ موثر ہتھیار ہے، جس وقت عقل تمہاری دل کی گہرائیوں سے ہمکلام ہوتی ہے تو وہ تمہیں حرص و آز سے بچالیتی ہے، عقل ایک نہایت ہی خوش فکر واعظ ہے، ایک باوفا رہبر ہے اور ایک دانشور وکیل ہے، عقل تاریکی میں قندیل بن کر نورافشاں ہوتی ہے، غم و غصہ تاریکی پھیلاتا ہے اس لیے ہوش سے کام لو اور جذبات کے بجائے ہمیشہ عقل کو چراغ راہ بناؤ، لیکن ایک بات نہایت ضروری ہے عقل کے ساتھ علم کا ہونا لازمی امر ہے، کیونکہ عقل علم کی مدد کے بغیر کچھ نہیں کرسکتی، یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، عقل، علم کے بغیر بالکل ویسی ہے جیسے کوئی مفلس بے گھر پھر رہا ہو اور اسی طرح علم، عقل کے بغیر ایسا ہے جیسے ایک مکان ہو، لیکن اس کا کوئی محافظ نہ ہو، یہاں تک کہ اگر عقل دستگیری کے لیے مستعد نہ ہو تو محبت، انصاف اور نیکی جیسی ارفع اور برتر چیزیں بھی بیکار ہوکر رہ جاتی ہیں۔

عقل کے بغیر ایک عالم و فاضل کی حیثیت بالکل اس سپاہی کی سی ہے جو ہتھیاروں کے بغیر میدان جنگ کی طرف چل کھڑا ہو، ایسا سپاہی میدانِ جنگ میں کچھ نہ کرسکے گا، عقل اور علم جسم اور جان کی حیثیت رکھتے ہیں جس کے بغیر روح ایک بے جان ہوا ہے۔

"ایک محبت سو افسانے" سے اقتباس، خلیل جبران

انتخاب: عائشہ نیازی ...... ربوہ

اس ماہ کی نظم

ایک پرانی ریت

جو بھی گھر سے جاتا ہے
یہ کہہ کر ہی جاتا ہے
دیکھو مجھ کو بھول نہ جانا
میں پھر لوٹ کے آؤں گا
دل کو اچھے لگنے والے
لاکھوں تحفے لاؤں گا
نئے نئے لوگوں کی باتیں
آ کر تمہیں سناؤں گا
لیکن آنکھیں تھک جاتی ہیں
وہ واپس نہیں آتا ہے
لوگ بہت ہیں اور وہ اکیلا
ان میں گم ہو جاتا ہے

شاعر: منیر نیازی

انتخاب: صباسحر...... ہارون آباد

اس ماہ کی کرنیں

☆ کامیابی کا زینہ بہت سی ناکامیوں کی سیڑھیوں سے بنا ہوا ہے۔
☆ محبت ایک ایسی چیز ہے جو سیکھنے کی اور کسی کو بتانے کی نہیں ہے۔
☆ دوست کی نسبت دشمن کو معاف کرنا زیادہ آسان ہے۔
☆ اپنا حق لینے میں کبھی کوتاہی نہ کرو، البتہ دوسروں کے غصب حقوق سے بچو۔
☆ ہر شخص کی قیمت وہ ہنر ہے جو اس کے اندر ہے۔
☆ ضد اور ہٹ دھرمی صحیح رائے کو دور کرتی ہے۔

☆ جو تم کو بُری بات سے ڈرائے وہ تم کو خوشی کی بشارت دیتا ہے۔
☆ صبر ایسی سواری ہے جو کبھی اپنے سوار کو گرنے نہیں دیتی۔
☆ ہمیشہ سچے لوگوں سے دوستی رکھو کیونکہ وہ اچھے دنوں میں سرمایہ اور بُرے دنوں میں محافظ ہوتے ہیں۔

روشنی فاطمہ...... کراچی

اس ماہ کی خوبصورت بات

کبھی اس انسان کو مت کھونا جو تم کو دل سے دعا دیتا ہو، ورنہ دعا تو ہوگی، مگر دل سے دینے والا نہیں ہوگا۔

طوبیٰ علی...... لاہور

اس ماہ کا شعر

اب اتنی مختصر ہوگئی ہے گفتگو یاراں
جو رات ہوئی تو شب بخیر اور صبح ہوئی تو صبح کا سلام

نور بانو...... کوئٹہ

اس ماہ کے اقوال

☆ جو اپنے لئے اُصول نہیں بناتے، انہیں دوسروں کے بنائے ہوئے اصولوں پر چلنا پڑتا ہے۔
☆ کامیاب انسان، ماضی کی ناکامیاں یاد رکھتے ہیں۔
☆ لوگ اپنے فیصلوں کی وجہ سے ترقی کرتے ہیں۔
☆ اپنی قابلیت پر رشک کرنے والا اپنی قوتوں کو کم کرتا ہے۔
☆ شخصیت کی تعمیر خیالات کرتے ہیں۔
☆ دوسروں کے نگران ہونے سے بہتر ہے کہ اپنی نگرانی کی جائے۔
☆ عظیم اور معمولی آدمی میں جو فرق ہے، وہ صرف عزم اور ارادے کا ہے۔
☆ لوگ اتنا ہرگز نہیں جانتے، جتنا دعویٰ کرتے ہیں۔
☆ جدوجہد چیزوں کی قیمت بڑھاتی ہے۔
☆ جو چیزیں پراسرار ہوتی ہیں، وہ پُرکشش بھی ہوتی ہیں۔
☆ نرم الفاظ کی لاگت معمولی مگر قدر و قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔
☆ جتنا بڑا شہر ہے، اتنی بڑی تنہائی ہے۔
☆ جس نے غم برداشت نہ کئے، وہ خوشی کا مزہ کیا جانے۔
☆ ہر مشکل کا توڑ آپ کے دماغ کے اندر ہے۔
☆ جو لوگ آپ سے زیادہ ذہین ہیں، ان سے جلنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ آپ ان سے زیادہ محنتی بن سکتے ہیں۔

ایس۔امتیاز احمد...... کراچی

اس ماہ کا افسانچہ

جب سے تمہارا میرا تعلق جداگانہ سا ہوا ہے دل بے قرار رہنے لگا ہے، اکثر راتوں کو نیند سے چکنا چور آنکھیں تمہاری آمد کی منتظر رہتی ہیں کہ تم اب آؤ کہ تب آؤ، لیکن ساری رات گزر جانے کے باوجود تم آنے کا نام نہیں لیتی ہو، تمہارے بغیر مجھے ایک پل جینا دشوار لگتا ہے، کبھی کسی گھڑی آ بھی جاتی ہو تو یوں لگتا ہے کہ گویا صدیاں گزر گئی ہوں، ابھی میں تمہاری آمد کا شکریہ بھی ادا نہیں کر پاتا کہ تم شرمائے بغیر کسی آہٹ کے واپس چلی جاتی ہو، تمہیں کیا پتہ کہ تمہارے بغیر اپنے آپ سے بیزار بیزار سا رہنے لگا ہوں، کبھی کبھی تو تمہارے وجود سے نفرت سی ہونے لگتی ہے، اپنے آپ کو کوستا ہوں کہ مجھے تم سے اتنی اُلفت کیوں ہے، لیکن کیا کروں میرا تمہارے بن گزارا بھی تو ناممکن ہے کیونکہ تم چیز ہی ایسی ہو۔

اے میری جان! میری پیاری "بجلی" میں تمہاری زیادہ دیر جدائی برداشت نہیں کرسکتا۔

شائلہ ملک...... کراچی

اس ماہ کا صدمہ

کیا وقت ہے زندگی موت سے سستی ہوئی ہے
زندگی ہرجا جلتی ہوئی ہے
وہ نکلے تھے گھروں سے روزگار کی غرض سے
آگ کی لپیٹوں میں خشک روزی ہوئی ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہیں روتی ہے ماں، کہیں بیوہ ہوئی سہاگن
زندگی باپ کی شفقت کو اب ترسی ہوئی ہے
جن چہروں کو دیکھ ہم لوگ جیا کرتے تھے
آہ! آنکھیں لاشے دیکھنے کو بھی برسی ہوئی ہے
خوش قسمتی ہے کہ یہی بدبختی ہے ہماری
روشنی دیتے دیے ہی نے موت بھیجی ہوئی ہے

سعدیہ عابد......کراچی

اس ماہ کے لطیفے

احمقانہ سوال

ایک مقدمے میں جرح کے دوران وکیلِ صفائی نے گواہ سے پوچھا۔

''کیا تم بتا سکتے ہو کہ تم مقام واردات سے کتنے فاصلے پر تھے؟''

گواہ نے جواب دیا ''جی ہاں جناب! میں مقام واردات سے تین میٹر، پندرہ اعشاریہ سات سینٹی میٹر کے فاصلے پر تھا''

وکیل نے حیرت سے پوچھا۔ ''لیکن تم نے اس قدر صحیح اندازہ کیسے قائم کیا؟''

گواہ بولا ''مجھے معلوم تھا کہ کوئی نہ کوئی بے وقوف مجھ سے اس قسم کا احمقانہ سوال ضرور کرے گا اس لئے میں نے پہلے ہی ناپ لیا تھا''۔

امتحانی

ریسٹورنٹ میں ایک صاحب نے کھانا منگوا کر کھانا شروع کیا تو انہیں احساس ہوا کہ اِردگرد کی میزوں پر بیٹھی ہوئی بہت سی لڑکیاں ٹک ٹک ان کی طرف دیکھ رہی ہیں انہوں نے ذرا پریشان ہو کر ویٹر کو بلایا اور ان کے بارے میں پوچھا۔ ویٹر کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا۔

''سر! بات دراصل یہ ہے کہ اس ریسٹورنٹ کے برابر میں ہی ایک کمیونٹی ہال ہے۔ جہاں کھانا پکانے کی کلاسیں ہوتی ہیں۔ یہ کھانا وہیں سے آیا ہے۔ اگر آپ نے کھانا پورا ختم نہ کیا یا آپ کھانا کھا کر لیے لیٹ گئے تو یہ لڑکیاں فیل ہوجائیں گی۔''

اس ماہ کی غزل

چاند کے ساتھ مری بات نہ تھی پہلی سی
رات آتی تھی مگر رات نہ تھی پہلی سی
ہم تری یاد سے کل شب بھی ملے تھے لیکن
یہ ملاقات ملاقات نہ تھی پہلی سی
آنکھ کیوں لوٹ گئی خوف سے صحراؤں کو
کیونکہ اس بار تو برسات نہ تھی پہلی سی
اب کے کچھ اور طرح کی تھی اُداسی ان میں
چاند تاروں کی یہ بارات نہ تھی پہلی سی
عشق نے پل میں بدل دی میری ساری دنیا
میں نے دیکھا کہ مری ذات نہ تھی پہلی سی

شاعر: فرحت عباس شاہ
انتخاب: حنا علی......ملتان

ماں کا مرتبہ

☆ ماں ایک ایسا ہیرا ہے جو کبھی خریدنے سے حاصل نہیں ہوتا۔
☆ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عظیم تحفہ ماں کے روپ میں دیا ہے۔
☆ ماں کا غصہ وقتی ہوتا ہے جو فوراً ضائع ہو جاتا ہے۔
☆ ماں کی طرف پیار سے دیکھنا بھی عبادت ہے۔
☆ ماں ایسی ہستی ہے جو ایک بار کھونے سے دوبارہ حاصل نہیں ہوتی۔
☆ ماں کی عزت کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔
☆ ماں کی ممتا لافانی ہوتی ہے۔
☆ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔
☆ ماں کا سایہ خدا کی رحمت ہے۔
☆ ماں باپ کی عزت کرنا، ادب کرنا، انشاء اللہ جنت کا ایک دروازہ کھلا رہے گا۔

فائزہ صدیقی......کراچی

☆......☆......☆



حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

جناب نبی کریم نے ارشاد فرمایا: ''دین بڑا سہل اور آسان ہے، سلامت روی اختیار کرو، بقدر طاقت وقوت دین پر عمل کرتے رہو، میانہ روی اختیار کرو۔ (صحیح بخاری)

سیّدہ نورین......کراچی

وقت وقت کی بات

ایک عالم بازار میں بیٹھا تھا، بادشاہ کا گزر وہاں سے ہوا تو اس نے پوچھا: ''بھائی کیا کر رہے ہو؟'' عالم نے کہا: ''بندوں کی اللہ سے صلح کروا رہا ہوں، اللہ تو مان رہا ہے، مگر بندے نہیں مان رہے''۔ کچھ دنوں کے بعد عالم قبرستان میں بیٹھا ہوا تھا، اتفاق سے بادشاہ وہاں آپہنچا تو پھر پوچھا: ''بھائی! یہاں کیا کر رہے ہو؟'' عالم نے کہا۔ ''اللہ کی بندوں سے صلح کروا رہا ہوں، آج بندے تو مان رہے ہیں، مگر اللہ نہیں مان رہا''۔

عانیہ نیازی......ربوہ

سنہرے اقوال

☆ جھوٹ بول کر جیتنے سے بہتر ہے، سچ بول کر ہار جاؤ۔ (حضرت علیؓ)
☆ مومن کے لئے ہر وہ دن عید ہے، جس دن وہ گناہ نہ کرے۔ (حضرت علیؓ)
☆ جب تم کسی دوسرے کے عیب ذکر کرنا چاہو تو اپنے عیب یاد کرو۔ (حضرت ابن عباسؓ)
☆ اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو، اس میں شِفا ہے اور عیب جوئی نہ کرو، اس میں بیماری ہے۔ (حضرت عمرؓ)
☆ صبر میں کوئی مصیبت نہیں اور رونے میں کوئی فائدہ نہیں۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)
☆ مصائب کا مقابلہ صبر اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کیا کرو۔ (حضرت علیؓ)
☆ دوسروں کا بوجھ اُٹھانا عابدوں کی عزت کا امتیاز ہے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)
☆ اس چیز کے پیچھے مت بھاگو جسے تم سمجھ نہیں سکتے۔ (حضرت امام حسینؓ)

روشنی فاطمہ......کراچی

شکایت

ہوسٹل میں ٹھہرے ہوئے ایک صاحب نے کاؤنٹر پر جا کر شکایت کی۔

''کمرے میں موٹی موٹی کھیاں نظر آتی ہیں''۔ کلرک بے نیازی سے بولا۔

''دو سو روپے روز کا کمرہ لے کر کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو کمرے میں دبلی پتلی اسمارٹ کھیاں نظر آئیں؟''

نور بانو......کوئٹہ

فنکار

''تم بہت اچھے حجام ہو، تمہاری باتیں سنتے ہوئے پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب حجامت ہوگئی''۔

''یہ فن مجھے ورثے میں ملا ہے سر!''

''کیا تمہارے والد بھی حجام تھے؟''

''نہیں سر! وہ صرف داستان گو تھے، میں نے ان کے پیشے کو ترقی دی ہے''۔

صباسحر......ہارون آباد

کیا فرق ہے...؟

☆ چراغ اور سراغ میں کیا فرق ہے؟

جواب: چراغ رگڑنے سے آج کل جن تو حاضر نہیں ہوسکتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

البتہ ایجنسیاں ہمارا سراغ لگالیتی ہیں۔
☆کراٹے اور خراٹے میں کیا فرق ہے؟
جواب: دونوں کی ایک ہی طرح کی سُریلی آوازیں نکلتی ہیں۔
☆ٹی وی اور بیوی میں کیا فرق ہے؟
جواب: دونوں ہی چپ ہونے کا نام نہیں لیتے اور وقفے وقفے سے خبرنامہ پیش کرتے ہیں۔
☆موبائل اور موبائل آئل میں کیا فرق ہے؟
جواب: دونوں کا خرچہ انسان کی کمر توڑ دیتا ہے جو کبھی سیدھی نہیں ہوتی۔
☆بھکاری اور بینکاری میں کیا فرق ہے؟
جواب: دونوں کے لوٹنے کا ڈھنگ نرالا ہے اور دونوں کے پاس رقم محفوظ رہتی ہے۔
☆سفر اور ہمسفر میں کیا فرق ہے؟
جواب: سفر وہ ہے جس میں ڈاکوؤں سے لٹنے کا خطرہ ہوتا ہے اور ہمسفر وہ ہے جو ہر ماہ تنخواہ پر شوہر کو لوٹتی ہے۔

شمائلہ ملک......کراچی

چاندسی دلہن.....!

ہر کوئی بیٹے کی پیدائش پر خوشیاں مناتا ہے، مائیں تو شروع دن سے ہی اپنے بیٹے کے سَر پر سہرا سجانے کے خواب دیکھنا شروع کردیتی ہیں، بیٹا چاہے جیسا بھی ہو، ہمیشہ اس کے لئے چاندسی دلہن لانا چاہتی ہیں، بیٹا جوان ہوتا ہے تو اس کے رشتے کی تلاش شروع ہوجاتی ہے، ماں کی کوشش ہوتی ہے کہ جہاں بیٹے کی شادی ہو، وہ کھاتے پیتے لوگ ہوں اور لڑکی بھی خوبصورت ہو، تاکہ خاندان میں اس کی ناک اونچی رہے۔ آخر کار وہ اپنی کوششوں سے چاندسی دلہن ڈھونڈنے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔

اب لڑکی بیاہ کر سسرال آتی ہے تو وہ ہر طرح سے اپنی سسرال کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے، وہ ہر وقت سب گھر والوں کے لئے اپنی خدمات پیش کرتی ہے، نئے ماحول میں اُسے مشکلات بھی پیش آتی ہیں، لیکن وہ بڑی ہمت سے ان کا مقابلہ کرتی ہے اپنے خاوند کی خدمت کرنا اس کی اولین ترجیح ہوتی ہے، وہ اپنا من مار لیتی ہے اور اپنے سسرال والوں کی خوشیوں میں اپنی خوشی تلاش کرتی ہے، لیکن سسرال والے تو اس کی ہر بات پر اسے ٹوکنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ بہو کو اس کا درجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے، وہ اپنی بہو کو مفت کی نوکرانی سمجھ لیتے ہیں، کئی گھروں میں تو باقاعدہ بہو کو ہی سارے کام وغیرہ سونپ دیئے جاتے ہیں۔

ساس صاحبہ کا کام صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ وہ ہر وقت بہو میں خامیاں ڈھونڈتی رہیں۔ وہی چاندسی بہو جو اس نے خود تلاش کی تھی، گھر میں آتے ہی اس میں خامیاں اور کوتاہیاں نظر آنی شروع ہوجاتی ہیں۔ بہو، ساس سے بات کرنا چاہے تو ساس صاحبہ کے تیور ہی بدلے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی بہو سے ایسا رویہ اختیار کرتی ہے کہ بہو ہمیشہ کے لئے ساس سے خائف ہوجاتی ہے۔ آخر میں سسرال والے اپنی چاندسی دلہن کو ستارہ دلہن بنا دیتے ہیں جو سسرالیوں کے رویے سے تنگ آکر ٹوٹ کر بکھر جاتی ہے۔

جیسے پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں، ایسے ہی سبھی سسرال والے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کچھ لوگ اتنے اچھے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی بہو کو بیٹی کا درجہ دیتے ہیں۔ اس کی ہر بات کو اہمیت اور ہر کام اس کی رضامندی سے کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جیسی ہماری بیٹیاں ہیں، اسی طرح یہ بھی کسی کی بیٹی ہے۔

میرے خیال میں تو مردہ ضمیر لوگ ہی اپنی بہوؤں کو تنگ کرتے ہیں۔ اچھے، بُرے میں تمیز نہیں کرسکتے۔ ہم تو صرف اتنا ہی کہنا چاہیں گے کہ اگر آپ کسی کی بیٹی کو چاند سی دلہن بنا کر اپنے گھر لاتے ہیں تو پھر اس چاند کو اپنے آنگن میں چمکنے کا موقع بھی ضرور دیں۔

ایس۔ امتیاز احمد......کراچی

باتوں سے خوشبو آئے

☆بغیر کوشش کے کامیابی حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے بغیر پَروں کے اُڑنے کی کوشش کرنا۔
☆جو دکھ دے، اُسے چھوڑ دو، مگر جسے چھوڑ دو اُسے دکھ نہ دو۔
☆صبح کو رزق کی تلاش کرو اور رات کو تنہائی میں اس کو تلاش کرو جو تمہیں رزق دیتا ہے۔
☆غلطی کرنے سے تاخیر کرنا بہتر ہے۔
☆جس قوم میں غدار پیدا ہونے لگیں اس قوم کے مضبوط قلعے مٹی کے گھروندے ثابت ہوتے ہیں۔
☆خواہ کچھ بھی ہو مصیبت کے دن گزر جاتے ہیں اگر یہ نہیں گزرتے تو انسان گزر جاتے ہیں۔
☆مسلمان وہ ہے جو خدا کو مانتا ہے اور مومن وہ ہے جو خدا کی مانتا ہے۔
☆صبر کرنے والے کے غصے سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔
☆اعتدال بہترین راہ ہے کیونکہ پاؤں آگ کے الاؤ میں ہوں یا برف کی سل پر، دونوں صورتوں میں تکلیف ہی آپ کا مقدر بنے گی۔

بسمہ علی......سکھر

بریک فیل

ایک خاتون نے ٹریفک سارجنٹ کو اپنی تیز رفتاری کی وجہ بتاتے ہوئے کہا: ''میری گاڑی کے بریک فیل ہوگئے ہیں، اس لیے میں چاہتی ہوں کہ کسی حادثے کے بغیر جلد از جلد گھر پہنچ جاؤں''۔

حنا علی......ملتان

حفظ ماتقدم

''ہیلو.....! فائر اسٹیشن؟''
''جی ہاں، ہم آپ کی کیا مدد کرسکتے ہیں؟''
''جی سنیئے! میں نے ایک ماہ پہلے ہی نیا باغیچہ لگایا ہے، آم کے پودے تو کافی کچے ہیں اور گلاب کی قلموں نے ابھی پھوٹنا شروع کیا ہے''۔
''لیکن اس میں ہمارا کیا تعلق ہے؟''
''جی اس میں کچھ پودے تو خاصے نایاب ہیں''۔
''یہ کوئی نرسری نہیں، فائر اسٹیشن ہے''۔
''جی ہاں، مجھے معلوم ہے، دراصل میرے پڑوسی کے گھر میں آگ لگ گئی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ جب آپ آگ بجھانے آئیں تو میرے باغیچے کو خراب کردیں''۔

طوبیٰ علی......لاہور

اندیشہ

ایک صاحب جھومتے ہوئے نائٹ کلب سے نکلنے لگے تو دربان ان کے لیے دروازہ کھولنے کی غرض سے لپکا، مگر کسی چیز میں اُلجھ کر گر پڑا۔ کلب کے منیجر نے باہر آکر اس کو ڈانٹا: ''ذرا احتیاط سے چلا کرو، تمہارے اس طرح گرنے سے کوئی سمجھے گا کہ تم دربان نہیں، کلب کے ممبر ہو''۔

علیزہ سید......بھکر

زندگی

زندگی خدا کا بہت حسین تحفہ ہے
اسے ہنس کر جیو
چاہے یہ غم دے یا خوشی دُکھ دے
یا درد!
ہر پل کو ہر لمحے کو کھل کر جیو
اور!
جب تم زندگی جینے کا سلیقہ سیکھ جاؤ گے
تو!
غم، درد اور دُکھ کا ہر موسم
تمہیں اِک لطف دے گا
اور!
زندگی مزید حسین ہوجائے گی
کیونکہ! ناز
زندگی تو جینے کا نام ہے

مناحل ناز۔ کراچی

☆.......☆.......☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



غزل

بِرا آشیانہ جلانے کا کوئی خاکہ پہلے بنالیا
رہے زد پر بس میرا آشیانہ تو یہ کلیوں کو سُدھا لیا
میں مزاج دان جہاں ہوا تو میں برگ میں خزاں ہوا
میری کارگاہ شعور میں مجھے درد و کرب نے آلیا
کوئی عہد حال سے پوچھتا کہ سفید کیوں تیرا خوں ہوا
جہاں دیکھا اچھا سماں کوئی تو دل و نظر میں بسا لیا
ہوں عقوبتوں کی گرفت میں' تُو رحیم ہے تُو کریم ہے
میں یہ کہہ سکوں کہ کریم نے مجھے بال بال بچایا
یہی واجد آب کمال ہے جو میری شجاع خیال ہے
بڑی ظلمت شبِ غم اگر تو چراغِ فکر جلا لیا

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی......کراچی

غزل

اس قدر برہم ہے کیوں تیرا مزاج
بن گئی ہر سانس میری احتجاج
کل تلک تو تھا وہ میرا ہمنوا
ہے مگر وہ ہمنوا غیروں کا آج
جو لٹیروں سے ہے رکھتا دوستی
رہبری کا ہے اسی کے سَر پر تاج
بیٹیاں وہ بن بیاہی رہ گئیں
باپ دے سکتا نہیں جن کو داج
چاہتا ہے دل تو یہ نگہت بِرا
توڑ دوں دنیا کے فرسودہ رواج

نگہت اکرم......لاہور

بھیگا بھیگا موسم

بھیگا بھیگا موسم ہے
اور بھیگے بھیگے ہم
لگتا ہے آسمان رویا
یا یوں لگے جیسے روئے ہم
چھم چھم جب پانی برسا
قطرہ قطرہ جو بوند گری
آسمان پہ جب بجلی کڑکی
بادل نے کہا روئے ہم
پھول تو لگے مسکرانے
شبنم نے کہا روئے ہم
سمندر میں اِک شور برپا تھا
لہروں نے کہا روئے ہم
موسم رویا' آسمان رویا' بادل رویا
شبنم روئی' لہریں روئیں' پَر اس دل نے کہا روئے ہم

اِرم شہزادی......کراچی

غزل

میں خیالات کا اظہار نہیں کرسکتا
آنکھوں میں بھی اقرار نہیں کرسکتا
سوچتا ہوں کہ بھلا دوں میں وہ ساری یادیں
دل کو اس بات پر تیار نہیں کرسکتا
اس کے آنے کی خبر سُن کے چھپا پھرتا ہوں
مجھ کو معلوم ہے دیدار نہیں کرسکتا
کام وہ شیریں زبانوں نے کیا ہے اکثر
جو مسلح سپہ سالار نہیں کرسکتا
دے گیا وقت جو شکنیں غریب کے رُخ کو
کوئی موسم انہیں ہموار نہیں کرسکتا
مجھ سے کہتا ہے یہ احساسِ ملامت ساجد
یہ دل شکستہ کبھی پیار نہیں کرسکتا

سید ساجد شفیع

غزل

ہجوم ہے درد کے ماروں کا
قافلہ ہے آسماں پہ تاروں کا
پاؤں تلے مسل دیتے ہیں پھول
حوصلہ ہے کتنا آج کل کے دلداروں کا
پوچھ لیتا ہوں ہر مسافر سے
فاصلہ ہے کتنا گزرتی رہگزاروں کا
شام ہوتے ہی بجھ جاتے ہیں چراغ
کتنا دلفریب سہی رنگ ان نظاروں کا
زخمی ہے ہر ایک تمنا سلے ہیں ہونٹ بھی
کیسے ان سے پوچھوں حال میں بہاروں کا
جاوید گزر رہی ہے زندگی آہستہ آہستہ
چھوڑ آئے ہیں نشاں راہ میں یادگاروں کا

محمد اسلم جاوید......فیصل آباد

غزل

ہم کو پھر سے سجن تیری یاد آئی
ساون رُت آئی چلنے لگی پُروائی
ہر طرف ہے پھیلی خوشبو تیرے پیار کی
جھوم جھوم اُٹھی ہوا اور ہر کلی مسکائی
وہ رنگ وہ تری پُرنم دلکش باتیں
ہمیں ہر شے میں فقط جھلک تری نظر آئی
ہر وقت آنکھ میں رہتا ہے تُو پنہاں
جو نہ تھم سکی وہ ساونِ برسات آئی
زندگی میں دیکھی کبھی نہ تھی ایسی رُت وسماں
وفا پھر سے تیری یادوں' خیالوں میں گھر آئی

وفا شاہ......سکھر

غزل

مجھے کچھ یاد آ گیا وہ کچھ بھولتا گیا
احساس کی کئی منزلوں سے میں گزرتا چلا گیا
میرے دل کی اُداسیاں بڑھنے لگیں جب
تو جام پہ جام میں پیتا چلا گیا
بدلیں گے کبھی حالات میرے بھی
اس سوچ کے سہارے میں جیتا چلا گیا
ہو جاؤں گا مُضطرب یہ سوچ کر میں
رُکا نہیں تیرے شہر سے گزرتا چلا گیا
میری سادگی نے مجھ کو آگے بڑھنے نہیں دیا
اور میرے سامنے سامنے زمانہ بدلتا چلا گیا
بڑھنے لگی جو عامر فِرقہ واریت مسجد میں
تو مسجد سے نکلا اور میں مَندِر چلا گیا

عامر عزیز

غزل

میرے محبوب میرے ہمنوا میرا اِک کام کر دو
اپنی صبح شام میرے نام کر دو
ہاں مجھے لذت جنوں ہی راس آتا ہے
یوں کرو مجھے بدنام سرِ عام کر دو
نہ کوئی تاج نہ تخت شاہی ہے پیار میں
ایسا کرو یہ چرچا سرِ عام کر دو
میں تمہیں بھول نہیں سکتا نہ بھولوں گا کبھی
اپنی تمام عمر صرف میرے نام کر دو

ایس۔امتیاز احمد......کراچی

غزل

توہینِ انسانیت کا کوئی مداوا نہیں
نسلِ شیطانی کتنی آفت ڈھائے گی
مترا ہے دل غم کی شدّت سے آج
گریہ وزاری میری نہ جانے کیا قیامت لائے گی
معافی مانگنے سے تو مل جائے گی لیکن
آنے والے وقت کی آندھی کیا طوفان لائے گی
اے ذاتِ خدا! تُو سب کچھ دیکھ رہا ہے
دنیا سب کچھ کہاں سمجھ پائے گی
فیصلہ اب تُو ہی کرے گا' مجھے انتظار ہے
خدائی تیری کبھی تو غضب میں آئے گی

روشن ہاشم

غزل

ہونٹ خاموش تھے، چہرے پہ نمی طاری تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا بتائیں گزشتہ رات کتنی بھاری تھی
زخمِ فرقت کھروچتی رہی ہر ایک گھڑی
سمت ہر ایک، محوِ رقص، آہ و زاری تھی
اتنی شدت سے وہ چیخیں جگر سے اُٹھتی تھیں
جس قدر ضبط سے ممکن نہ پہرے داری تھی
آخرش سر جو پٹخنے لگے دیواروں سے
لامیسر قرار! اینٹ اِک پکاری تھی
بال نوچے، لباس وحشتوں سے چیر دیا
پھر بھی دیوانگی خوئے کمی سے عاری تھی
بوجہ حبسِ گھٹن، رفتِ تنفس رہا دوبھر ایسا
جیسے پیوستِ حلق، تیغ چار دھاری تھی
آمدِ دھڑکناں تھی اِک ستم بناءِ بریں
در ستم، ضبط کی ملزوم پاسداری تھی
ایک آتش فشاں دہک رہا تھا یادوں کا
اُس پہ آتش! جنوں کی لاوا پرستاری تھی
نیند صدیوں کا فاصلہ دھرے خیمہ زن تھی
بے بسی بڑھ رہی ہمراہِ اشک باری تھی
ہاتھ شانے پہ دھرا، تب غمِ فرقت نے مگر
غمِ ہجراں کی یہ بے فیض غم گساری تھی
کیا ہماری تھی خطا، ہم نے تو بس دانستہ
بازیِ عشق کبھی جیت کر بھی ہاری تھی
کتنی روشن تھیں وہ شامیں جو ساتھ بسر ہوئیں
اوّلیں وصل کی وہ شام کتنی پیاری تھی
باخدا دورِ رفاقت میں ہم نے برتا جو
وہ تغافل، گھمنڈ نہیں تھا، انکساری تھی
اور آخر یہ شب تمام ہوئی یوں آتش
جسم نڈھال تھا، نس نس پہ غشی طاری تھی

آتش ساگر

میں تیرا ہو گیا ہوں

بھلا کوئی یوں بھی اپنی جاں کو ستاتا ہے؟
اتنا لمبا بھی کوئی انتظار کرواتا ہے؟
سونپ کر بے چینی صدیوں کی اس کو
اتنی دور اکیلا، کوئی یوں بھی کماتا ہے؟
دیکھو نا! میری جاں اب تم ایسا کرو
سب ادھورے، ضروری کام ایک طرف رکھ کر
بس! ہمیں لینے چلے آؤ
I sure promiss کہ جب تم ہمیں لے جاؤ گے
تو ہم تمہارے ساتھ مل کر دو اور دو چار کریں گے
تم سے بے حد پیار کریں گے
یہ جان تم پر نثار کریں گے
اپنی آنکھوں کے سبھی خواب تمہارے نام کریں گے
پھر تم خود سے، ہمیں یہ کہو گے
میری جاں! میں تو یوں ہی تنہا جلا
تم سے اتنا عرصہ دور کیوں رہا؟
تمہاری بانہوں میں جب سے آیا ہوں
تمہاری گود میں سر رکھ کے جب بھی سویا ہوں
تب تب اور جب میرے لبوں نے
یہی کہا ہے، میری جاں مجھے سکوں مل گیا ہے
تمہیں پا کر میں مکمل ہو گیا ہوں
ناز تیرے پیار میں کھو گیا ہوں
بس! میں تیرا ہو گیا ہوں

صائمہ ناز

جیت....!

سب غرور جھاگ ہوا
انا کا ڈھونگ راکھ ہوا
بے رُخی طنز کرتی ہے
ہجر ماتم کناں سا ہے
وَصل کا سماں ہے
کہ
وفا سرشار بیٹھی ہے
کہ بالآخر
عشق جیت گیا....!

سمیرا غزل

برسات کی رات اور تمہاری یادیں

جب آسمان پر سرمئی گھٹائیں چھاتی ہیں
جب پاکیزہ بارش کے قطرے گرتے ہیں
تب یاد تمہاری آتی ہے
جب رات کی تنہائی میں دور فلک تلے
جب چاند کبھی چھپ جاتا ہے
تب یاد تمہاری آتی ہے
جب اندھیر بھری راتوں میں بارش ٹوٹ کر
برستی ہے بادل زور سے گرجتے ہیں
پھر اُس کی یاد کے دریچے سے
من کے آئینے میں اُس چہرے کو تلاشتے ہیں
تب یاد تمہاری آتی ہے
جب ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے سے
مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو وجود میں پھیلتی ہے
تب آنکھیں کچھ سپنے یاد دلاتی ہیں
ہر طرف مہکی مہکی سی کلیاں
اور گلابوں بھرے موسموں کی سیر کرواتی ہیں
جب اُداسی رات عالم میں ہم غمگین سے ہو جاتے ہیں
ہم اُن کی یادوں میں کھو کر خود کو فراموش کر دیتے ہیں
پھر بجلی زور سے کڑکتی ہے
اچانک اُن کی یادوں سے نکل کر
ہم کچھ چونک سے جاتے ہیں
تب یاد تمہاری آتی ہے
جب رات کی ٹھٹھرتی ہواؤں میں
بارش چھم چھم برستی ہے
دل میں اک مہین سی خواہش اُجاگر ہوتی ہے
اے کاش! اب کے ہو جائے ان سے سامنا
جن کی یادوں میں کھو کر
ہم اکثر گمنام سے ہو جاتے ہیں
بس! اب ہر پل یاد تمہاری آتی ہے
بس! اب ہر پل یادیں تمہاری ترساتی ہیں

مدیحہ اعجاز حسین

نظم

یا ربّ تیرا شکر ہے
یہ دو دل ملائے تُو نے
حسین ہیں بہت یہ پل
جو آج دکھائے تُو نے
نصیب کرنا انہیں خوشیاں ہمیشہ
غم کبھی راس نہ آئیں انہیں
خوشیاں لکھنا مقدر میں
تُو ان کے ہر پل
دکھ کی لہر چھو نہ پائے انہیں
ہیں عزیز بہت زیادہ مجھے
میرے یہ بھائی بھابی
اے میرے پیارے اللہ!
ان میں محبت بنائے رکھنا
ہو ان کا آنگن خوشیوں بھرا
یا ربّ!
پھولوں سے یہ آنگن ہمیشہ مہکائے رکھنا
ہو باغ باغ ان کی زندگی کا ہر لمحہ
میرے اللہ!
ہر سُو پھول کھلائے رکھنا
ہوں مبارک بہت بہت یہ خوشیاں انہیں
یا اللہ!
ان کا ہر لمحہ سجائے رکھنا
ہو "صباءِ نور" پھیلا ہر سُو
اس "فیضان" چمن میں
میرے پیارے اللہ!
اس چمن کو ہمیشہ سجائے رکھنا (آمین ثمہ آمین)

مناحل ناز

نثری نظم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رزق کی چاہ میں زندگی کھوئی ہے
آگ کی بساط نے موت بوئی ہے
بیگم تھی میری جو مجھے دیکھ حیا سے مسکائی تھی
ماں تھی میری جس نے دعا بھجوائی تھی
بیٹی تھی میری جس کی ننھی انگلیوں پر
شفیق لمس تھا میرا
وہ جو اسکول کا دروازہ پار کرتے
روک کر مجھے پکارتا تھا، وہ بیٹا تھا میرا
جسے جلد لوٹنے کی آس دے کر دفتر میں پہنچا تھا
مصروفیت میں دن کیسے گزرا
احساس ہی نہیں ہوا تھا
مجھے گھر جانے کی جلدی تھی
موت کو قریب آنے کی پڑی تھی
پُرسکون آشیانے کا منظر آنکھوں میں لیے
بیٹی کے لیے فراک، بیٹے کے لیے گیند بلا
ماں کے لیے تسبیح، بیوی کے لیے سُرخ چوڑیاں
خریدنے کا احساس ذہن و دل میں جگائے
لینے تنخواہ میں قطار میں کھڑا تھا
تب ہی ایک شور سا اُٹھا
خوش کن احساسات بکھرتے گئے
موت قریب آتی گئی
آگ کی لپیٹیں مجھے اپنی اور کھنچتیں رہیں
تکلیف تھی نہ مجھے، نہ شعلوں کی تپش تھی
میری بیوی میرے انتظار میں کھڑی تھی
میری اولاد یتیم ہو رہی تھی
میری ماں کی آنکھ میں نمی تھی
اور! مجھے زندگی میری الوداع کہہ رہی تھی
وہ ایک ایسی شام تھی
جب میری زندگی جلی تھی
زندگی کی چاہ میں زندگی کھوئی تھی
آگ کی بساط نے موت بوئی تھی

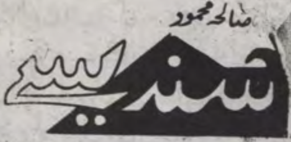
سعدیہ عابد

سانحہ بلدیہ ٹاؤن کے نام

یہ کیسی آگ جل رہی ہے
میرا دل دہل رہا ہے
لوگو! ہمیں بچالو
خدارا! ہمیں بچالو
تکلیف کی کراہ ہے
کانوں میں التجا ہے
کوئی ہمیں نکالو
خدارا! ہمیں بچالو
گھڑی کیسی آ پڑی ہے
لاشیں بھی جل چکی ہیں
سب خود کو آج سنبھالو
خدارا! ہمیں بچالو
باری پہ اپنی کیسی یہ دل
لرز رہا ہے
آنکھوں میں خوف وحشت
ورد زباں کلمہ ہے
سب شہداء میں نام لکھوالو
سنو! تماشہ اب ہٹالو
چیخیں بھی تھم چکی ہیں
سناٹا چھا گیا ہے
باہر کیسی آہ و زاری؟
اب شناخت کی ہے باری
اس دنیا کے جیالو!
کام اپنا تم سنبھالو
اے بچے ہوئے گھر والو!
ہم سب کو بخشوالو!
ہم سب کو بخشوالو!

تبسم فیاض

☆......☆......☆



عائشہ الیاس..................ٹوبہ ٹیک سنگھ

السلام علیکم آپی! کیا حال ہیں؟ اُمید ہے خیریت سے ہوں گی، آپ کو خط لکھنے کا مقصد آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا، جو آپ نے میری ادنیٰ سی کاوش کو رداڈا کی زینت بنایا اور ہر بار کی طرح میرا حوصلہ بڑھادیا، مزید لکھنے کا بلکہ میرا ہی کیا اور نئی لکھنے والی رائٹرز کا بھی، واقعی آپی رداڈا ہمارے لئے ایک ایسا پلیٹ فارم ہے، جس سے ہمیں بہتر اور اچھا لکھنے میں مدد مل سکتی ہے، آپ جس طرح سے حوصلہ بندھاتی ہیں اس سے ہمیں لکھنے میں بہت مدد ملتی ہے، آپ جیسے لوگ اس دنیا میں بہت کم ہیں جو اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے سوچتے ہیں، انہیں صحیح غلط کی پہچان دینے میں مدد کرتے ہیں، نئے ٹیلنٹ کو سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں، مجھے آپ سے اور رداڈا کی اچھی رائٹرز سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے، مزید یہ کہنا چاہوں گی آپی! اگر آپ کو میری تحریر میں کوئی بھی غلطی لگے تو پلیز اس کے لئے معذرت کرتی ہوں، ہو سکے تو آپ اسے ٹھیک کر دیا کریں، میں نے بہت کم عمری میں لکھنے کا سفر شروع کیا تھا، گھر والے تو یہی کہتے تھے کہ کبھی بھی تحریر نہیں چھپے گی، پَر جب آپ جیسے انسان ہوں تو پھر کچھ ناممکن نہیں رہتا، آپ ہماری اسی طرح اصلاح کرتے رہیئے گا، خدا آپ کو اس کا ضرور اجر دے گا اور رداڈا پر کیا تبصرہ کروں؟ وہ تو ہے ہی بیسٹ، ہاں پر اتنا ضرور کہوں گی آپی! مکمل ناول ذرا طویل پیجز میں شائع کیا کریں، مکمل ناول اتنے کم صفحات میں ہوتا ہے کہ کہانی کا چارم ختم ہو جاتا ہے، اچھا آپی! اب اجازت چاہوں گی، آپ کو ابھی سے ایڈوانس میں عیدالاضحیٰ مبارک ہو اور ہاں.....آپی! پلیز میرا خط شائع ضرور کیا کریں، جواب ضرور دیجئے گا۔ (اللہ حافظ!)

شاہین سجاد..................صوابی

اُمید ہے مزاج بخیر ہوں گے، اللہ کا فضل ہے، رداڈا نہایت کامیابی سے آگے کی طرف بڑھ رہا ہے، رداڈا کے تمام سلسلے بے حد زبردست ہیں، آپ کی تحریر جس خوبی سے آگے بڑھ رہی ہے اس کا تو جواب نہیں، تعریف کے لئے الفاظ نہیں مل رہے، "سانس، سڑک اور سکوت" کو نائلہ جی بہت خوبی سے آگے بڑھا رہی ہیں، مگر کیا ہی اچھا ہو، اگر کہانی کا ٹیمپو کچھ تیز کر دیا جائے اور انعم جی! آپ سے گزارش ہے کہ کہانی کے صفحات کچھ بڑھا دیں، پورے مہینے کے انتظار کے بعد بہت ہی مختصر قسط، یقین مانیئے تشنگی باقی رہ جاتی ہے، یہی گزارش شازیہ جی سے بھی ہے، پلیز کہانی کے صفحات تھوڑے بڑھا دیں، ذرا پھر سے کہنا میں شاعری لاجواب ہوتی ہے، مستقل سلسلے سارے ہی زبردست ہیں، اللہ رداڈا کو یوں ہی کامیابیاں عطا کرتا رہے (آمین)۔

عانیہ نیازی..................ربوہ

آداب! خوش رہیں، شاد آباد رہیں، میرے سامنے خوبصورت اور جاذب نظر رداڈا کا سرورق جگمگا رہا ہے، فہرست پر ایک نظر ڈالتے ہی گوشۂ آگہی کی طرف آئے، جہاں صالحہ آپی کی میٹھی میٹھی باتیں دل میں اُتر گئیں اور وہیں ان کی بیٹی کی شادی کا سُن کر بہت خوشی ہوئی، آپی! آپ کو میری جانب سے بہت بہت مبارک ہو، میری دعا ہے کہ آپ کی بیٹی عائشہ سدا اپنے گھر میں خوش اور آباد رہے آمین! اب آتی ہوں رداڈا کی جانب، سلسلے وار میں سب سے پہلے "وہ جو رگِ جاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے قریب تھے'' کو پڑھا اور ہمیشہ کی طرح اس بار کی قسط بھی سُو پرتھی، لفظوں کے موتی پروئے ہوئے تھے، جنہیں ہم نے سمیٹ لیا، پھر قمروش آپی کے ناول کی جانب بڑھے اور اتنا خوبصورت اینڈ دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ بے ساختہ قمروش آپی پر پیار آ گیا۔ عابدہ سبین آپی کے ناول کا اینڈ بھی بہت پیارا تھا۔ ناولٹ میں تبسم فیاض اور لبنیٰ عبید اس بار شامل تھیں۔ لوبابہ کی دکھ بھری زندگی کو جان کر ہم بھی بہت دکھی ہوئے مگر وہیں آخر میں اُس کی خوشیاں دیکھ کر ہم بھی خوش ہوگئے۔ جبکہ ارتضیٰ اور حوریہ کی کہانی کچھ روایتی سی لگی۔ شازیہ مصطفیٰ جی کا ناول بھی اچھا جارہا ہے، مگر ہمیں سحر زدہ ہمیشہ نائلہ آپی کا ناول کرتا ہے۔ شیث اور سارا کا انداز محبت لاجواب ہے۔ انعم آپی! پلیز مہ روش کے ساتھ کچھ بھی بُرا مت کیجئے گا، افسانے سارے ہی اچھے تھے اور مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح لاجواب۔ او کے آپی! نیکسٹ سندیسے تک کے لئے اجازت، اپنا خیال رکھیئے گا۔

حناعلی......................ملتان

السلام علیکم آپی! سب سے پہلے تو بہت بہت مبارکباد آپ کو اپنی بیٹی کی شادی کی، آپ کے احساسات اور خیالات گوشۂ آگہی میں پڑھ کر ہلکی سی آنکھ نم بھی ہوئی، جدائی اور ملن کی یہ عجیب سی کیفیت ہوتی ہے، خدا کرے کہ آپ کی بیٹی عائشہ اپنے گھر میں سدا خوش رہے، وہیں دوستوں کے نام پیغام میں روشنی فاطمہ کی شادی کی نیوز اور آپ کی ان کو دعائیں پڑھ کر ہمیں بے حد خوشی ہوئی ان کے لئے بھی ڈھیر ساری بیسٹ وِشز۔ اور اب بات ہوجائے رِدّا کی۔ آپی! سب سے پہلے تو ہم نے ایک گلہ کرنا ہے اس بار رِدّا ہمیں بہت لیٹ ملا اور ہم ٹھہرے بے چین روح، بھائی کے پیچھے لگ لگ کر اور اس کو خوشامدی چائے پلا پلا کر تب کہیں جا کر رِدّا کا دیدار ہمیں نصیب ہوا۔ اصل میں سلسلے وار ناول کا تجسس ہمیں بے چین رکھتا ہے ناں، دلوں کے ملن میں ابتہاج کو آخر انابیہ کا عمر بھر کا ساتھ مل ہی گیا، تمہارے بن نہیں رہنا میں آخر کار سحاب کی اہمیت ازمیر کو معلوم ہو ہی گئی ناں، محبت ساتھ ہوتی ہے، لوبابہ کو آخر اس کے صبر کا صلہ مل ہی گیا، طلسمی چاندنی راتیں یقیناً اپنا جادو کرتی ہیں تبھی تو حوریہ کو اس کی منزل مل گئی۔ ''بندِ قبا کھلنے لگی جاناں'' حنین صاحب کی حرکتیں سمجھ سے باہر ہیں، مجھے بھی اس پر غصہ آرہا تھا۔ ''رگِ جاں سے جو قریب تھے'' رومی صاحبہ آخر کار اشمل کی ہمدردی سمیٹنے میں کامیاب ہوگئی ہیں، اب آگے آگے دیکھیئے ہوتا ہے کیا؟ ''سانس، سڑک اور سکوت'' شیث اور سارا کی تڑپ نے ہمارا بھی دل گداز کردیا اور زینب کے دکھ پر ہم افسردہ سے ہوگئے۔ ''اس دل میں بسے ہو تم'' مہ روش بے چاری کے ساتھ مراد منصور کا رویہ ہمیشہ بہت دکھ دیتا ہے، خدا اس کی نیا پار لگائے، مستقل سلسلوں میں میرا فیورٹ سلسلہ اس ماہ میں اور ذرا پھر سے کہنا ہے، جس میں نیو شعراء کا کلام پڑھنے کو مل جاتا ہے، بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت۔

نوربانو......................کوئٹہ

السلام علیکم آپی! پیارے رِدّا کے تمام معزز ممبران اور ڈیئر قارئین کو میرا محبت بھرا اسلام! رِدّا ہمیشہ کی طرح بیسٹ رہا، تمام سلسلے وار ناول تو رِدّا کی جان ہیں اور ہمارے پسندیدہ ناول ''وہ جو رگِ جاں سے قریب تھے'' تو بیسٹ آف دی بیسٹ۔ تمام سندیسے پسند آئے، مگر پلیز ڈیئر قارئین آپ اور بھی سندیسے لکھا کریں کہ یہ بھی ہماری آپس کی ایک چھوٹی سی ملاقات کا ذریعہ ہے۔ اس سے ہمیشہ ایک دوسرے کے خیالات اور حالات کے بارے میں بھی پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ اشعار میں تمام دوستوں کا انتخاب پسند آیا، کچن کارنر میں ہر بار کچھ نہ کچھ نیا سیکھنے کو ملتا ہے اور اس بار سب ڈشز سبزیوں کے حوالے سے زبردست تھیں۔ او ور آل آپی! رِدّا ہمیشہ کی طرح بیسٹ رہا۔

صباسحر......................ہارون آباد

ڈیئر آپی! قارئینِ رِدّا، اسٹاف، السلام علیکم! اُمید کرتی ہوں آپ سب خیریت سے ہوں گے، سب سے پہلے آپی! آپ کو آپ کی بیٹی کی شادی کی بہت مبارک باد، ساتھ ہی روشنی آپی! آپ کو آپ کی شادی کی بہت مبارک باد، خدا کرے آپ اپنے گھر میں خوش اور آباد رہیں، اب تبصرے کی بات ہوجائے، تو یہ خط جس نے لکھنے پر مجبور کیا ہے وہ ہیں قمروش آپی! آپ میری پسندیدہ رائٹرز میں ہیں، آپ کا ناول دیکھ کر یقین جانیئے اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے، بہت اچھا ناول آپ نے لکھا ہر لفظ اتنا خوبصورت تھا، میری دعا ہے اللہ آپ کو بہت کامیابیاں اور ترقی دے آمین! ارے باقی سب رائٹرز تو ناراض ہوگئیں کہ میں صرف قمروش آپی کی تعریف کیے جارہی ہوں، تو شازیہ جی، انعم جی، نائلہ طارق جی، آپ سب بھی کسی سے کم نہیں ہیں، آپ لوگوں کے سلسلے وار ناول بھی بہت زبردست جارہے ہیں، خاص کر شازیہ آپی کے لکھنے کا اپنا منفرد انداز ہے جو ہمیں بہت پسند ہے، اور نائلہ طارق کی قوتِ مشاہدہ کے ہم فین ہیں، ہر بات کو اتنی گہرائی اور باریک بینی سے بیان کرتی ہیں کہ ہم بھی خود کو اس منظر کا حصہ سمجھتے ہیں، آخر میں رِدّا کی ترقی اور کامیابی کی دعاؤں کے ساتھ اجازت۔

اُمّ فروہ......................کراچی

پیاری صالحہ آپی! آداب عرض ہے، اور تمام قارئین اور رائٹرز کو بھی میری طرف سے محبت بھرا سلام۔ رِدّا کی تعریف کرنا تو گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، پورا رِدّا ایک دم زبردست ہوتا ہے، خاص طور پر سلسلے وار ناولز اور مکمل ناول رِدّا کی جان ہیں، جن کا سحر تادیر برقرار رہتا ہے، آپی! آپ کا ناول بہت زبردست جارہا ہے اور مجھے یقین ہے ''تم میرے ہو کے رہو'' کی طرح یہ بھی بہت اچھا ہوگا، اور رومی کو بالآخر اشمل کی محبت مل ہی جائے گی۔ رِدّا کے مستقل سلسلے بہت ہی دلچسپ اور خوبصورت و معلوماتی ہوتے ہیں، رِدّا میرا فیوریٹ میگزین ہے اس میں وہ سب کچھ ہے، جو ہم پڑھنا چاہتے ہیں۔

دھنک ناز......................کراچی

ڈیئر آپی! آداب، اُمید کرتی ہوں آپ خیریت سے ہوں گی، اور مزاج بخیر ہوں گے، سب سے پہلے آپ کو آپ کی بیٹی کی شادی کی بہت بہت مبارک ہو، خدا اُسے اپنے گھر میں خوش اور آباد رکھے آمین! رِدّا ہاتھ میں لیتے ہی ہم سب سے پہلے آپی! آپ کے ناول کی طرف دوڑے کہ وہ ایک دلچسپ موڑ پر پچھلے ماہ اختتام پذیر ہوا تھا، اس بار آپ نے اشمل کی نرمی دکھا کر ہمیں گرویدہ کرلیا، ساتھ ہی کلثوم کے ساتھ زویا نے فرسٹ ڈے جو کیا وہ بھی ایک طرح سے قدرت کا انصاف تھا جو لوگ دوسروں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھتے ہیں ان کو بھی کہیں نہ کہیں جھکنا پڑتا ہے، اگلی قسط کا ہمیں بے چینی سے انتظار ہے، زینب ارشد کا انٹرویو سچا اور معصوم سا لگا، اور خود وہ ہمیں بے حد پیاری لگیں، دوستوں کے نام پیغام میں روشنی آپی کی شادی کا سن کر دل کو بہت خوشی ہوئی، بہت سی دعائیں اور پیار ان کے لئے۔ باقی رِدّا کے تمام رائٹرز نے بہت اچھا لکھا اور ہر بار کی طرح اس بار کا رِدّا بھی سیدھا ہمارے دل میں اُتر گیا۔

سحرانجم......................کراچی

السلام وعلیکم آپی! رِدّا کے تمام اسٹاف اور رِدّا پڑھنے والوں کو السلام وعلیکم! رِدّا کا رسالہ دیکھ کر ہی دل خوش ہوگیا اور جب گوشۂ آگہی پڑھا تو خوشی کی وجہ سمجھ آئی جب ہماری آپی خوش تو ہم بھی خوش، جی آپی! یہ خوشی ہے ڈاکٹر عائشہ کی شادی کی، آپی! آپ کو اپنی بیٹی ڈاکٹر عائشہ کی شادی بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ کے حضور دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی بیٹی کو ڈھیر ساری خوشیوں سے نوازے (آمین)۔ اور آپ کو ایک اور بات کی بھی تو مبارک باد دینا تھی۔ جی آپی! میں نے آپ کا تحریر کردہ ڈرامہ ٹی وی پر دیکھا (.....ت بھری)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سچ.....بہت خوشی ہوئی، کیا یہ آپ کا پہلا ڈرامہ ہے، یا پہلے بھی آپ نے ٹی وی کے لیے لکھا تھا؟ اُمید ہے آئندہ بھی آپ کی تحریریں ہم لوگ ٹی وی پر دیکھ سکیں گے اور تیسری خوشی اپنا افسانہ رِدا میں چھپا ہوا دیکھ کر ہوئی، شکریہ آپ نے اس مرتبہ میری تحریر کو اپنے شمارے میں شامل کیا۔ رِدا حسبِ روایت بہت پسند آیا۔ سلسلے وار ناول اور مکمل ناول "اس دل میں بسے ہو تم" بہت اچھا لگا، ثوبیہ ملک کا "آ گہی" بہت اچھا لگا، سچ ہی ہے مذہب سے دوری ہمیں اس راہ پر ہی لے کر آ رہی ہے، والدین تو ہمیشہ اپنی اولاد کو صحیح راستہ ہی بتانا چاہتے ہیں، رِدا کی ڈائری میں افشاں علی کی نظم "شرط" اور شمائلہ ملک کی نظم وصی شاہ کی تحریر کردہ اچھی لگی۔ "ذرا پھر سے کہنا" میں مدیحہ اعجاز کی دُعائیہ نظم پسند آئی۔ سیما سحر اور افشاں علی کی نظمیں بھی بہت اچھی تھیں۔ حکیم خان حکیم کی غزل بھی اچھی تھی، نورین ملک کے دونوں سلسلے خوشبو اور اس ماہ میں بہت اچھی تحریروں سے سجے ہوئے ہیں۔ اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے (آمین) اور اللہ حافظ!

تبسم فیاض..........کراچی

پیاری صالحہ آپی! اسلام قبول ہو، مجھے اکتوبر کا شمارہ 4 اکتوبر کو ملا، بہت انتظار کروایا اس دفعہ۔ خیر اس دفعہ "رگِ جاں سے جو قریب تھے" اور "سانس، سڑک اور سکوت" زبردست رہا، افسانے بھی سب اچھے تھے اور آپ نے جو یہ انٹرویو کا سلسلہ شروع کیا ہے وہ تو بہت زبردست ہے، اسے روکیے گا نہیں۔ اس کے ساتھ ہماری مستقل لکھنے والی رائٹرز کے انٹرویو بھی شائع کریں، رِدا کا سارا اسٹاف آپ سمیت اپنی ذمے داری بہت اعلیٰ واحسن طریقے سے انجام دے رہا ہے اور نورین کی خوش اخلاقی کی تعریف جتنی کریں کم ہے۔ آپ کو بیٹی کی شادی بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی طرح سب کی گھر بیٹھی بیٹیوں کو شادی جیسے انمول تحفے سے نوازے (آمین)۔ آخر میں یہ کہوں گی کہ میں نئے سال یہ اپنی ایک نظم اور افسانہ بھیج رہی ہوں کیوں کہ رِدا کے لیے لکھنا میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں۔ شکریہ! دعاؤں کی طالب۔

حمیرا علی..........کراچی

السلام وعلیکم صالحہ جی! اینڈ رِدا اسٹاف! اُمید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ لمبی غیر حاضری کے بعد سندیسے میں شرکت کر رہی ہوں، مگر رِدا سے رابطہ برقرار رہے، ہر ماہ نہایت بے چینی سے رِدا کا انتظار ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو، رِدا دن بہ دن نکھرتا جا رہا ہے۔ بات ہو جائے سب سے پہلے "سانس، سڑک اور سکوت" کی کیونکہ ہم رِدا ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے اسی ناول کی طرف بھاگتے ہیں، تو جناب نائلہ طارق کی یہ خوبصورت تحریر ہر ماہ ہماری دلچسپی میں اضافہ ہی کر رہی ہے۔ "کبھی عشق ہو تو پتہ چلے" شازیہ مصطفےٰ عمران کا سلسلے وار ناول ہر ماہ ہی تشنگی بڑھا دیتا ہے۔ ناول انتہائی خوبصورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ "رگِ جاں سے جو قریب تھے" صالحہ جی! اس ماہ صفحات اتنے کم کیوں تھے، پلیز کچھ تو رحم کریں۔ باقی تمام رِدا ہی زبردست تھا۔ تفصیلی تبصرہ پھر کبھی۔ اب اجازت چاہوں گی اس دُعا کے ساتھ کہ اللہ عزوجل ہم پر، ہمارے وطنِ عزیز پر بلکہ تمام اہلِ اسلام پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ مزید رِدا کی ترقی اور کامیابی کے لیے دُعا گو ہوں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔ اللہ حافظ!

انعم نذیر..........ٹوبہ ٹیک سنگھ

السلام وعلیکم! سوئیٹ اپیا! کیسی ہیں آپ؟ سب سے پہلے آپ کو بیٹی ڈاکٹر عائشہ محمود کی شادی کی ڈھیروں مبارک باد، زندگی کے نئے سفر میں اللہ پاک ڈاکٹر عائشہ محمود کو بہت ساری خوشیاں عطا فرمائے، کوئی غم ان کو چھو کر نہ گزرے، لمحہ لمحہ خوشیاں اور محبتیں بارش کی طرح ابرِ رحمت بن کر ان پر برسیں (آمین)۔ اس کے بعد آتے ہیں رِدا کی طرف، ہمیشہ کی طرح اکتوبر کا شمارہ بھی زبردست رہا، سلسلے وار ناول سب بہت اچھے

جا رہے ہیں۔ قمروش شہک اور عابدہ سبین کے مکمل ناول بے حد اچھے تھے۔ تمام افسانے بھی زبردست تھے۔ تمام بہنوں کا "میری عید تم ہو" پسند کرنے کا بے حد شکریہ! انشاء اللہ رِدا کے سفر میں آپ لوگوں کے ساتھ رہوں گی۔ بس آپ سب کی دعاؤں کی ضرورت ہے، دعاؤں میں یاد رکھیئے گا اور اپنا بہت خیال رکھیئے گا، اب اجازت، اللہ حافظ!

عمارہ حامد..........راولپنڈی

پیاری صالحہ آپی! السلام وعلیکم! اس بار رِدا کا ٹائٹل بہت زبردست تھا۔ آہستہ آہستہ رِدا بہت بہتری کی طرف گامزن ہے۔ آپی! آپ کی سلسلہ وار کہانی بہت زبردست انداز میں آگے بڑھ رہی ہے۔ قمروش شہک کا مکمل ناول بھی بہت زبردست رہا، اینڈ بہت اچھا رہا۔ اس کے علاوہ ناولٹ بھی بہت اچھے تھے۔ "سانس، سڑک اور سکوت" میں بھی اب بہت دلچسپی پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ نائلہ! آپ کا اندازِ تحریر بہت زبردست ہے۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے، لیکن سب سے اچھا "آ گہی" لگا۔ اور اب آپی! مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا کہ آپ نے اپریل کے شمارے میں میرے افسانے "میرا نصیب" کو جگہ دی اور تمام قارئین کا شکریہ جنہوں نے میرے افسانے کو میری اُمید سے بڑھ کر پسند کیا۔ بہت بہت شکریہ۔ اچھا اب اجازت دیں۔ اللہ حافظ!

زاہدہ ہاشمی..........کراچی

ٹھک ٹھک ٹھک.....! کیا میں رِدا کی خوبصورت محفل میں شریک ہو سکتی ہوں؟ دل وجان سے عزیز اور قابلِ احترام سوئیٹ اپیا جانی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکتہ، میرا نام زاہدہ ہاشمی (زاہی) ہے۔ جنوبی پنجاب کے چھوٹے سے زرعی شہر ڈیرہ غازی خان کی باسی ہوں، نو ماہ پہلے کراچی میں شادی ہوئی اب کراچی میں مستقل سکونت ہے۔ سوئیٹ آپی! رِدا جیسے دلکش ودلچسپ ماہنامے کو کچھ ماہ پہلے پڑھنا شروع کیا تو اس کی ہر سطر نے میرا دل اپنی قید میں لے لیا۔ اس کی ہر تحریر حقیقت سے قریب تر لگی جو قارئین کو مکمل طور پہ اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ خاص کر مکمل ناول مجھے بے حد پسند ہیں۔ اور ناولٹ اور سلسلے وار ناول کا اپنا ہی خوبصورت انداز ہے۔ "رگِ جاں سے جو قریب تھے" آپی! بہت بہت زبردست جا رہا ہے۔ جس کا پلاٹ، کردار نگاری، تفہیم، اپنی مثال آپ ہیں۔ ہر کردار اپنی جگہ خوبصورت اور پاورفل نظر آتا ہے۔ گوشۂ آگہی اور رِدا کے باقی سب مستقل سلسلے اپنے اندر بے پناہ اٹریکشن رکھتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے رِدا دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے آمین، ثمہ آمین۔ رِدا کو پہلی بار پڑھا اور میں اس کی دیوانی ہو گئی، یوں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر رِدا کی اس رنگین وحسین محفل میں پہلی بار شرکت کی خواہش لیے حاضر ہوں۔ کسی بھی ماہنامے میں یہ پہلا خط ہے۔ سندیسے میں ہر نئی قاریہ کے لیے آپ کے مشفقانہ رویے اور حوصلہ دیتے انداز نے مجھے متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ حوصلہ بھی دیا۔ اور اسی اُمید پر میں نے سندیسے میں شرکت کی کہ آپ نئی قاریہ کو ایک موقع ضرور دیتی ہیں۔ اُمید کرتی ہوں مجھے بھی مایوس نہیں کریں گی۔ پیاری آپی! میرا لیٹر ضرور ضرور سندیسے میں شامل کرنا۔ اپنی حساس طبیعت ہونے کی وجہ سے شاعری سے فطری لگاؤ ہے۔ عرصہ دس سال سے شاعری سے وابستہ ہوں، مگر پہلی بار اپنی تخلیق اپنے حساس الفاظ رِدا کی اور آپ کی نظر کرنا چاہتی ہوں۔ اُمید ہے آپ کو میری غزل، نظم اور اشعار ضرور پسند آئیں گے۔ خط لمبا ہونے کی وجہ سے معذرت خواہ ہوں اور اپنی تحریر کو اس اُمید پر قلمبند کر رہی ہوں کہ رِدا کے گلشن میں کچھ ٹوٹے میری شاعری کے بھی آپ شامل کریں گی۔ آپ کی عنایت کی منتظر آپ کی چھوٹی بہن۔

☆..........☆..........☆

نوٹ:۔ قارئین! اس ماہ "سانس، سڑک اور سکوت" کی آخری قسط کی وجہ سے آپ کا پسندیدہ ناول "وہ جو رگِ جاں سے قریب تھے" شامل نہیں ہو سکا، اگلے ماہ انشاء اللہ آپ اپنے پسندیدہ ناول کو ضرور پڑھ سکیں گے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ثریا اقبال —

ایک چمچ

بقر عید کے پکوان

مٹن حلیم

اجزاء۔

مٹن (ہڈی کے بغیر)	1 کلو
دال چنا	آدھا پاؤ
دال مسور	آدھا پاؤ
حلیم مصالحہ	2 چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لہسن، ادرک (پیسٹ)	1 کھانے کا چمچ
پیاز (کٹا ہوا)	3 عدد
کارن فلور	3 عدد
آئل	500 گرام
دال ماش	آدھا پاؤ
گرم مصالحہ	2 چائے کے چمچ
ہری مرچ	8 عدد
دلیہ گندم	100 گرام

ترکیب۔ مٹن کو صاف کرکے دیگچی میں ڈالیں اور لہسن کا پیسٹ بھی ڈال دیں، نمک، پیاز، سرخ مرچ، ہلدی اور تین گلاس پانی ڈال کر دیگچی چولہے پر رکھ دیں، مٹن کو پکنے دیں تیار ہونے پر نیچے اتار لیں، دالیں حسب صاف کرکے پانی میں بھگو دیں، ابلنے کے لئے رکھ دیں جب ابال آنے لگے جھاگ اتار دیں اور پکنے دیں دالیں مکمل تیار ہو جائیں تو جوسر میں یا گھوٹنے والی مشین میں گرائنڈ کرلیں، اور مٹن میں شامل کردیں، دیگچی چولہے پر رکھیں، گندم کا دلیہ، گرم مصالحہ اور ہری مرچ ڈالیں، حلیم کو گاڑھا ہونے دیں، آخر میں کارن فلور آدھا کپ پانی میں حل کرکے ڈالیں اور آئل اور لہسن کا تڑکا دے دیں، مٹن حلیم کے اوپر ڈال دیں اور مزید آدھا گھنٹہ پکانے کے بعد اتار لیں۔

نہاری

اجزاء۔

بیف (بونگ)	ڈیڑھ کلو
سونٹھ	3 گرام
نمک	حسب ضرورت
سونف (پسی ہوئی)	3 گرام
تیل	ایک پاؤ
سرخ مرچ	25 گرام
زیرہ (پسا ہوا)	1 کھانے کا چمچ
ادرک، لہسن (پیسٹ)	2 کھانے کے چمچ
پیاز	آدھا پاؤ
آٹا (چکی کا)	آدھا پاؤ

جائفل، جاوتری، چھوٹی و بڑی الائچی، لونگ، 6 گرام (پسے ہوئے) پیپلی، پھول بادیان 6 گرام (پسے ہوئے)

ہرا دھنیا، ہری مرچ (باریک کٹی ہوئیں)

ترکیب۔ پیاز کو تیل میں لائٹ براؤن کرلیں اس کے بعد اس میں لہسن، نمک مرچ تھوڑا سا پانی اور گوشت ڈال کر بھون لیں، جب یہ مصالحہ اور گوشت تقریباً آدھا بھنا ہو جائے تو اس میں سونٹھ، سونف اور زیرہ ڈال کر اچھی طرح بھون لیں، مصالحہ دانے دار ہونے پر اس میں تقریباً ایک کپ پانی ڈال کر ڈھکنا ڈھک دیں 15 منٹ تک ڈھکنا ڈھک کر پکائیں اب ایک یا ڈیڑھ گلاس پانی میں آٹے کو اچھی طرح گھول لیں کہ گٹھلی نہ بنے اس کھلے ہوئے آٹے کو بھی ہنڈیا میں ڈال دیں اور مزید ضرورت کے حساب سے پانی ڈال دیں اب ایک گھنٹے تک اس کو پکنے دیں اس کے بعد باقی 6 گرام پسے ہوئے مصالحے کو بھی ہنڈیا میں ڈال کر 15 منٹ کے لئے دم لگائیں اور اس کے بعد اتار لیں ایک گھنٹہ بعد کسی باؤل میں نکال کر اس پر ہرا مصالحہ چھڑکیں اور لیموں نچوڑ کر خمیری روٹی کے ساتھ پیش کریں۔

مصالحے دار مغز

اجزاء۔

گائے کا مغز	2 عدد
بکرے کا مغز ہو تو	4 عدد
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لہسن، ادرک (پیسٹ)	ایک کھانے کا چمچ
دہی	آدھا کپ
سرخ مرچ	آدھا کھانے کا چمچ (پسی ہوئی)
دھنیا (پسا ہوا)	ڈیڑھ کھانے کا چمچ
لیموں	2 عدد
ہرا دھنیا	ایک گٹھی (باریک کٹا ہوا)
ہری مرچ	4 عدد (باریک کٹی ہوئی)
آئل	ایک کپ

ترکیب۔ مغز کو اچھی طرح دھو کر ابال لیں اور لال رگیں صاف کرکے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں، ایک دیگچی میں آئل ڈال کر گرم کرلیں جب تیل گرم ہو جائے تو اس میں پیاز کو گولڈن براؤن کرلیں گولڈن براؤن ہونے پر پیاز میں آدھی نکال کر رکھ دیں، باقی پیاز میں سارے مصالحے ڈال کر بھونیں جب بھن جائے تو مغز کے ٹکڑے ڈال دیں اور دیگچی کو کپڑے سے پکڑ کر ہلائیں، چمچ بالکل نہ چلائیں جب کوکنگ آئل الگ ہونے لگے تو ہرا مصالحہ ڈال دیں اور لیموں کا رس چھڑک دیں، آدھی بچی ہوئی پیاز ڈال کر گرما گرم چپاتیوں کے ساتھ پیش کریں۔

مٹن یا بیف کڑاہی

اجزاء۔

گوشت (مٹن یا بیف)	ایک کلو
لہسن (پیسٹ)	2 چائے کے چمچ
ادرک	ڈیڑھ انچ کا ٹکڑا (باریک کاٹ لیں)
مکھن	4 اونس
تیل	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ (پاؤڈر)	ایک چائے کا چمچ
سفید مرچ (پاؤڈر)	ایک چائے کا چمچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دہی — آدھا کپ
ٹماٹر — 2 عدد
بڑی الائچی — 4 عدد (باریک پیس لیں)
چھوٹی الائچی — 8 عدد (باریک پیس لیں)
گرم مصالحہ (پاؤڈر) — ایک چائے کا چمچ
تیل — ایک کپ

ترکیب۔ گوشت کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کر کے اس کو ڈیڑھ کلو پانی میں ڈال دیں ساتھ ہی پسا ہوا لہسن بھی ڈال دیں پھر اس میں نمک اور ادرک بھی شامل کر کے پکنے کے لئے رکھ دیں جب گوشت مین بالکل تھوڑا سا پانی رہ جائے تو اس کو چھان کر اس میں سے پانی الگ کر لیں۔ اب ایک کڑاہی میں چار اونس مکھن اور آدھا کپ تیل ڈال دیں اور ساتھ ہی گوشت بھی ڈال دیں' 1/4 کپ کٹی ہوئی ادرک تھوڑا سا لہسن اور دس بارہ ہری مرچیں کاٹ کر ڈال دیں اب نمک' سرخ مرچ پاؤڈر' سفید مرچ پاؤڈر بھی ڈال دیں ساتھ آدھا کپ دہی بھی پھینٹ کر ڈالیں جب دہی خشک ہو جائے تو دو ٹماٹروں کو آٹھ آٹھ ٹکڑے کر کے ڈالیں اب پسی ہوئی چھوٹی الائچی اور بڑی الائچی گوشت میں ڈال دیں ایک چائے کا چمچ گرم مصالحہ پاؤڈر ڈال دیں اتنا بھونیں کہ تیل چھوڑنے لگے (کنارے جلنے لگیں تو پانی کا چھینٹا دے دیں) ہرا دھنیا ڈال کر چولہا بند کر دیں اور کڑاہی سمیت گرما گرم پیش کریں' تنور کی روٹی کے ساتھ بہت مزے دار ہوگی۔

تکہ بوٹی

اجزاء۔

گوشت (بغیر ہڈی کا دستی کا) — آدھا کلو
گرم مصالحہ — ایک چائے کا چمچ
ادرک' لہسن (پیسٹ) — ایک کھانے کا چمچ
دہی — ایک چھٹانک
نمک' سرخ مرچ — حسب ذائقہ
سوکھا دھنیا پاؤڈر — ایک چائے کا چمچ
سفید زیرہ — ایک چائے کا چمچ
تیل — ایک کپ

ترکیب۔ گوشت کے ایک ایک انچ کے چوکور مربع ٹکڑے کٹوالیں گوشت ابال کر نیم گلالیں اور پانی خشک کر کے اتار لیں (پانی اتنا ہی ڈالیں جو مناسب ہو) سب مصالحے پیس کر دہی میں ملا دیں' گوشت کے ٹکڑے ٹھنڈے ہو جائیں تو ان پر یہ دہی لگا دیں' اب یہ ٹکڑے سلاخوں پر پرو دیں اور دہکتے ہوئے کوئلوں پر سینک کر سرخ کر لیں' ساتھ ساتھ تھوڑا تھوڑا ساگھی ٹپکاتے جائیں جب وہ کوئلوں پر گرتا ہے اور اس کا دھواں تکوں کو لگتا ہے تو بہت مزے دار ہو جاتے ہیں' کٹی ہوئی پیاز کے لچھوں اور لیموں کی قاشوں کے ساتھ پیش کریں۔

تندوری تکے

اجزاء۔

گوشت کے پارچے — ایک کلو
پیاز — آدھا کلو
دہی — آدھا کلو
تیل — ایک پاؤ
کچا پپیتہ — آدھا پاؤ
زیرہ' تل' خشخاش — ایک چھٹانک
بھنے ہوئے چنے — ایک پاؤ
لہسن (پیسٹ) — ایک کھانے کا چمچ

ترکیب۔ پیاز کے باریک لچھے کاٹ لیں پھر اسے تھوڑے سے تیل میں تل کر نکال لیں اب تمام مصالحے بھی اس طرح تیل میں تل کر نکال لیں اور انہیں پیاز کے ساتھ سل پر باریک پیس لیں پھر اس میں پہلے پپیتا پیس کر ملائیں پھر پیاز کو مصالحے میں شامل کر کے اس مرکب کو خوب اچھی طرح ملیں تا کہ یہ یکجان ہو جائیں اب پسی ہوئی ادرک' نمک' لہسن اور پھینٹی ہوئی دہی اس میں شامل کر دیں اور یہ تمام مصالحہ گوشت میں اس طرح ملیں کہ بوٹیاں پوری طرح لتھڑ جائیں انہیں تین چار گھنٹے پڑا رہنے دیں پھر انہیں بیکنگ ٹرے میں سجا کر ڈھک دیں اور اوون یا تندور میں دم پر لگا دیں کچھ دیر بعد اس ڈھکن کو اٹھا کر تکوں کو دیکھتی رہیں جب یہ سرخ ہو جائیں تو ٹرے اوون سے نکال لیں گرم گرم پراٹھوں سے نوش فرمائیں۔

قیمہ کے کٹلس

اجزاء

قیمہ (باریک) — ایک کلو
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا) — ایک گٹھی
پیاز (باریک کٹی ہوئی) — ایک عدد بڑی
ڈبل روٹی کا چورا — ایک کپ
آلو (ابلے ہوئے) — ڈیڑھ کلو
ہری مرچ (پسی ہوئی) — ایک چائے کا چمچ
انڈے — 2 عدد
کوکنگ آئل فرائی کے لئے — حسب ضرورت

ترکیب۔
سب سے پہلے آلو ابال لیں جب آلو اچھی طرح گل جائیں تو ان کا چھلکا اتار کر کانٹے کے ساتھ بھرتہ بنالیں ایک دیگچی میں ایک کھانے کا چمچ تیل ڈال کر اس میں قیمہ اور سارا مصالحہ ڈال دیں جب قیمے کا پانی خشک ہو جائے تو تھوڑا سا بھون کر اتار لیں اور ٹھنڈا ہونے دیں پھر تھوڑے سے آلو لے کر اس کو پھیلا دیں اب اس میں تھوڑا تھوڑا قیمہ بھر کر کٹلس بنالیں انڈا لگا کر بریڈ کرمز لگائیں اور ہلکی آنچ پر فرائی کریں قیمہ کے کٹلس تیار ہیں۔

چانپ گریوی

اجزاء۔

چانپ — آدھا کلو
ادرک — ایک چائے کا چمچ
لہسن — ایک چائے کا چمچ
ہری مرچ — 10 سے 12 عدد
پپیتا — ایک کھانے کا چمچ
گوشت گلانے کا پاؤڈر — ایک کھانے کا چمچ
نمک — حسب ذائقہ

فرائی کے لئے۔

انڈے — 2 عدد
بریڈ کرمب — حسب ضرورت
تیل — آدھا کپ

گریوی کے لئے۔

دہی — آدھا پاؤ
لال پیاز — آدھا کپ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تیل	آدھا کپ
ادرک لہسن	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
زیرہ	آدھا چائے کا چمچ (ثابت)
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
آلو	ایک بڑا (ابلا ہوا)
پیاز	2 عدد (درمیانے)
ٹماٹر	2 (درمیانے)
لیموں	1 عدد
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ (پسی ہوئی)

ترکیب۔ پہلے کالم میں دی گئی ساری چیزیں چانپ میں لگا کر صبح سے رکھ دیں۔ سالن بناتے وقت چانپ کو کوٹ کوٹ کر پھیلائیں، بہت سا بریڈ کرمب لگا کر سیٹ کریں اور انڈے کو اچھی طرح بیٹ کر کے چانپ پر لگا کر توے پر فرائی کرلیں پھر تیل گرم کر کے دوسرے کالم میں دی گئی ساری چیزیں ڈال کر بھونیں۔ فرائی چانپ گریوی میں رکھیں اوپر آلو، پیاز، ٹماٹر گول گول موٹا کاٹ کر شامل کریں نمک، کالی مرچ، لیموں کا رس اور دم پر رکھ دیں۔ نوٹ خوشبو آنے پر آنچ بند کردیں اور گرم گرم سرو کریں۔

کھٹا میٹھا گائے کا گوشت

اجزاء

بیف۔ 350 گرام (1x1½ کے ٹکڑوں میں کٹا ہوا)

کارن فلور	2 چائے کے چمچ
انڈے	2 عدد
ہری پیاز	2 عدد
لہسن	2 جوئے
نمک	حسب ذائقہ
لال شملہ مرچ	1 عدد
سبز شملہ مرچ	1 عدد
اناناس	450 گرام والا ایک ڈبہ

سویٹ اینڈ ساور ساس کے لئے اجزاء۔

سرکہ	آدھا کپ
ٹماٹو کیچپ	3/4 کپ
چینی	آدھا کپ
کارن فلور	2 کھانے کے چمچ
چکن (یخنی)	1 کپ
سویا ساس	2 کھانے کے چمچ
نمک	آدھا چائے کا چمچ

(سب کو ملالیں اور پکا کر گاڑھا کریں)

ترکیب۔ بیف کے ٹکڑوں پر نمک لگا کر رکھ دیں پھر انڈوں میں ڈبو ڈبو کر کارن فلور میں رول کر کے ڈیپ فرائی کرلیں (اگر گوشت عمدہ ہوگا تو اتنا تلنے سے ہی گل جائے گا) مرچوں کو چوکور ایک انچ کے ٹکڑوں میں کاٹ لیں اور ہری پیاز کو بھی لمبا کاٹ لیں، ایک کڑاہی میں دو کھانے کے چمچ تیل گرم کر کے لہسن اور مرچیں و پیاز ہلکا سا فرائی کریں پھر اناناس کے ٹکڑے بھی شامل کردیں، کھٹی میٹھی چٹنی کے اجزاء ایک پیالے میں گھول کر سبزیوں پر ڈال دیں اور پکا کر گاڑھا کرلیں، گوشت کے فرائی شدہ ٹکڑے شامل کر کے دو منٹ مزید پکائیں اب آنچ سے اتارلیں۔

☆☆☆☆☆☆

شہلا مشائق

سنگھار

رنگ سرخ وسفید کرنے کی کے لیئے

رات کو سونے سے پہلے لیموں، زعفران، روغن زیتون ملا کر ملنے سے رنگ سرخ وسفید ہوجاتا ہے۔

بال چمکیلے، لمبے اور مضبوط کرنے کی کے لیئے

بال بڑھانے اور بالوں کو مضبوط کرنے کے لئے چند دنوں تک مندرجہ ذیل ترکیبوں میں سے کوئی بھی استعمال کریں۔

1- بیری کے پتے لے کر انہیں چٹنی کی طرح باریک پیسیں، جھاگ نکال کر بیس منٹ تک سر میں خوب ملیں اور پھر سر دھو ڈالیں، صابن کا استعمال نہ کریں اس سے بال چمکیلے، گھنے اور لمبے ہوجائیں گے۔

2- سرسوں کی کھلی بھی سر کے بالوں کے لئے بہت مفید ہے سر دھونے سے دو گھنٹے قبل پانی میں بھیگی ہوئی سرسوں کی کھلی کا پانی نتھار کر سر دھوئیں۔

3- آملہ خشک، ہڑ خورد، ریٹھہ اور بیری کے پتے ہم وزن لے کر چار تولہ پانی میں جوش دیجیے اور پھر ٹھنڈا کر کے رکھ لیجیے اس سے ہر تیسرے روز بال دھونے سے بال لمبے اور سیاہ ہوجاتے ہیں۔

چہرے کے دانے ٹھیک کرنے کی کے لیئے

اگر آپ کے چہرے پر دانے نکل آئے ہوں تو آپ کالی مرچ کو بھگو کر گھڑے پر رگڑیں، گھڑے پر رگڑی ہوئی مرچ کے لعاب کو دانوں پر لگائیں، رات کو بھی لگا کر سو جائیں، فوراً ٹھیک ہوجائیں گے اور کوئی تکلیف بھی نہیں ہوگی۔

دانتوں کی چمک کے لئے

پہلے برش کو لیموں کے رس میں بھگوئیں اور اس کے بعد سوڈا بائی کاربونیٹ میں ڈبوئیں۔ اب اپنے دانت برش کریں آپ کے دانت موتیوں کی طرح چمکنے لگیں گے۔

کڑوے تیل میں نمک ملا کر دانت صاف کیجیے اس طرح بھی چمک پیدا ہوجائے گی دانتوں میں۔ اگر آپ تیل سے ہچکچاہٹ محسوس کریں تو اس کے بعد کوئی اچھا سا ٹوتھ پیسٹ استعمال کریں۔

چہرے کی خشکی دور کرنے کے لئے

پہلے بادام پانی میں بھگوئیے اور پھر رگڑ کر چہرے پر لگائیں جب خشک ہوجائے تو انگلیوں سے مل مل کر اتار دیں پھر پانی سے دھو ڈالیں چہرے کی خشکی دور ہوجائے گی۔

چہرے سے مہاسے اور دھبے دور کرنے کے لئے

اگر آپ کے منہ پر مہاسے یا کسی قسم کے دھبے پڑ گئے ہوں تو انہیں مٹانے کے لئے چہرے پر کچا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دودھ لے کر ملیئے بہتر ہوگا کہ دن میں دو بار لگائیں جلد ہی فرق محسوس ہوگا۔

رات کو سونے سے پہلے چہرے پر تھوڑی سی بالائی مل لیں اس سے چہرہ ملائم رہے گا اور داغ دھبے بھی صاف ہو جائیں گے جن خواتین کی جلد چکنی ہو وہ یہ عمل نہ کریں۔

ہلدی کو باریک پیس کر دہی میں ملالیں پھر کریم کی طرح ہاتھوں سے چہرے پر مل کر پندرہ منٹ بعد دھولیں اور چہرے پر خربوزے کے گودے کو لیپ کریں مہاسے اور جھائیاں دور ہو جائیں گی۔

پھٹی ایڑھیاں ٹھیک کرنے کے لئے

کپڑے دھونے والا صابن اپنے پاؤں پر خوب ملیں، صابن کو نرم کر کے اس میں سادہ گلسرین ملا لیجیئے اور پھٹی ہوئی جگہ میں بھر دیجیئے ایک گھنٹے بعد تازہ پانی سے دھو لیجیئے پھر اچھی طرح خشک کر کے بغیر صابن ملی گلیسرلین لگا لیجیئے کسی قسم کے موزے نہ استعمال کریں جوتے بھی نہ پہنیں بلکہ کھلی چپل استعمال کریں۔

ہونٹ پتلے اور خوبصورت کرنے کے لئے

پسی ہوئی پھٹکری، گلاب کا عرق اور چار قطرے لیموں کا عرق لیں ان تینوں کو ملا کر دن میں دو تین بار اور رات کو سوتے وقت لگائیں سیاہی مائل ہونٹ بھی پتلے اور خوبصورت ہو جائیں گے۔

گھریلو ابٹن بنانے کی ترکیب

گیہوں کا آٹا آدھ پاؤ، بیسن آدھ پاؤ، ہلدی ایک تولہ، سنگترے کے خشک چھلکے ایک چھٹانک، صندل سفید ایک تولہ سب اشیاء کو باریک پیس کر آٹے میں ملالیں اور کسی کھلے منہ کی شیشی میں رکھ لیں ہر روز تھوڑا سا یہ ابٹن لے کر پانی یا دودھ میں شامل کر کے لئی سی بنالیں اور چکنائی کے لئے سرسوں کا تیل یا بالائی شامل کر لیں اور پندرہ منٹ تک خوب ملیں دوران خون کی تیزی سے آپ کا چہرہ تمتما اٹھے گا دو ہفتے بعد آپ اپنے چہرے میں حیرت انگیز تبدیلی پائیں گی اور کسی کریم کے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

چہرے کو شاداب اور معدہ درست رکھنے کے لئے

صبح ناشتے سے قبل ایک گلاس نیم گرم پانی میں ایک عدد لیموں کا رس ملا کر پینے سے چہرہ شاداب رہتا ہے رنگت نکھرتی ہے اور معدہ درست رہتا ہے۔

ہاتھ ملائم کرنے کے لیئے

ناریل کے تیل میں موم ملا کر رات کو سونے سے پہلے ہاتھوں پر مل لیجئے، صبح بہت ہلکے گرم پانی سے ہاتھ دھو ڈالیئے، ایک ہفتے میں آپ کے ہاتھ ملائم ہو جائیں گے۔

پچکے ہوئے رخسار کے لیئے

ایک چھٹانک خالص چنبیلی کا تیل لیں اور ایک تولہ لیموں کا رس ملا کر رکھ لیں اور روزانہ چہرے پر مالش کریں اس سے پچکے ہوئے رخسار ابھر آئیں گے اور اس کے علاوہ پھوڑے اور دانوں کے داغ بھی دور ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk